UNIVERSAL LIBRARY
OU_188896
UNIVERSAL LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. 910 [illegible] Accession No. 18477

Author

Title

This book should be returned on or before the date last marked below.

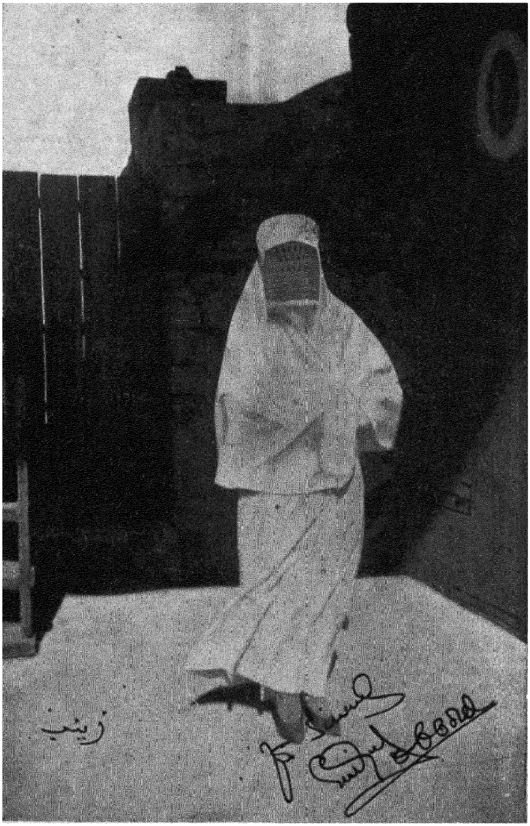

لیڈی ایولن لبولڈ زینب لباسِ حج میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"پکار دے لوگوں میں حج کے واسطے کہ آئیں تیری طرف پیروں چل کر اور سوار ہو کر دبلے دبلے (سبک رفتار) اونٹوں پر، چلے آئیں راہوں دور سے تاکہ پہنچیں اپنے بھلے کی جگہوں پر اور پڑھیں اللہ کا نام کئی دن جو معلوم ہیں ذبح پر چوپایوں مواشی کے جو اللہ نے دیے ہیں ان کو، سو کھاؤ اس میں سے اور کھلاؤ بُرے حال کے محتاج کو۔"

(قرآن پارہ ۱۷ سورۃ ۲۲ - آیۃ ۲۷، ۲۸)

فہرست مضامین

نمبر	مضمون	صفحہ
۱	مقدمہ۔ از عالیجناب الحاج نواب سر نظامت جنگ بہادر	الف۔ب
۲	پیش لفظ۔ از عالیجناب الحاج جسٹس نواب ناظر یار جنگ بہادر	ج۔د
۳	دیباچۂ مترجم	۱ تا ۵
۴	مقدمہ۔ از ہز ایکسلنسی شیخ حافظ وہبہ وزیر دولت سعودیہ عرب	۶
۵	دیباچہ۔ از لیڈی ایولن کبولڈ زینب۔	۷ تا ۱۴
۶	نقشۂ عمومی۔	۱۶
۷	جدّہ۔	۱۷ تا ۴۰
۸	مدینہ حصۂ اول	۴۳ تا ۹۱
۹	مدینہ حصۂ دوم	۹۵ تا ۱۲۸
۱۰	مکّہ حصۂ اول	۱۳۱ تا ۱۹۲
۱۱	مکّہ حصۂ دوم	۱۹۵ تا ۲۶۷

مقدمہ

از عالیجناب الحاج نواب سر نظامت جنگ بہادر

کے ۔ سی ۔ آئی ۔ ای ۔ او ۔ بی ۔ ای

ایسے زمانہ میں جبکہ اسلامی اصول زندگی اور اسلامی اخلاق اور اسلام کی عظمت کے قدرداں یورپ میں بڑھتے جاتے ہیں اور خود مسلمان ابھی غفلت وگمراہی کی حالت میں ہیں' خاتون محترمہ زینب لیڈی ایولن کا بلڈ (Lady Evelyn Cobbold) کا سفرنامۂ حج اُن کے لئے ایک شمع ہدایت ہے۔ کبرسنی میں ایسے سفر کا ارادہ کرنا جو عموماً تکلیف سے خالی نہیں سمجھا جاتا' ان کے دلی جذبات اور بلند ہمتی کے ثبوت کے علاوہ اُس قدرتی قوت کا اعتراف ہے جو اسلام میں بھری ہوئی ہے۔

شاید یہ پہلی یوروپین خاتون ہیں' جنہوں نے حج کا فرض ادا کیا ہے اور حج کے بعد ایک ایسی کتاب لکھی ہے جو مسلمانوں کی رہنمائی کا عمدہ ذریعہ

بن سکتی ہے۔ اس میں ان کو وہ امور بتائے گئے ہیں جو ہمیشہ ان کے دلوں میں رہنے کے قابل ہیں اور ایسے طریقے سے بتائے گئے ہیں جو دلوں میں اثر پیدا کرتا ہے لہٰذا اس کتاب کی اشاعت سے لیڈی صاحبہ ممدوحہ نے اسلام اور مسلمانوں کی گرانقدر خدمت کی ہے۔

چند سال قبل جب میں نے اس کتاب کو پہلی دفعہ دیکھا تو اُسی وقت مجھے یقین ہو گیا تھا کہ اس کا ترجمہ مختلف زبانوں میں کیا جائے گا۔ اب الحمد للہ یہاں کے ایک نوجوان تعلیم یافتہ مولوی محسن بن شبیر صاحب بی۔ اے، ایل ایل۔ بی (عثمانیہ) نے اردو زبان میں اس کا ترجمہ کرکے اپنے لئے سعادت حاصل کی ہے اور قوم پر احسان کیا ہے۔ ان کا یہ کام بیشک قابل قدر ہے، صرف اس نظر سے نہیں کہ لیاقت سے انجام دیا گیا ہے بلکہ زیادہ تر اس وجہ سے کہ اپنے ہم عصر اشخاص کے لئے جو تعلیم جدید سے مستفید ہو رہے ہیں ایک عمدہ نظیر قائم کی ہے اور ایسے کام کی طرف رغبت دلائی ہے جو نتیجہ خیز قومی کام ہے فقط

غرۂ رجب المرجب ۱۳۵۸ھ ہجری

پیش لفظ

از عالیجناب الحاج نواب حسن اکبر ناظر یار جنگ بہادر جج عدالت العالیہ حیدرآباد دکن

میرے دوست الحاج مولوی سید علی شبیر صاحب مرحوم و مغفور کے فرزند مولوی محسن بن شبیر صاحب بی-اے-ایل ایل-بی (عثمانیہ) مترجم کتاب ہذا نے مجھ سے خواہش کی ہے کہ میں اس ترجمہ کے لیے ایک پیش لفظ لکھوں۔ یہ ترجمہ ایک ایسی کتاب کا ہے جس سے بہتر کوئی کتاب مضمون حج پر آج تک نہیں لکھی گئی۔ مصنفۂ اصل کتاب لیڈی ایولن کبولڈ (Lady Evelyn Cobbold) ایک مسلم خاتون ہیں جنہوں نے تمام مناسک حج کے فلسفہ کو اس خوبی سے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے کہ یورپ کا کوئی خالص مادہ پرست بھی اس کو بغور دیکھنے کے بعد اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ دنیا کے تمام باشندوں کو ایک جگہ جمع ہو کر یکساں لباس و ماحول میں اپنے خدا کی عبادت کرنے اور اپنے جملہ دینی و دنیوی فلاح و بہبود کے ذرائع سوچنے کا جو طریقہ پیغمبر اسلام نے بتلایا ہے اُس سے زیادہ بہتر طریق نہ اُس سے قبل کبھی دنیا نے سنا اور نہ اُس کے بعد آج تک کہیں عملی شکل میں دنیا کے متمدن ترین ممالک تک میں رائج ہو سکا۔ میری رائے میں یہ ایسی کتاب ہے کہ دنیا کی جس قدر زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو کر اشاعت ہو سکے اتنا ہی زیادہ ایک ایسے اسلامک انسٹیٹیوشن

(Islamic Institution) سے دنیا واقف ہوگی جس کی کوئی دوسری مثال پائی نہیں جاتی۔ مصنفۂ کتاب کی عقیدت وروحانیت نے اُن کی تحریر میں ایک ایسی قوت و جاذبیت پیدا کردی ہے جو لاجواب ہے۔ یہ ترجمہ جو میرے دوست کے فرزند نے ملک کے سامنے پیش کیا ہے اس میں اصل کتاب کی لفظی و معنوی خوبیوں کو برقرار رکھنے کی بہت کامیاب کوشش کی گئی ہے۔

مجھکو نہایت افسوس ہے کہ مولوی سید علی شبیر صاحب مرحوم جن کی تحقیقات علمی مقامات مقدسۂ اسلامی کے متعلق اتنی گہری تھیں جو بہت کم پائی جاتی ہیں، چند ہی دن قبل ہم سے بہت بیوقت جدا ہو گئے ورنہ اُن کا کوئی تحقیقاتی مقالہ دنیاء اسلام کے لئے واقعی ایک جدید اور لاثانی مواد فراہم کردیتا۔ مرحوم اپنے تصانیف مذکورالصدر کے ذریعہ حجاز و دیگر ممالک اسلام میں مملکت آصفیہ کی نیک نامی کا باعث ہوئے ہیں نے اُن کی عمدہ تصانیف کا خود مطالعہ کیا اور مملکت حجاز میں متعدد اصحاب سے حیدرآباد کی تعریف ان کی مستند تصانیف کے تعلق سے سُنی جس کا مجھ پر خاص اثر ہوا تھا۔

میں اپنے اس پیش لفظ کو اس دعا پر ختم کرتا ہوں کہ خدا اُن کے اِن سعید و قابل صاحبزادہ محسن بن شبیر صاحب کو تحقیقات علمی کے میدان میں اپنے والد بزرگوار کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا کرے اور ان کی طرح یہ بھی اِس شعبۂ اسلامک کلچر (Islamic Culture) کی علمی تحقیقات کا باعث ہوں فقط

یکم رجب ۱۳۵۵ھ ہجری

دیباچۂ مترجم

عرصہ دراز سے بعض من چلے فرنگی سیاح مسلمانوں کا بھیس بناکر حجاز جاتے رہے ہیں اور وہاں سے واپس آکر ان لوگوں نے اپنے واقعات سفر بھی شائع کئے ہیں۔ ایسے سیاحوں کی تعداد کوئی چوبیس پچیس ہے۔ جن میں بجز دو ایک کے جن کی نسبت مسلمان ہو جانے کا گمان ہے باقی سیاحوں میں سے بعض نے اپنے سفرناموں کو تعصب سے رنگا ہے اور حج و زیارت کی دلفریب تصویر کو مسخ کرکے دکھایا ہے۔ بعض نے اسلام کی خوبیوں سے چشم پوشی کرکے روکھے پھیکے پیرائے میں واقعات سفر تحریر کر دئے ہیں۔ حضرت قبلہ گاہی الحاج مولوی سید علی شبیر صاحب مرحوم و مغفور نے ان تمام سیاحوں کے حالات میں ایک مبسوط کتاب "حجاز کے فرنگی سیاح" تحریر فرمائی ہے۔ اور ان کے سفرناموں پر تبصرہ فرمایا ہے۔ اس کتاب کے چیدہ چیدہ اجزا، حیدرآباد کے مختلف ادبی رسائل ترجمان۔ دور ترقی و مکتبہ وغیرہ میں وقتاً فوقتاً شائع ہو چکے ہیں۔ حال میں ان فرنگی سیاحان حجاز کے سفرناموں میں ایک نومسلم انگریز خاتون لیڈی ایولن کبولڈ (Lady Evelyn Cobbold) زینب نے بیش بہا اضافہ فرمایا ہے۔

سیدہ زینب قصبہ کرائڈن ضلع لندن کی رہنے والی ہیں۔ کوئی اٹھاون برس کی عمر میں مسلمان ہوئیں اور پینسٹھ برس کی عمر میں اپریل ۱۹۳۳ء میں حج کیا۔ خاتون صاحبہ ممدوحہ ایک نومسلم کی حیثیت سے سیدہ زینب نام رکھ کر ۲۴ فروری ۱۹۳۳ء کو مصر سے چل کر جدے پہونچیں۔ یہاں سے مدینۂ طیبہ روانہ ہوئیں پھر جدے آکر مکہ معظمہ گئیں اور حج سے مشرف ہو کر براہ مصر ۱۲ اپریل ۱۹۳۳ء کو انگلستان واپس ہوگئیں۔ خاتون صاحبہ نے ۱۹۳۴ء میں اپنا سفرنامہ پلگریمیج ٹو مکہ Pilgrimage to Mecca (حج مکہ) کے نام سے البومرل اسٹریٹ لندن میں طبع کرا کے شائع کیا۔ اس سفرنامہ میں بہ ضمن حالات مدینہ منورہ کئی جگہ "منشی کرامت اور سید احمد" کا ذکر کیا ہے۔ حضرت قبلہ گاہی صاحب نے جب ۱۹۳۸ء میں وہ مدینۂ منورہ میں حاضر ہوئے تو بعد تلاش اِن دونوں صاحبوں سے ملاقات کی اور سیدہ زینب کی نسبت ان سے دریافت کیا۔ منشی کرامت کا نام کرامت اللہ ہے یہ سالہائے دراز سے مدینہ منورہ میں مقیم ہیں اور وہاں کے مدرسہ امیریہ میں جو سرکاری مدرسہ ہے انگریزی پڑھاتے ہیں۔

سید احمد صاحب جو سید احمد صُقر کے نام سے موسوم ہیں مدینہ میں ناظم تعلیمات ہیں۔ ان دونوں صاحبوں نے خاتون ممدوحہ کے اسلام کی تائید کی۔ اِن کے بیان سے وقت حج خاتون ممدوحہ کی عمر ستر سال سے زاید معلوم ہوئی۔ جس کے حساب سے اب وہ پچہتر سال کی ہوں گی۔ قبلہ گاہی صاحب کی فرمائش پر سید احمد صاحب صُقر نے اپنی سوانح عمری اور خاتون صاحبہ ممدوحہ کے چشم دید حالات بھی عربی میں تحریر کر کے دے ہیں۔ جو میرے پاس محفوظ ہیں۔

باعتبار عقیدہ سیدہ زینب کے سفرنامے سے سابقہ سفرناموں کو کوئی نسبت نہیں ہے۔ اس میں حسب ذیل تین بڑی خصوصیات ہیں:۔

الف۔ یہ سب سے پہلی مسلم انگریز خاتون کا سفرنامۂ حرمین ہے اور اُن تاثرات کا آئینہ ہے جو ایک نومسلم خاتون کے دل پر فریضۂ حج کے ادا کرنے میں منعکس ہوئے ہیں۔

ب۔ یہ سفرنامہ اسلام و بانیٔ اسلام کی ایک صحیح تصویر ہے۔

ج۔ یہ سفرنامہ تعصب سے پاک ہے۔

اس کتاب میں بڑی خوبی یہ ہے کہ خاتون صاحبہ مخالفین اسلام کے اعتراضات کا جواب بڑی متانت کے ساتھ دیتی چلی گئی ہیں اور انھوں نے اسلام کے ہر ایسے پہلو کو جو مخالفوں کی نظر میں کھٹکتا ہے بقدر ضرورت واضح کر دیا ہے۔ عام طور پر بھی خاتون صاحبہ کا پیرائۂ بیان نہایت دلکش و موثر ہے۔

اس سفرنامہ پر ہز اکسلنسی علامہ حافظ شیخ وہبہ وزیر سلطنت سعودی مقیم لندن نے مقدمہ تحریر کیا ہے جو اس کتاب کے مفید و دلچسپ ہونے کی ضمانت ہے۔ ستمبر ۱۹۳۴ء میں اس سفرنامے کے مختلف دو تین صفحوں کا اقتباس بحوالۂ رسالۂ حمایت اسلام لاہور اخبار صحیفہ روزآنہ حیدرآباد دکن میں شائع ہوا تھا جسے پڑھ کر مجھے اصل انگریزی سفرنامے کے دیکھنے کا اشتیاق ہوا۔ اور عالیجناب الحاج ڈاکٹر نواب ناظر یار جنگ بہادر ایم۔ اے یل یل ڈی بیرسٹرایٹ لا جج حیدرآباد ہائی کورٹ کی عنایت سے اصل سفرنامہ مجھے مطالعہ کے لئے مل گیا۔ جس کے دیکھنے کے بعد میں نے اس کا اردو ترجمہ کر دینا ضروری سمجھا تاکہ اس

محترم نومسلم انگریز خاتون کے سچے اور پر خلوص اسلامی جذبات صرف انگریزی جاننے والوں ہی کی حد تک محدود نہ رہیں بلکہ اردو داں پبلک اور بالخصوص مسلمان عورتوں کو بھی ایسی بصیرت افروز کتاب سے مستفید ہونے کا موقع مل جائے۔ خدا نے مجھے اس کی توفیق دی میں نے اس خیال سے کہ مصنف کے اصلی خیالات اُسی کے لفظوں میں معلوم ہوسکیں اِس ترجمے میں کسی جگہ صرف مفہوم ومنشا پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ حتیٰ الامکان لفظی پابندی کے ساتھ مصنف کی ترجمانی کرکے انگریزی عبارت کو بامحاورہ اردو کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔

اصل سفرنامے میں علاوہ دیباچہ کے جدہ و مدینہ و مکہ وغیرہ صرف پانچ عنوان ہیں۔ اِن ہی عنوانوں کے تحت مختلف باتوں کا ذکر اور مختلف مضامین پر بحث آگئی ہے۔ میں نے ناظرین کی سہولت کے لئے بڑے بڑے عنوان کے تحت اسماء واعلام واماکن ومباحث کے متعلق متعدد ذیلی عنوان قایم کردئے ہیں تاکہ ہر چیز بہ آسانی برآمد ہوسکے۔

میں اس دیباچہ کو محترم خاتون سیدہ زینب صاحبہ کا دلی شکریہ ادا کئے بغیر ختم نہیں کرسکتا جنہوں نے اپنا سفرنامہ مرتب فرماکر دنیائے اسلام کی ایک زبردست خدمت انجام دی اور ازراہ مہربانی نہایت خوشی کے ساتھ مجھ کو سفرنامہ کے ترجمہ کی اشاعت کی اجازت مرحمت فرمائی اور بعض دلچسپ تصاویر بھی عنایت کیں جن میں سے فی الحال صرف محترمۂ موصوف کی تصویر جو لباس حج میں ہے ترجمہ کے ساتھ شائع کی جاتی ہے۔ میں خاتون موصوفہ کا مرہون منت ہوں اور امید کرتا ہوں کہ وہ تمام اصحاب جو اس سفرنامہ کو پڑھیں خاتون محترم کے مشکور رہوں گے۔

الحاج مولوی محمد اکبر علی صاحب مدیر اخبار صحیفہ کی شفقت و مہربانی سے یہ ترجمہ ۳۰؍ ذی قعدہ ۱۳۵۷ھ سے یکم ربیع المنور ۱۳۵۸ھ تک صحیفہ میں مسلسل شائع ہوا۔ سرسری نظر ثانی کے بعد اب یہ کتابی صورت میں شائع ہو رہا ہے۔

یہ ترجمہ میں نے پیر و مرشد حضرت والد صاحب قبلہ مرحوم و مغفور کے ارشاد و ایما پر شروع کیا تھا جو اسی ذات گرامی کی مسلسل و پیہم توجہ سے فروری ۱۹۳۵ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ مرحوم کی دلی تمنا تھی کہ ترجمہ جلد از جلد شائع کر دیا جائے مگر اس بات کا انتہائی افسوس و رنج ہے کہ والد ماجد کی زندگی میں ترجمہ کتابی شکل اختیار نہ کر سکا اور عین ایسے وقت جب کہ اس کی طباعت کا انتظام ہو رہا تھا آں قبلہ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

اب میں اس ترجمہ کو اس یقین کے ساتھ شائع کر رہا ہوں کہ یہ والد ماجد کی روح پر فتوح کے لئے خوشنودی کا باعث ہوگا اور ناظرین کرام سے مستدعی ہوں کہ وہ مرحوم کو دعائے خیر سے یاد فرمائیں۔

محسن بن شبیر

ربیع المنور ۱۳۵۸ھ

مقدمہ

از

ہز ایکسلنسی شیخ حافظ وہبہ ؔ وزیر دولتِ سعودیہ عرب مقیم لندن

جب لیڈی ایولن کبولڈ صاحبہ نے اپنے سفرنامۂ مکہ پر مقدمہ لکھنے کے لئے مجھ سے فرمائش کی تو اس کو میں نے اپنے لئے باعث عزت سمجھا اور اس کی تعمیل کا مجھے اشتیاق ہوا۔ ایسی یادگار زمانہ کتاب کا علمی دنیا سے تعرف کرانا بڑا مسرت بخش اور قابل شکریہ فرض ہے۔ ہم لوگوں کے لئے جو بقول بنیان Bunyan "صحرائے عالم میں" حاجیوں کی طرح چلے جارہے ہیں حج کے ایسے سچے اور واضح حالات دلچسپی پیدا کئے بغیر نہیں رہیں گے۔ مسلمانوں کے واسطے یہ کتاب اس اعتبار سے کہ یہ ان تاثرات کا آئینہ ہے جو مقدس فریضۂ حج کی ادائی میں سب سے پہلی مسلم انگریز خاتون کے دل پر مترتب ہوئے ہیں دلچسپ بھی ہے اور سبق آموز بھی۔ حالات سفر و معلومات تمدن و معاشرت عرب سے قطع نظر ہر روشن خیال و منصف شخص اس کتاب کو حج و ضرورت حج و مناسک حج و تاریخ حج کی ایک چشم دید جیتی جاگتی تصویر ہے اور جو ایک بہت ہی دلفریب قلم سے کھینچی گئی ہے قدر کی نظر سے دیکھے گا فقط

دیباچہ

از

لیڈی ایولن کبولڈ زینب

گوئٹے[1] سوال کرتا ہے:۔ "اگر اسلام یہی ہے تو کیا ہم سب دائرۂ اسلام میں داخل نہیں ہیں"؟

کارلائل[2] جواب دیتا ہے:۔ "بے شک جو لوگ اخلاق حسنہ رکھتے ہیں اون کی

---

[1] گوئٹے goethe جرمن کا نہایت مشہور شاعر و ڈرامہ نویس ہے۔ اس کی نظمیں یورپ میں بڑی مقبولیت حاصل کر چکی ہیں اور مختلف زبانوں میں ان کا ترجمہ ہوا ہے۔ گوئٹے ۱۷۴۹ء میں پیدا ہوا ۱۸۳۲ء میں وفات پائی۔

[2] ٹامس کارلائل Thomas Carlyle اسکاٹ لینڈ کا مشہور و معروف مورخ و فلاسفر ہے۔ متعدد کتابوں کا مصنف ہے۔ اس کے لکچروں کا مجموعہ "ہیرو ورشپ" دنیا میں مشہور ہے۔ یہ پہلا فرنگی ہے جس نے اسلام و بانی اسلام کے متعلق بہت کچھ حق گوئی سے کام لیا ہے اور آنحضرتؐ کی نسبت اہل یورپ کے شکوک بڑی حد تک رفع کئے ہیں۔ ان لکچروں کا ترجمہ اردو میں بھی ہو گیا ہے۔ کارلائل ۱۷۹۵ء میں پیدا ہوا ۱۸۸۱ء میں وفات پائی۔

زندگی مسلمانوں ہی کی سی زندگی ہے۔"

اکثر لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ تم کب اور کیوں مسلمان ہوئیں۔ اس کا جواب میں صرف یہی دے سکتی ہوں کہ اس وقت کا میں ٹھیک ٹھیک تعین نہیں کر سکتی کہ کب میرے دل پر اسلام کی صداقت کا نور پرتو فگن ہوا۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں ہمیشہ سے مسلمان ہی ہوں۔ میرا یہ کہنا کچھ بے جا بھی نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ صرف اسلام ہی دین فطرت ہے اور اگر کوئی بچہ اپنی حالت پر چھوڑ دیا جائے تو اس کی نشو و نما اسلام ہی پر ہو گی۔

کسی مغربی نقاد نے یہ سچ کہا ہے۔

" اسلام ہی وہ مذہب ہے جسے عقل سلیم قبول کرتی ہے"

میں بچپن میں اپنے والدین کے ساتھ دھوپ کھانے کے لئے الجزائر جایا کرتی تھی اور جاڑوں کا موسم ہم وہاں ایک مراکشی مسلمان کے مکان میں پہاڑی پر گزارا کرتے تھے۔ میں نے وہاں کچھ عربی بھی سیکھ لی تھی۔ آیا کی نگاہ بچا کر الجزائر کے ملاقاتیوں کے ساتھ مسجدیں دیکھنے کے لئے جانا مجھے بہت بھلا معلوم ہوا کرتا تھا۔ اور اس طرح بلا ارادہ میں کچھ مسلمان سی ہو گئی تھی۔ مصطفےٰ کے مکان میں ہم جاڑے گزارنے کے لئے تین سال تک جاتے رہے۔ پھر ہمیشہ کے لئے اس گھر کو خیر باد کہہ دیا۔ اول تو اس کا مجھے بہت رنج ہوا لیکن رفتہ رفتہ وہاں کی مسجدوں میں نماز پڑھنا اور عرب دوستوں کی یاد میرے دل سے جاتی رہی۔ یہاں تک کہ میں عربی بھی بھول گئی۔ چند سال کے بعد مجھے روم جانے کا اتفاق ہوا اور وہاں اطالوی دوستوں کے ہاں ٹھہری۔ ایک دن میرے میزبان نے مجھ سے کہا چلو تمہیں

پوپ صاحب سے ملائیں۔ میں نے کہا بہت خوب۔ میں سیاہ لباس پہن ایک لمبا نقاب منہ پر ڈال[1] اپنے میزبان اور ان کی بہن کے ساتھ پوپ صاحب کے حضور میں باریاب ہوئی۔ تقدس مآب پوپ نے میری طرف مخاطب ہو کر یکایک دریافت کیا "کیا تم کیتھولک ہو"۔ میں پہلے تو کسی قدر جھجکی پھر عرض کیا "جی نہیں میں مسلمان ہوں"۔ میں یہ نہیں بتا سکتی کہ اوس وقت میرے منہ سے یہ الفاظ بے اختیار کیسے نکل گئے۔ برسوں سے میرے دل میں اسلام کا کوئی خیال بھی نہیں آیا تھا۔ بس اسی وقت سے میرے دل میں اسلام کی لو لگ گئی اور میں نے دین اسلام کے متعلق معلومات حاصل کرنے اور کتابیں پڑھنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ جتنا جتنا میں بڑھتی گئی اور جیسی جیسی مجھے معلومات ہوتی گئیں اُتنا ہی اُتنا مجھے یہ یقین ہوتا گیا کہ اسلام سب سے بڑھ کر قابل عمل مذہب ہے۔ اسی سے ساری دنیا کی گتھیاں سلجھ سکتی ہیں اور اسی سے انسان کو اطمینان قلب اور سچی مسرت حاصل ہو سکتی ہے۔ میرا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ ایک ہے۔ موسیٰؑ۔ عیسیٰؑ۔ محمدؐ اور دوسرے پیغمبر سب خدا کا پیغام پہونچانے والے تھے۔ ہر قوم کے لئے خدا نے کوئی نہ کوئی نبی پیدا کیا ہے۔ ہم خلقی گنہگار نہیں ہیں۔ نہ ہم کو کسی کفارہ کی ضرورت ہے اور نہ خدا اور بندوں کے درمیان کسی وسیلے کی حاجت ہے۔ خدا سے کوئی ہماری شفاعت نہیں کر سکتا۔ یہاں تک کہ نہ محمدؐ نہ عیسیٰؑ۔ ہماری نجات صرف ہمارے اعمال پر منحصر ہے[2]۔

---

[1] مقدس پاپائے روم سے ملاقات کے لئے اسی قسم کا لباس پہن کر جاتے ہیں۔

[2] مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ خدا کی اجازت بغیر کوئی شفاعت نہیں کر سکتا اور شفاعت (بقیہ نوٹ بر صفحہ ۱۰)

اسلام و مسلم

اسلام کے لغوی معنیٰ خدا کی اطاعت کے ہیں۔اس کے ایک دوسرے معنی سلامتی کے بھی ہیں۔پس مسلمان وہ ہے جو راضی بہ رضا رہے اور حق اللہ و حقوق العباد کا خیال رکھے۔اسلام کی عمارت صرف دو بڑے ستونوں پر قایم ہے۔ایک وحدت دوسرے اخوت۔اس کے سوا اسلام سارے فروعی مذہبی جھگڑوں سے بالکلیہ پاک ہے۔سب سے بڑھ کر یہ کہ اسلام بہت ہی سیدھا سادہ اور سچا مذہب ہے۔محمدؐ (صلعم) سے کسی نے پوچھا۔اسلام کیا ہے۔آپ نے فرمایا "خالق کی اطاعت اور مخلوق کے ساتھ نیکی"۔ایک اور موقع پر کسی نے آپ سے سوال کیا۔مسلمان کون ہے؟ فرمایا "مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے کسی کو تکلیف نہ پہونچے۔" اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہوا ہے "کسی شخص کے مذہب کا اندازہ اس کے عمل سے ہوسکتا ہے۔" قرآن (شریف) میں ہم نے پڑھا ہے:۔

"اس سے بہتر کون ہے جو لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہے اور نیک کام کرتا ہے..... نرمی کو اپنا ہتیار بناؤ اور سمجھ لو کہ اس سے تمہارے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۹) اسی کی ہو سکے گی جو راہ شریعت پر گامزن ہے جیسا کہ سعدی فرماتے ہیں:۔

پیمبر کسے را شفاعت گر است
کہ بر جادۂ راہِ پیغمبر است

جس سے خدا ناراض ہوگا اس کے متعلق شفاعت بھی نہیں سنی جائے گی۔

اگر خدائے نباشد ز بندہ خوشنود
شفاعتِ ہمہ پیغمبراں ندارد سود

دشمن بھی دوست بن جائیں گے۔ فی الحقیقت اللہ تعالیٰ نیکی وانصاف کو پسند فرماتا ہے۔ اچھے اعمال ہمیشہ باقی رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ضرور ان کا اجر دے گا۔"

قرآن میں ہر جگہ نیک عمل کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اچھے کاموں کا علم رکھنا اور ان پر عمل نہ کرنا اسلام میں جائز نہیں ہے۔

حج ۔ اب مجھے حج کے متعلق کچھ کہنا ہے :۔

ہر مسلمان مرد عورت پر عمر بھر میں ایک مرتبہ حج فرض ہے۔ مگر اس کے وجوب کے لئے پانچ شرطیں ہیں۔

(۱) عاقل و بالغ ہونا۔

(۲) حریت و آزادی۔

(۳) صحت و زاد و راہ۔

(۴) حج سے واپسی تک اہل و عیال کا نفقہ۔

(۵) امن راہ۔

حج کے فوائد حج کے اثرات کے بارے میں جو کچھ کہا جائے اس کے متعلق مبالغہ کا گمان ناممکن ہے۔ ایسے مقدس موقعے اور ایسے مقدس مقام پر اس عظیم الشان مذہبی اجتماع کا جو روئے زمین کے چاروں کونوں سے اکٹھا ہوتا ہے ایک رکن بن کر رب کے ساتھ انتہائی خشوع وخضوع سے خدا کی تقدیس و تسبیح میں مشغول ہونے سے انسان کے دل و دماغ پر جو اسلام کی صداقت کا نقش مرتسم ہو جاتا ہے اور قلب انسانی پر جو روحانی کیفیات

وارد ہوسکتی ہیں۔ ان میں سے ایک انتہا درجہ کی روح پرور کیفیت سے حج میں
شریک ہو کر انسان بہرہ اندوز ہوسکتا ہے اسلام کے گہوارے کو جہاں کا ذرہ ذرہ آنحضرتؐ
کی ان مسلسل و گوناگوں مصیبتوں کا شاہد ہے جو آپ نے بنی نوع انسان کے گم کردہ
راہ قافلے کو راہ پر لانے کے لئے برداشت کیں اپنی آنکھوں سے دیکھنے میں
اور اس مقدس سرزمین میں چلنے پھرنے میں قربانیوں اور ایثار کے اسی مبارک
زمانے کا لطف آجاتا ہے۔ اور روح اس نور سے معمور ہو جاتی ہے جس نے
تمام روئے زمین کو منور کر دیا۔ دوسرے فوائد سے قطع نظر حج مسلمانوں میں اتحاد
پیدا کرتا ہے۔ اسلام کی منتشر فوجوں کو ایک محاذ پر جمع کرکے اُنہیں اخوت و
ہمدردی کی زنجیروں میں جکڑ دینے والی اگر کوئی چیز ہے تو وہ حج ہی ہے۔ یہی
ایک موقع ہے جبکہ مسلمان دنیا کے گوشے گوشے سے ایک مرکز پر جمع ہوتے
ہیں۔ حج ان کے لئے سال کے سال ملاقات کا ایک ذریعہ ہے تاکہ وہ ایک
دوسرے کو پہچانیں۔ تبادلہ خیالات کریں اور ایک دوسرے کے تجربہ سے فائدہ
اٹھا کر بنی آدم کی فلاح و بہبود کے لئے متفقہ طور پر کوشش کریں۔ اس مرکز اتحاد
پر قرب و بعد کا سوال باقی نہیں رہتا۔ عقاید کے تفرقے مٹ جاتے ہیں نسل و رنگ
کے امتیازات اُٹھ جاتے ہیں۔ اور سارے مسلمان ایک زبردست رشتۂ اُخوت میں
منسلک ہو کر اپنی اس عظیم الشان میراث کو محسوس کرنے لگتے ہیں جو ان کا خاص حصہ ہے
جب مناسک حج ختم ہو جاتے ہیں تو ملک ملک کے سوداگر اپنے اپنے
بیچ و بیوپار اور تجارتی کاروبار کی باتیں کرتے ہیں۔ علماء و فقہا میں مذہبی مسائل اور
فقہ کے اصول پر بحث ہوتی ہے۔ سائنس داں سائنس کی جدید ترقیوں کے متعلق

گفت وشنید کرتے ہیں۔ اہل قلم اپنے اپنے مذاق کی گفتگو چھیڑ دیتے ہیں کہیں مالیات پر بحث تمحیص ہے تو کہیں سیاسیات پر رائے زنی۔ حج مسلمانوں کے لئے صرف ایک مذہبی اجتماع ہی نہیں ہے بلکہ ایک جمعیت اقوام۔ ایک بین الاقوامی ادارۂ علوم و فنون اور ایک ایوان تجارت۔ سب ہی کچھ ہے۔

پروفیسر سنوک ہرگرونج کہتے ہیں :۔

"مختلف اقوام کے ایک جگہ جمع ہونے کے اصول پر اسلام نے دوسرے تمام مذاہب سے بڑھکر پیش قدمی کی ہے۔ اس مجلس بین الاقوام سے جس کا سنگ بنیاد دین محمدؐی نے رکھا ہے انسانی مساوات کو اس درجے اہمیت دی ہے کہ دوسری جماعتوں کے دانت کھٹے ہو گئے "

سر طامس آرنلڈ کہتے ہیں :۔

" سب سے بڑھ کر اسلام سال کے سال مختلف زبانیں بولنے والی مختلف قوموں کے مسلمانوں کو دنیا کے تمام حصوں سے اُس مقدس جگہ کھینچ لاتا ہے جس کی طرف اون کے منہ اُس وقت بھی ہوتے ہیں جبکہ وہ دور دراز مقامات پر اپنے گھروں میں نماز پڑھتے ہیں۔ کوئی اور مذہب اپنے پیرؤں کے لئے محبت و مساوات کا نقش دل پر بٹھا دینے کے واسطے اس سے بہتر طریقہ نہ نکال سکا۔ یہاں متحدہ عبادت کا ایک اعلیٰ فریضہ ادا کیا جاتا ہے۔ یہاں افریقہ کے مغربی ساحل کے حبشی مشرق بعید کے چینیوں سے ملتے ہیں۔ یہاں مہذب و شائستہ ترک بحر جاوا کے دور افتادہ جزیرے کے رہنے والے جنگلی مسلمان کو بھی اپنا بھائی سمجھتے ہیں۔ اس کے ساتھ تمام اسلامی

دیباچہ

"دنیا میں بھی سارے مسلمانوں کے دل اپنے اپنے گھروں میں عید الاضحیٰ
مناتے وقت اون خوش نصیب بھائیوں کی محبت وہمدردی میں اچھلنے لگتے
ہیں جو حج کے لئے مکہ معظمہ میں جمع ہوتے ہیں۔"

اسلام نمود ونمائش سے مبرا ہے

میں نے آیندہ سطور میں مناسک حج کا ذکر کیا ہے۔ یہ رسوم اس امتحان کی یادگار ہیں جن میں سے ابراہیمؑ وہاجرہؑ واسمٰعیلؑ کو گزرنا پڑا تھا اور یہ اس لئے ادا کئے جاتے ہیں کہ ہم کو اللہ تعالیٰ کی نعمات بیکراں وبرکات بے پایاں کا بخوبی اندازہ ہو سکے۔ ان سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اسلام میں اس قسم کی رسموں کی کوئی خاص اہمیت ہے۔ یہ چیزیں تو بقول شخصے تاریخی قسم کی ہیں جن سے عرب قوم کی ابتدار کا پتہ چلتا ہے۔ قرآن کی حسب ذیل آیتوں سے واضح ہوگا کہ اسلام میں رسوم ونمود ونمایش کا کس قدر کم دخل ہے۔

"راہ راست صرف یہی نہیں ہے کہ نماز کے وقت مغرب یا مشرق کی طرف
منہ کر لیا جائے۔ بلکہ خدا پر۔ قیامت پر۔ فرشتوں پر۔ آسمانی کتابوں پر۔
اور پیغمبروں پر ایمان رکھنا۔ رشتہ داروں۔ یتیموں۔ مسکینوں اور مسافروں
کی مدد کرنا۔ نماز پڑھنا۔ زکوٰۃ دینا۔ وعدہ پورا کرنا۔ غلام آزاد کرنا اور
مصیبت اور جنگ کے وقت ثابت قدم وراضی برضا رہنا سیدھا رستہ ہے۔"

جدَّه

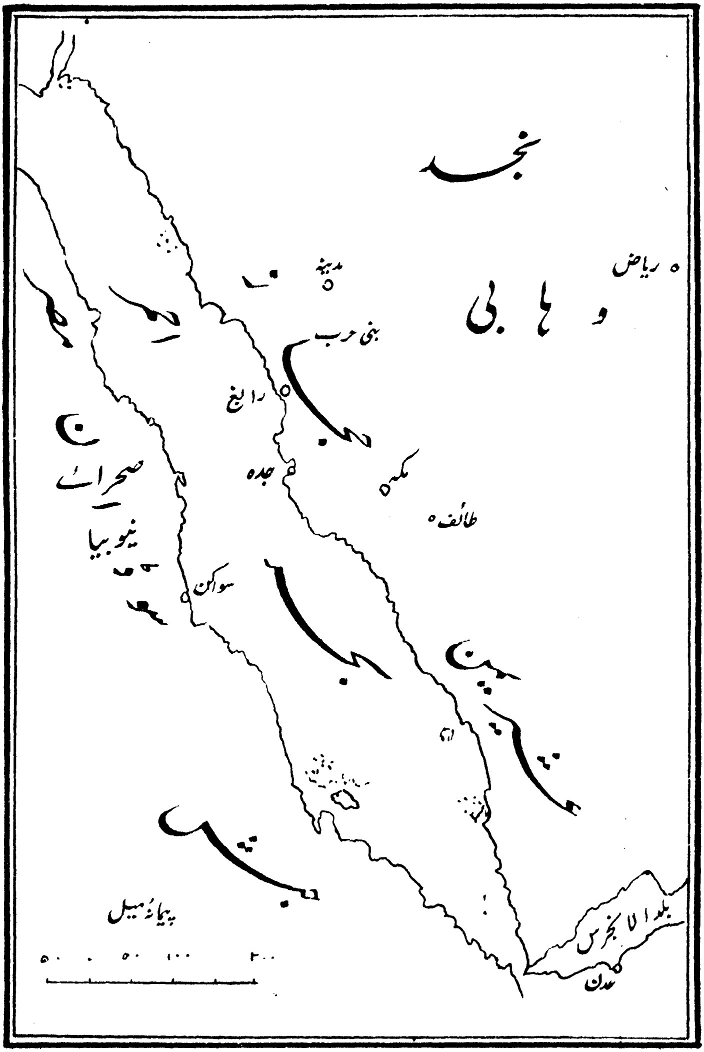
نجد
ریاض
وهابی
مدینه
بنی حرب
رابغ
جده
مکه
طائف
صحرای
نیوبیا
سواکن
یمن
عدن
پیمانهٔ میل
٥٠ ٠ ٥٠ ١٠٠ ٢٠٠

جدہ

بندرگاہ سعید

۲۲ر فروری ۱۹۳۳ء:- قاہرہ کی ریل گاڑی (مجھے چھوڑ کر) نگاہ سے اوجھل ہوتی جارہی ہے اور ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ یہاں ملاقاتیوں اور جان پہچان والوں سے میرے تعلقات اب منقطع ہو گئے۔ مجھے مصر سے محبت ہے لیکن اب حجاز مجھ کو کھینچ رہا ہے۔ میں سوئیز جانے والی ریل کی منتظر ہوں اور جدّہ میری منزل مقصود ہے۔ دیکھئے آئندہ تقدیر کیا دکھاتی ہے۔ غالباً مجھے مایوس نہیں ہونا پڑے گا۔ اگر مجھے اُس جگہ کے داخلہ سے روک دیا جائے جہاں میں جانا چاہتی ہوں تو اس کے سوا اور کیا کر سکتی ہوں کہ یہاں سے واپس ہو کر چند ہفتے دریائے نیل کے کنارے گزار دوں۔ ریل کے آنے تک دو گھنٹے مجھے اور کاٹنے ہیں۔ مجھے خیال آیا کہ یہاں مسجد توفیقیہ میں میرے ایک ملاقاتی شیخ سید احمد رہتے ہیں۔ ان سے ترکوں کے حملۂ قنطارہ کے وقت ۱۹۱۵ء میں جبکہ مجھے بندرگاہ سعید میں روک لیا گیا تھا میری ملاقات ہوئی تھی میں ان کی تلاش میں نکلی اور مسجد کے عقب میں ان کو ایک چھوٹے سے حجرے میں بیٹھا ہوا پایا۔ ان کے گرد کتابیں پھیلی ہوئی تھیں اور یہ ایک بچے کو گود میں لئے بیٹھے تھے۔ ہم ایک دوسرے کو پہچان گئے اور میں قہوہ پیتی ہوئی اُن سے باتیں کرنے لگی انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ ان کی پہلی بیوی جسے میں نے پانچ سال قبل

دیکھا تھا انتقال کرگئی۔ دوسری شادی کی ہے جس سے یہ بچہ ہے۔

شیخ صاحب سے میں نے اپنے ارادہ اور اپنی منزل مقصود کا ذکر کیا۔ انہوں نے میری کامیابی کی دُعا کی اور کہنے لگے کہ اگر پہلے سے خبر ہوتی تو میں بھی تمہارے ساتھ چلتا جب ریل کا وقت قریب آیا وہ مجھے پہونچانے کیلئے اسٹیشن تک آئے اور تھوڑی نارنگیاں اور کچھ پنیر جو غالباً گذشتہ عید پر تیار کیا گیا تھا میرے ساتھ کر دیا۔

سوئز کو روانگی گاڑی کھچا کھچ بھری ہوئی آئی اس کے ساتھ ہی ہوا کا ایک ایسا جھکڑ آیا کہ دروازے کھڑکیاں سب بند کر دینی پڑیں۔ اسماعیلیہ پر ریل بدلی اور میں ایک چھوٹی سی سڑیل گاڑی میں جس پر "سوئز اور بندرگاہ سعید جانے والی" لکھا ہوا تھا سوار ہو گئی۔ اسی ڈبے میں ایک انگریز ملاح بھی ہے۔ یہ پیدل سفر کے قافلہ سالار کی حیثیت سے زندگی کے بہت سے پہلوؤں سے واقف ہو چکا ہے اور عجیب وغریب قصے بیان کرتا ہے۔ اس طرح وقت کٹ رہا ہے۔

بندرگاہ توفیق "مسوعہ" جہاز سوئز پہونچنے پر لوگوں نے مجھے بندرگاہ توفیق جانے کی صلاح دی۔ یہاں مجھے "مسوعہ" نامی اطالوی جہاز ملا۔ اس میں میرے لئے ایک کمرہ محفوظ ہو چکا ہے اس وقت یہ جہاز لنگر انداز ہے۔ کل (۹) بجے صبح روانہ ہو جائے گا۔ بندرگاہ سے قریب ایک ہوٹل تھا اُسے دیکھ آنے کے بعد جہاز پر واپس آگئی اور اپنی کیبن میں سونے کی اجازت لے لی۔ اب میں بڑے مزے میں ہوں۔ دوسرے دن سویرے جب میں پاسپورٹ دکھانے گئی تو مجھ سے دریافت کیا گیا کہ تمکو چیچک کا ٹیکہ لگوائے کتنے دن ہوئے۔ میں نے کہا پانچ سال سے کچھ زائد۔ جہاز والوں نے مجھے پاس نہیں کیا۔ میں بندرگاہ کے ڈاکٹر کے پاس گئی۔ یہ

شخص قسطنطنیہ کا ایک تعلیم یافتہ مصری تھا۔ میں نے اُس سے کہا کہ آپ کے پاس دوائیں وغیرہ سب چیزیں موجود ہی ہیں یہیں ٹیکہ نکال دیجیے۔ حج کا زمانہ قریب آتا جا رہا ہے۔ میرے ساتھ مکۂ شریف کے کئی اور مسافر بھی ڈاکٹر کے انتظار میں کھڑے ہیں۔ ان میں دو چینی بھی ہیں۔ ان کا خاص لباس اور ان کا الگ الگ رہنا مجھے بہت بھلا معلوم ہو رہا ہے ڈاکٹر نے سب سے پہلے مجھ ہی پر ہاتھ صاف کیا اور میرے دونوں ہاتوں میں ٹیکے نکال دیے۔ ایک میں چیچک کا دوسرے میں ہیضے کا۔ ان خفیف کھروچوں کا خون سوکھنے اور لباس پہننے تک میں اپنے ساتھیوں کا تماشا دیکھتی رہی ان کو خون کی پھٹکی بھی نہیں نکلی۔ میں نے ڈاکٹر سے کہا کہ آپ نے مجھے بہت گہرے نشان لگا دیے۔ اُس نے جواب دیا کہ تم شمالی علاقے کی رہنے والی ہو تمہارے جسم میں بمقابلہ ان لوگوں کے جنہوں نے سورج کی کرنوں میں پرورش پائی ہے خون زیادہ ہے۔ جہاز پر جانے کے بعد میں نے دیکھا دو مسافر اور آ گئے ہیں ایک سر اینڈ ریو انگریزی سفیر متعینہ جدہ اور دوسرے میکینزا کا پاشاہ (والی)۔

۲۴ فروری ۱۹۳۳ء:۔ کل میں جہاز کی چھت پر دھوپ کھانے بیٹھ گئی تھی لیکن سر اینڈ ریو اور میں دونوں سایہ ڈھونڈنے پھر رہے ہیں۔ پاشائے میکینزا اپنے کمرے میں پڑے ہیں وہیں کھانا کھا لیتے ہیں اور شاذونادر ہی سمندر کی ہوا کھانے باہر آتے ہیں۔ تین قوی ہیکل مسلمان ان کے ملازم ہیں۔ ان میں سے کوئی نہ کوئی ہر وقت ان کے ساتھ رہتا ہے۔ آج صبح میں پاشا کے پاس گئی اور عربی میں بات چیت کرنے کی مشق کرنے لگی۔ اول تو پاشا کو بہت حیرت ہوئی پھر وہ خوشی خوشی مجھ سے باتیں کرنے لگے۔ یہ ایک مہینہ قبل مراکو سے چلے تھے اور دو ہفتہ قاہرہ میں رہنے کے بعد

یہاں پہونچے ہیں۔ یہ پہلی مرتبہ حج کو جا رہے ہیں۔ مکے جانے سے قبل ان کا ارادہ چند ہفتے مدینے میں گزارنے کا ہے۔ اس کے بعد شام و فلسطین جائیں گے اور جون کے مہینے میں اپنے داماد کے پاس جو پیرس کی مسجد میں امام ہے جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

بندرگاہ قصیر آج دوپہر کو ہم قصیر پہونچے۔ یہاں کئی گھنٹے تک جہاز لنگر انداز رہا۔ میں نے سر اینڈریو سے کہا۔ چلو اس قصبے کو دیکھ آئیں۔
یہاں کے مکان کچی اینٹوں کے ہیں۔ باشندوں کی گزر ماہی گیری پر ہے۔ تقریباً ہر دروازے پر یہاں مچھلیاں پکڑنے کا جال لٹک رہا ہے۔ ساحل پر بہت سے کشتیاں بھی کھڑی ہیں بعض لوگ کمر کمر پانی میں چھوٹے چھوٹے جالوں سے مچھلیاں بھی پکڑ رہے ہیں۔ میں نے سنا کہ یہاں ساحل کے جنوب میں بڑی خوبصورت سیپیاں ہوتی ہیں مگر ہم کو ان کی تلاش کے لئے وقت نہ تھا۔

۲۵ر فروری ۱۹۳۳ء۔ کپتان نے آج ہمیں جہاز کی سیر کرائی۔ اس میں فرسٹ کلاس کے سولہ مسافروں کی گنجائش ہے۔ مگر حج کے موسم کے سوا اور دنوں میں ایسے مسافر یہاں بہت کم آتے ہیں۔ جہاز کا سکنڈ کلاس بھی فرسٹ کی طرح صاف و آرام دہ ہے اس میں وہ دونوں چینی ہیں جن سے سوئز میں میری ملاقات ہوئی تھی۔ ان کے علاوہ پاشا کے ہمراہی اور ایک مصری آفندی بھی اسی میں سوار ہیں۔ یہ سب حج کے لئے جا رہے ہیں تیسرے درجہ میں بہت سے ہندوستانی اور کچھ غریب ترک ہیں۔ یہ بھی حرمین شریفین جانے والے ہیں بعض نے ابھی سے احرام بھی باندھ لیا ہے بعض ہندوستانیوں کے ساتھ عورتیں بھی ہیں۔
آج چائے کے وقت اچانک طور سے پاشا ہماری پارٹی کے ساتھ شریک

ہو گئے۔ سر اینڈ ریو بھی ان سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ سر اینڈ ریو کئی سال تک فرانسیسی علاقہ مراکو کے شہر رباط میں رہ چکے ہیں اور شہر مکینز سے بھی اچھی طرح واقف ہیں مگر افسوس ہے کہ عربی نہیں جانتے اس لئے پاشا اور اُن کے درمیان میں ترجمانی کر رہی ہوں ۔ سر اینڈر یو کا بہت زمانہ قسطنطنیہ میں گزرا ہے اور یہ ترکی بے تکلف بولتے ہیں ۔ میرے خیال میں ایک ایسے شخص کو جو باسفورس جیسے ولولہ انگیز و فرحت بخش مقام پر جو کسی زمانے میں یورپ میں معدن ترغیب و تحریص تھا لطف زندگی اٹھا چکا ہو جدّے میں رہنا بہت ہی شاق گزرتا ہو گا۔

جدّہ میں ورود ۲۶ر فروری ۱۹۳۳ء۔ گرمی کے چار دن سمندر میں چلنے کے بعد ہم جدّہ پہونچے۔ جہاز سے اس شہر کا منظر بہت ہی دلفریب ہے۔ اس چھوٹے سفید شہر پر قلعہ کا گمان ہوتا ہے اسکے تین طرف بلند فصیل ہے۔ اسکے اونچے اونچے مینار آسمان سے باتیں کر رہے ہیں اور اس کی تنگ گلیوں میں لکڑی کی منقش کھڑکیاں باہر کی طرف نکلی ہوئی ہیں۔ سنہری ریگستان سے آگے عرب کے پہاڑوں کے نیچے نیچے دامن دکھائی دیتے ہیں۔ دور سے ان کی بلندی بہت ہی کم نظر آتی ہے حالانکہ وہ آٹھ ہزار فٹ سے بھی زیادہ بلند ہیں۔ گہرے سمندر میں پانی کا رنگ عجیب وغریب نیلا ہے۔ بند پانی کا رنگ سبز معلوم ہوتا ہے اور پایاب پانی کا رنگ دریائی گھاس کی وجہ سے ارغوانی ہے۔

میں اس سرزمین میں ایک اجنبی ہوں۔ میں آس لگا رہی ہوں کہ عرب کے مقدس مقامات کی زیارت کی مجھے اجازت مل جائیگی ۔

عبداللہ فلبی مسٹر فلبی اور ان کی بیم صاحبہ نے ازراہ مہربانی مجھے اپنے مکان میں ٹھہرنے کیلئے فرمایا ہے۔ اس بات کے ظاہر کرنے کی چنداں ضرورت

نہیں ہے کہ مسٹر فلبی مسلمان ہو گئے ہیں اور سلطان ابن سعود کے قابل اعتماد دوست ہیں انھوں نے ایک سمندر سے دوسرے سمندر تک دو مرتبہ عبور کیا ہے اور ایک سال قبل ربع الخالی کے خوفناک ریگستان سے بھی گذر چکے ہیں۔ میری میزبان میم صاحبہ مجھے کشتی میں بٹھا کر لے جا رہی ہیں۔ اس کے سبز پھریرے پر سفید حروف میں "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" لکھا ہوا ہے۔ یہ جھنڈا اس ملک کے خود مختار بادشاہ عبدالعزیز ابن سعود کا ہے اور اب مجھے معلوم ہو رہا ہے کہ میں فی الحقیقت عرب میں ہوں۔ کشتی کو ایک میل چلنا ہے۔ اس سمندر کے پایاب پانی اور مونگے کی چٹانوں کی وجہ سے جہازوں کا ساحل تک پھونچنا خطرناک ہے۔ مجھے اپنے دس برس کی عمر کے ملاح عرب لڑکے کی ہوشیاری پر بڑی حیرت ہو رہی ہے۔ یہ اپنے ننگے پاؤں کے انگوٹھے کے اشارے سے پہیئے کو گھماتا چٹانوں کے بیچ میں سے کشتی کو بڑھائے چلا جا رہا ہے۔ اب اس نے حفاظت سے ہم کو گھاٹ کنارے پھونچا دیا۔ ہم چنگی خانہ میں داخل ہوئے اور تھوڑی دیر میں فلبی صاحب کے سنگین مکان بیت البغدادی میں جو لب ساحل واقع ہے پھونچ گئے۔

ارض اسلام کی پہلی صبح

۲۷/ فروری ۱۹۳۳ء۔ میں علی الصباح موذن کی موثر اور دل کش آواز سے جو سناٹے کے عالم میں گلی کو پار کر کے ایک چھوٹی سی مسجد کے مینار سے بلند ہوئی تھی جاگی۔ اس نے غنودگی کی حالت میں ایک دفعہ مجھے چونکا دیا کہ میں ارض اسلام میں ہوں۔ میں اپنے کمرے سے نکل کر چاندنی پر گئی یہاں میں نے دیکھا کہ پو پھٹنے کا وقت ہے۔ آسمان کا رنگ آہستہ آہستہ سرخ ہوتا جا رہا ہے اور میں یہ الفاظ سن رہی ہوں۔

اللہ اکبر۔ اللہ اکبر..... اشہدان لا الہ الا اللہ

(اللہ سب سے بزرگ و برتر ہے.....میں اس کی شہادت دیتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں.....نماز نیند سے افضل ہے.....نماز کی طرف دوڑو...)

موذن اپنی سریلی آواز میں مینار کے چاروں طرف مڑ مڑ کر ایسے دلکش انداز سے ساری دنیا کو بلاتا ہے کہ اس کی آواز سننے والوں کے دلوں پر اثر کئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ بلاشبہ قرآن کی عربی میں ایک جادو ہے اور اس کلام پاک کا پڑھ دینا بھی سامعین پر ایک کیفیت طاری کر دیتا ہے۔

اسلام کے خادمانِ شرع اور کسبِ معاش

اسلام میں بندے اور خدا کے درمیان پادریوں کا سا کوئی توسل قائم نہیں ہے جس طرح حضرت مسیح کا قدیم شاگرد جمیس ماہی گیر تھا۔ اور پولوس خیمے بنایا کرتا تھا۔ اسی طرح اسلام میں موذن۔ امام اور خطیب بھی کچھ نہ کچھ دوسرا پیشہ کرتے ہیں۔

مصر کے دوراندیش خدیو محمد علی پاشا نے ۱۸۳۵ء میں زبردست مالیت کی جو املاک وقف کی تھی اس کی آمدنی صرف مسجد کی ضرورتوں میں کام میں لائی جاتی تھی اور موذن و امام کی خدمات روزی پیدا کرنے کے خیال سے انجام نہیں دی جاتی تھیں اور ان کو حصول معیشت کا ذریعہ قرار دے کر ان خدمتوں کی بے وقعتی نہیں کی جاتی تھی۔

اسلام کے ابتدائی زمانے میں پیغمبر صلعم ہمیشہ مسجد میں امامت کیا کرتے تھے۔ ان کی تقلید ایک مدت تک ہوتی رہی اور اس زمانہ میں امامت کرنا خلفاء کا فرض تھا چنانچہ بڑے بڑے خلفاء کے بہت سے خطبے آج تک کتابوں میں محفوظ ہیں۔ اب مسلمان رئیس اپنی رعایا کے سامنے وعظ نہیں کہتے اور خطبے بھی عموماً نمائشی رہ گئے ہیں۔

ابتدائے اسلام کی مساجد اگلے زمانہ میں ایک شہر میں ایک سے زیادہ مسجدیں ہی نہیں ہوتی تھیں لیکن جب آبادی بڑھی اور دولت میں بھی اضافہ ہوا تو بڑے بڑے شہروں میں مسجدیں بھی بڑھتی چلی گئیں۔ اسراف اور فضول خرچ کو روکنے کے بارہ میں پیغمبر صلعم کے جو احکام ہیں اُن کو بھی پس پشت ڈال دیا گیا اور مسجدوں کی آرائش وزیبائش میں درکثیر خرچ ہونے لگا۔ بہت سی مسجدیں ایسی ہیں جن کی خوشنمائی دیکھ کر ان کی لاگت پر کوئی افسوس بھی نہیں کرتا۔ البتہ اس بات سے ضرور رنج ہوتا ہے کہ اسلام کی ابتدائی سادگی کے وہ نمونے باقی نہیں رہے تاہم مکہ ومدینہ کی مسجدوں کی طرف سب کے دل کھنچے چلے جاتے ہیں۔

اشتیاق کعبہ مکہ وہ شہر ہے جو اسلام کا گہوارہ کہلاتا ہے۔ یہاں حضرت ابراہیم نے خدائے واحد کی عبادت کے لئے معبد بنایا ہے۔ اگر میں بھی ایک حاجی کی طرح وہاں پہونچ گئی تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔ انشاء اللہ! اللہ کریم!

۲۸/فروری ۱۹۳۳ء۔ سلطان اپنے دار الخلافۂ ریاض واقع نجد کو گئے ہوئے ہیں۔ یہ مقام یہاں سے اونٹ پر سولہ دن کا رستہ ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ شائد کچھ دن تک ان کو وہ خط نہ مل سکے جو اون کے وزیر مقیم لندن نے (میرے بارہ میں) تحریر کیا ہے انگلستان سے روانہ ہونے سے قبل میں ہز ایکسلنسی شیخ حافظ وہبہ وزیر حکومت سعودی سے ملی تھی اور حرمین الشریفین کی زیارت کی خواہش ظاہر کی تھی۔ وزیر ممدوح نے از راہ عنایات بے غایات اس کے متعلق جلالتہ الملک کو اطلاع کر دی تھی۔ اگر میں حج کر آئی تو سمجھوں گی یہ زیادہ تر وزیر ممدوح کی مہربانی ہی کا نتیجہ ہے۔ جب تک وہ خط سلطان کے پاس پہونچے مجھے صبر وتامل کرنا پڑے گا

جدّے کی دلچسپیاں میرا وقت مونگے کی چٹانوں کے درمیان شارک مچھلیوں سے بچ بچا کر سمندر میں نہانے اور موٹر میں بیٹھ کر ریگستان کے سپاٹے لگانے میں اچھی طرح گزر رہا ہے۔ جن دنوں حجاز پر سابق سلطان حسین کی حکومت تھی فرنگیوں کو جدے کی چار دیواری سے باہر جانے کی اجازت نہ تھی۔ اُس وقت اُن کو زندگی دوبھر ہو جاتی تھی۔ اُس زمانہ میں ان کو صرف مکانوں کی چھت کی ہوا پر قناعت کرنی پڑتی تھی جہاں وہ لوگ ملیریا کے زہر سے بھرے ہوئے مچھروں کے رحم وکرم پر چھوڑ دئیے جاتے تھے۔ موجودہ بادشاہ کے عہد میں وہ قید اٹھ گئی ہر روز شام کو ٹھنڈے وقت جدّے کے سارے فرنگی ہوا خوری اور چہل قدمی کیلئے شہر سے باہر ریگستان کی طرف نکل جاتے ہیں۔ اگرچہ وہاں سڑکیں نہیں ہیں لیکن بہت سی فورڈ موٹریں ریگ اور ناہموار زمین پر دوڑتی پھرتی ہیں۔ اور خرابی راہ کی وجہ سے شاذونادر ہی ہم کو اترنا پڑتا ہے۔

یہاں شکار کیلئے کچھ جنگلی مرغیاں اور خرگوش ہیں اور نہانے کیلئے خوشنما کنارہ ہم چودہویں رات کی چاندنی میں روپہلی سمندر میں نہانے چلے جایا کرتے ہیں لیکن پانی ایسا کھاری ہوتا ہے کہ غوطہ لگانا دشوار ہے۔ مزے دار چاندنی میں جس کی روشنی ریگستان کو منور کر دیتی ہے ہم کھانے پینے کے جلسے بھی کیا کرتے ہیں اور میں تو خوبصورت سیپیوں اور سرخ مونگوں کو جو کنارے پر بکھرے پڑے رہتے ہیں چنتی پھرتی ہوں۔ عرب کی یہ راتیں مجھے مدتوں یاد رہیں گی۔ آتے جاتے ہم کو بہت سے حاجی بھی موٹروں میں اونٹوں پر اور غریب پیادہ پا حرمین کو جاتے ملتے ہیں اور احرام باندھے ننگے سر ہوتے ہیں مدینے جانے والی عورتیں سیاہ یا کسی اور رنگ کا لباس پہنے ہوتی ہیں لیکن مکے جانیوالوں

کا جامۂ احرام سفید ہوتا ہے۔ دور دراز ملکوں کے بعض مسکین حاجیوں کو چلتے ہی چلتے رستے میں برسوں گزر جاتے ہیں۔ میرے میزبان نے مجھ سے بیان کیا کہ مدینے کی زیارت کیلئے جب وہ موٹر میں جا رہے تھے تو ایک دن انھوں نے دیکھا کہ ایک مرد اس کی بیوی اور لڑکا سامان کے گٹھے سروں اور پیٹھ پر رکھے تپتی ریتی میں کھدڑتے چلے جا رہے ہیں۔ چونکہ یہ بھی اسی طرف جا رہے تھے اس لئے موٹر روک کر انہوں نے ان کو بٹھا لیا۔ جب ان لوگوں نے شکریہ کے ساتھ اپنی گٹھریاں اور پوٹلیاں موٹر میں رکھیں تو ان کو یہ دیکھکر بڑی حیرت ہوئی کہ اس سامان میں چھوٹے چھوٹے تین بچے بھی تھے۔ ان لوگوں کو گھر سے نکل کر منزل مقصود تک پہونچنے میں کئی سال لگے تھے اور اس مدت میں یہ بچے رستے ہی میں پیدا ہوئے تھے۔

جدہ کی معاشرت یکم مارچ ۱۹۳۳ء۔ میں نے جدے کی معاشرت کو مشرق کے دوسرے شہروں کی معاشرت سے بالکل مختلف پایا۔ یہ خالص عربی معاشرت ہے۔ یہاں نہ شراب خانے ہیں اور نہ بجز مقررہ بازار کے جہاں عربوں کی ضروریات مل جاتی ہیں کہیں اور دکانیں ہیں۔ سینما و گراموفون جو پر تکلف و مہذب زندگی کے لوازمے ہیں یہاں عنقا ہیں۔ جدے کے مکانوں کی وضع بڑی دلکش ہے۔ مکان سنگین ہیں جن کے لئے پتھر آس پاس کی کانوں سے فراہم کر لیا جاتا ہے لیکن لکڑی جو دروازوں۔ کھڑکیوں۔ جھلملیوں اور دوسری چیزوں میں لگائی جاتی ہے اور عموماً سال (ساگوان) کی ہوتی ہے۔ جاوا سے آتی ہے۔ یہاں درخت ہوتے ہی نہیں۔

فلبی صاحب کا مکان فلبی صاحب کا مکان بیت البغدادی شہر کے بڑے اور خوشنما ترین مکانوں میں ہے۔ اس کی چھت پر دونوں جانب گھملے

میں پھلواری کے درخت سلیقے سے جمائے گئے ہیں۔ ان میں زیادہ تر سدابہار گلابی پھولوں کے پودے ہیں جو بہت بھلے معلوم ہوتے ہیں اور بیج گر گر کر اپنے آپ پیدا ہو جاتے ہیں۔ چاندنی پر ایک کونے میں مسہری رکھی ہوئی ہے جس میں فلبی صاحب دوران قیام جدہ میں سوتے ہیں۔ ان کا ایک مکان مکے میں بھی ہے۔ یہ ایک ہفتے یہاں رہتے ہیں اور ایک ہفتے وہاں۔ جدے والے مکان میں کئی حمام ہیں جو زیادہ تر قبہ نما ہیں ان کی چھتیں لداؤ کی ہیں اور فرش سنگ مرمر کا۔ چھتوں میں عربی وضع کے روشندان کھود کر بنائے گئے ہیں۔ یہ مجھے بہت بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ حمام کے فرش میں سوراخ ہیں جن میں سے پانی بہہ کر چلا جاتا ہے۔ ہمارے پاس ٹین کے ٹب ہیں جب ہم نہا چکتے ہیں تو پانی اوندھا دیتے ہیں۔ چاندنی پر دھوپ کے بچاؤ کیلئے تین چھتریاں سی بنی ہوئی ہیں ان میں بیٹھ کر ہم دور دور کی سیر کرتے رہتے ہیں۔ سمندر کی طرف کا منظر بہت دلفریب ہے جدے میں کسی قسم کی ہریالی نہیں ہوتی۔ ہاں سمندر کے پانی کا خوشنما نیلا رنگ نظارے میں ایک کیفیت پیدا کر دیتا ہے اور غروب آفتاب کے وقت کا منظر اکثر بہت ہی دلکش ہوتا ہے۔

حاجیوں کا ایک جلا ہوا جہاز

بندرگاہ کے قریب سمندر کی روشنی پر ایک کالا سایہ بھی پڑا ہے۔ یہ حاجیوں کے اس جہاز کا ہیبتناک پچھلا حصہ ہے جو تین سال قبل یہاں جل گیا تھا اور جس میں ایک ہزار سے زیادہ حاجی ہلاک ہوئے تھے۔ یہ جلا ہوا ڈھانچ جو مونگے کی چٹانوں کی اس طرف پڑا ہوا ہے اس فرانسیسی جہاز کا بچا کچا ڈھچر ہے جو الجزائر و مراکش کے حاجیوں کو دور دراز سفر کے بعد لایا تھا۔ اس میں رات کے وقت جب کہ جہاز والے سب پڑے سو رہے تھے

آگ لگی تھی۔ اگر اس انگریزی تجارتی جہاز کی خاص کوشش نہ ہوتی جو اتفاقی طور پر یہاں آنکلا تھا اور انگریزی و ڈچ سفارت خانہ کے لوگ جہاز سے شعلے بلند ہوتے دیکھ کر اپنی کشتیاں لے کر مدد کیلئے نہ پہونچ گئے ہوتے تو ایک بھی زندہ نہ بچتا۔ پیرس نے ایک مشہور نامہ نگار کو اس حادثے کی رپورٹ لکھنے کیلئے روانہ کیا تھا جس نے جہاز کے ان افسروں اور ملازموں کی جو بدنصیب حاجیوں کو زندہ جل جانے یا سمندر میں ڈوب کر مچھلیوں کا لقمہ بن جانے کیلئے چھوڑ کر سرد مہری اور چالاکی کے ساتھ قربانگاہ سے فرار ہو گئے تھے لمبی چوڑی تعریف کر کے اپنا فرض انجام دیا۔ لیکن انتقام کے دیوتا نے اس نامہ نگار کی بھی خبر لے لی۔ ایک سال بعد ایک فرانسیسی جہاز کو جس میں وہ سوار تھا اسی مذبح سے کوئی سو میل کے فاصلے پر آگ لگی اور نامہ نگار اس کی بھینٹ چڑھ گیا واللہ اعلم اس کو آگ نے جلا کر خاک کر دیا یا پانی میں ڈوب مرا یا مچھلیاں نگل گئیں۔ اس بارہ میں تاریخ ساکت ہے۔

حجاز کی زمین

۴/ مارچ ۱۹۳۳ء:۔ آج ہم ریگستان کی اس پگڈنڈی پر جو مکے جاتی ہے موٹر میں کچھ دور تک نکل گئے۔ اگرچہ اب کی دفعہ جاڑوں میں کچھ بارش نہیں ہوئی پھر بھی اونٹوں کو جنہیں اس بنجر اور خشک زمین میں زندہ رہنے کا ڈھنگ یاد ہے۔ اس سوکھی ٹھٹری ہوئی خاردار جھاڑیوں میں کچھ نہ کچھ مل ہی جاتا ہے۔ امریکہ کے ایک انجنیر نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ آب پاشی سے یہاں کی زمین قابل زراعت بن سکتی ہے۔ دو برس ہوئے اس نے پہاڑ کے دامن میں ایک چھوٹا سا مصنوعی کنواں کھودا تھا اب وہ خطۂ اراضی گھاس اور کھیتوں سے لہلہا رہا ہے۔

عرب کا رقبہ دس لاکھ مربع میل سے زائد ہے جس میں مشکل پانچویں حصہ میں

زراعت ہوتی ہے۔ یہاں غالباً معدنیات بھی ہیں لیکن یہاں کے لوگ ہر قسم کی بیرونی مداخلت کے مخالف ہیں مگر ان کے پاس نہ کافی سرمایہ ہے اور نہ علم کہ وہ خود ان ذرائع آمدنی کو ترقی دیں۔

کنوئے سے گزرنے کے تھوڑی دیر بعد ہم واپس ہو گئے۔ یہاں سے حدود ممنوعہ بالکل قریب ہیں۔ اس کی علامت کیلئے دو سنگین ستون دروازے کے کھم سے بنے ہوئے ہیں ان میں سے سوائے مسلمانوں کے کوئی اور مذہب والا گزرنے کی جرأت نہیں کر سکتا اس وقت مکے جانے والوں پر مجھے بڑا رشک آرہا ہے۔ اگر ہمیں یہ نہ معلوم ہوتا کہ ہم سے چند میل کے فاصلہ پر پہاڑیوں کے پیچھے اسلام کا پراسرار شہر چھپا ہوا ہے تو البتہ جدے کے قیام میں ہم کو بڑا لطف آتا۔ یہ کیا بات ہے کہ جس چیز سے ہم کو منع کیا جاتا ہے اسی کی ہم خواہش کرتے ہیں اور جو پرند ہماری دسترس سے دور ہوتا ہے اسی کو پکڑنا چاہتے ہیں۔

جدے کا نیا ہوٹل۔ دعوت۔ سیر۔ تفریح

ہم جدے واپس ہوئے اور نئے ہوٹل میں جو چند روز ہوئے حاجیوں کیلئے کھلا ہے کھانا کھایا۔ اسی ہوٹل میں امریکہ کے وہ انجینیر بھی ٹھہرے ہوئے ہیں جو تیل کے بارہ میں کچھ مراعات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ان دونوں کی بیویوں مسز ہملٹن اور مسز ٹوئچل نے ہماری بڑی خاطر کی اور بہت عمدہ ڈنر دیا۔ اس جماعت میں عراق آئیل کمپنی کا انگریز نمائندہ لونگرگ بھی شامل ہے۔ یہ بھی حصول مراعات کیلئے کوشش کر رہا ہے۔ یہ رقابت بظاہر اس رشتۂ محبت میں خلل انداز نہیں معلوم ہوتی جو اس پارٹی کے ممبروں کے درمیان ہے۔ ڈنر کے بعد ہم برج کھیلنے لگے۔ آدھی رات کو جب پارٹی منتشر ہونے لگی تو چاند ایسا بھلا معلوم ہوتا تھا کہ ہم میں سے بعض موٹر میں بیٹھ کر چٹانوں تک چلے گئے اور سمندر میں ڈبکی لگائی۔

اونٹوں کی خاموش رفتار فورڈ موٹر بھی ریگستان پر بچھی ہوئی چاندنی میں سلوٹ نہیں ڈال سکتی۔ اس وقت کے سناٹے میں اونٹوں کا ایک قافلہ بھی جس کے پاس سے ہم گزرے خلل انداز نہ ہو سکا۔ یہ خاموشی کے ساتھ شمال کی طرف چلا جا رہا تھا اور جانوروں اور آدمیوں کا یہ عجیب و غریب غول ہماری دنیا کا نہیں بلکہ کسی اور ہی عالم کا نظر آ رہا تھا۔ خدا نکرے آئندہ چل کر ان موٹروں کی وجہ سے اونٹ کہیں بے کار ہو جائیں۔ یہ وہ حلیم و قانع جانور ہے جس نے کسی زمانے میں عربوں کو شام و مصر فتح کرنے میں مدد دی تھی اور جس کی صورت و شکل کا تعارف عربوں نے ہسپانیہ کو اس وقت کرایا تھا جب کہ طارق نے اپنی فتح مند بربری فوجوں کے ساتھ غرناطہ پر چڑھائی کر کے مغربی یورپ میں اسلامی سلطنت کی بنیاد ڈالی تھی۔

بربری قوم

اب کہ میں یہ لکھ رہی ہوں فرانسیسی فوجیں بربریوں کو ان کے آخری قلعہ کوہ اطلس سے نکال رہی ہیں۔ اور اس طرح ایک بڑی قوم کا قصہ ہی ختم ہو جائے گا۔ یہ وہ قوم ہے جو اپنی حریت۔ شجاعت مردانہ اوصاف اور حسن کیلئے مشہور ہے اور جو آخر دم تک ایسے دشمن سے لڑتی رہی جو تعداد میں بے حد بڑھا ہوا ہے اور جو ہر قسم کے تباہ کن سازو سامان اور جدید آلات حرب سے مسلح ہے۔

۴ مارچ ۱۹۳۳ء۔ میرے میزبان جمعہ کی نماز میں شرکت کیلئے آج صبح گئے ہیں۔ ان کا لباس معمولی عربوں کا سا ہے یعنی عبا اور اس پر جبہ۔ سر پر کوفیہ اور عقال۔

سرکاری اطلاعوں کے بموجب اس سال چوتھی اپریل سے حج شروع ہو گا۔ چونکہ عرب چاند کے حساب سے تاریخوں کا شمار کرتے ہیں اس لئے ہر سال شمسی حساب کے مقابلہ میں ان کے سال میں گیارہ دن کم ہو جاتے ہیں۔

اس طرح دس سال بعد رمضان اور حج جاڑوں میں آجاتا ہے۔

میری زیرِ غور درخواست

آج شام کو معلوم ہوا کہ سلطان کو ان کے وزیر مقیم لندن کا خط مل گیا اور میری درخواست پر وہ غور فرما رہے ہیں۔ مجھے لوگوں نے مشورہ دیا کہ میں سلطان کے فرزند امیر فیصل والی حجاز کو خط لکھوں اور ان کو اپنے اور اپنے خاندان کے متعلق تفصیل سے اطلاع دے دوں۔ نائب معتمد خارجہ بھی جدے آرہے ہیں اور مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔

نائب معتمد خارجہ سے ملاقات

۵ / مارچ ۱۹۳۳ء۔ آج سہ پہر کو ہز ایکسلنسی فواد حمزہ نے مجھ سے ملاقات فرمائی۔ یہ ایک وجیہہ شامی ہیں۔ انگریزی نہایت اچھی بولتے ہیں۔ تھوڑی دیر اُن سے گفتگو رہی۔ یہ میرے ساتھ بڑی مہربانی سے پیش آئے اور مجھے مدد دینے کا وعدہ کیا اور والی حجاز کے نام میرا خط لے کر مکے واپس ہو گئے۔ اب میں اپنی تقدیر پر بھروسہ کر رہی ہوں۔ ہست نیست سلطان کے ہاتھ ہے۔

حرمین میں نو مسلم فرنگیوں کے داخلہ پر روک ٹوک

سلطان نے یہ حکم دیدیا ہے کہ کوئی فرنگی نو مسلم جب تک کہ وہ کم سے کم ایک سال تک جدے میں بحیثیت امیدوار قیام نہ کرے حرم میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اس اعتبار سے میری درخواست بہت بڑی استدعا ہے۔ بدنصیبی سے کئی مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ بعض فرنگی اپنے کو مسلمان ظاہر کرکے مکے گئے ہیں اور اس خیال سے کہ دنیا یہ سمجھے کہ انہوں نے جان پر کھیل کے حج کیا ہے اپنے واقعات سفر بُرے پیرایہ میں شائع کئے ہیں۔ مہمان نوازی کے بدلے میں ان سیاحوں کے اس سلوک پر عربوں کی شکایت حق بجانب ہے۔

انگریزی سفارتخانہ میں ڈنر

گزشتہ رات کو میں نے انگریزی سفارت خانہ میں ڈنر کھایا۔ جدّے کی سوسائٹی میں یہ جگہ بہت ہی پُرلطف ہے۔ یہاں پردلیسیوں کی بڑی آؤ بھگت ہوتی ہے۔ یہاں کا اندرونی منظر بالکل انگریزی دیہاتی مکانوں کا سا ہے۔ لیڈی ریان نے اس کے کمروں میں جو آرام کرسیاں اور سوفے بچھائے ہیں اُن پر چھینٹوں کے ایسے غلاف چڑھے ہوئے ہیں جن کے دیکھنے سے آنکھوں میں طراوٹ آتی ہے۔ یہاں میں نے ترکی۔ اطالوی۔ ایرانی اور روسی وزراسے بھی ملاقات کی۔ آخر الذکر کی بیوی بھی موجود تھیں۔ یہ والگا کی رہنے والی خوبصورت روسی عورت ہیں۔ ان کے شوہر ترکستان کے رہنے والے مسلمان ہیں۔ یہ بڑی خوش مزاج اور اعلیٰ تعلیم یافتہ خاتون ہیں۔ کہتے ہیں کہ شطرنج بھی خوب کھیلتی ہیں اور مختلف زبانیں جانتی ہیں۔

ڈچ بنکر کی طرف سے لنچ

۶/مارچ ۱۹۳۳ء۔ آج مسٹر جیکبس ڈچ بنکر نے ہمیں لنچ دیا۔ یہ عجیب وغریب کھانا ان کے جاوی باورچی نے تیار کیا تھا۔ اصل غذا تو چاول ہی تھے مگر سالن عجیب عجیب طرح کے تھے جو ہم نے خشکہ کے ساتھ کھائے۔ یہاں ہر شخص بہت ہی متواضع ہے۔ جدّے میں یورپین عورتیں بہت کم ہیں اور تقریباً تیس مرد سال کا بڑا حصہ انتہائی گرمی اور مرطوب ہوا میں جو بہت ہی پست کر دینے والی ہے گزارتے ہیں۔ تاہم یہاں ہر شخص ہشاش بشاش نظر آتا ہے اور اپنا وقت دل لگی میں گزارتا ہے۔ یہاں دعوت کرنا آسان نہیں ہے۔ سوائے گوشت کے تمام چیزیں مصر سے آتی ہیں جن پر بھاری محصول دینا پڑتا ہے۔ شراب تو یہاں کسی قسم کی بھی داخل نہیں ہوسکتی۔

جدے کے حجام ایک دوسری مشکل یہ بھی ہے کہ جدے میں حجام اچھا نہیں ملتا۔ ایک بڈھا ملنسار ترک کبھی کبھی بال کترنے آجاتا ہے اور پر تپنچ کرکے چلتا بنتا ہے۔ میری میزبان کے بڑے خوبصورت لہراتے ہوئے بھورے بال ہیں مگر افسوس ہے کہ اس ملک میں جھڑے جا رہے ہیں۔

عربوں میں منہدی کا شوق عربوں میں منہدی کا بہت استعمال ہے۔ عورتیں انگلیوں کے پوروں میں لگاتی ہیں۔ مرد خضاب کرتے ہیں اور بعض خوبصورت جانوروں کو بھی منہدی سے رنگتے ہیں۔ عرب عورتیں سمجھتی ہیں کہ مسز فلبی کو بھی منہدی پسند ہے چنانچہ ایک مرتبہ کسی عرب نے ان کی مہربانی کا شکریہ ادا کرنے کیلئے بہت سی منہدی ان کے پاس بھیجدی اور اپنی دانست میں سمجھا کہ بہت اچھا تحفہ ان کو دیا۔

فلبی صاحب کے ہاں والی جدہ کی دعوت ۸ مارچ ۱۹۳۳ء۔ فلبی صاحب مکے سے واپس آگئے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم کو حرمین میں داخلے کی اجازت کا دینا نہ دینا سلطان کے ہاتھ میں ہے۔ والی حجاز جو بیرون شہر اپنے محل میں رہتے ہیں جمعہ کے دن میرے میزبان کے ہاں آئینگے۔ ان پر یہ عنایت مسلمان ہونے کی وجہ کی جا رہی ہے۔ اس موقعہ پر اور بھی چند لوگ جن میں برطانوی وزیر اور لیڈی ریان بھی ہیں مدعو کئے گئے ہیں۔ سلطان خود کسی فرنگی عورت سے ملاقات نہیں کرتے البتہ میری میزبان مستثنیٰ ہیں۔

جدے کے بازار میں آج صبح ٹھنڈے وقت مصطفیٰ ناظر کے ساتھ جدے کے بازار دیکھنے گئی۔ یہ شخص ایرانی النسل ہے مسٹر فلبی کا ملازم ہے

گلیوں اور رستوں میں سے جن کے دونوں طرف یہاں کے خوش باش لوگوں کے اونچے اونچے رنگین مکانات ہیں گزر کر ہم اس بازار میں پہونچے جس کو یہاں کا چاندنی چوک سمجھنا چاہیئے ۔ اس کے دو طرفہ دکانیں ہیں جن کے سامنے چبوتروں پر سامان رکھا ہوا ہے ۔ اور جا بجا کھجور کے پتوں کے اونچے اونچے سائبان پڑے ہیں جن سے راہ گیروں کو دھوپ سے آرام مل جاتا ہے ۔ آدمیوں کے بیچ میں یہاں کبھی کبھی اونٹ بھی گھس آتے ہیں اور سفیدی ہی پر اپنا نیلا سایہ ڈال کر اس کو ابلق بنا دیتے ہیں ۔ مشرق کے دوسرے شہروں کی طرح یہاں بھی گرم مسالحہ ۔ قہوہ اور اونٹوں کی تلخ و تیز بو دماغ کی تواضع کرتی ہے ۔ بازار میں بعض بعض سامان ہم کو بہت خوبصورت بھی نظر آیا ۔ مگر دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ سب جاپان کا تھا ۔ میرے خیال میں وہ خوشنما رنگین ہلکا چمکدار کپڑا جو میں نے ایک جبہ و دستار والے بزرگ سے خریدا ہے وہ بھی جاپان ہی کا نکلے گا ۔ البتہ سرخ و سیاہ مونگے کے نفیس ہار یقیناً یہیں کی صنعت ہیں ۔ میں نے ایک سیاہ ہار یہاں کی سوغات سمجھ کر خرید لیا ہے لیکن میں نے موتیوں کا ہار جس کے موتی بمقابلہ بحرین کے موتیوں کے بہت ہی گھٹیا تھے لینے سے انکار کر دیا ۔

ابن سعود کے زمانہ میں چوری کا انسداد

جدے کی گلیوں کے نکڑوں پر سوزنیاں بچھائے روپیے پیسوں کے ڈھیر لئے صراف بیٹھے ہیں ۔ مصطفےٰ کہتا ہے کہ جب اذان ہوتی ہے تو یہ لوگ اپنا مال یوں ہی کھلا چھوڑ کر نماز پڑھنے چلے جاتے ہیں ۔ ان کو اطمینان ہے کہ کسی کی مجال نہیں جو اسے چھو سکے ۔ منجملہ دوسری اصلاحوں کے جو موجودہ سلطان نے کی ہیں ایک چوری کا انسداد بھی ہے جو قطعاً موقوف ہو گئی ہے ۔ چور کا ایک ہاتھ کاٹ ڈالنا معقول سزا ہے اور ایسی سخت بھی نہیں ہے

جیسی کہ ایک صدی قبل انگلستان میں بھیڑ کے چور کو پھانسی کی سزا دی جاتی تھی۔

سلطان ابن سعود نے سعودی عربستان کو جو بیش بہا نعمتیں عطا فرمائی ہیں ان میں اس ملک کا کامل امن و امان کچھ تھوڑی نعمت نہیں ہے۔

۹ مارچ ۱۹۳۳ء۔ امیر فیصل ٹھیک گیارہ[1] بجے تشریف لائے۔ یہ سفید قبا پر ایک بھورے رنگ کی سنہری کام کی عبا پہنے ہوئے تھے۔ سر پر نجدی وضع کا سفید کوفیہ اور سیاہ بالوں کا زرین عقال تھا۔ ان طویل القامت امیر کا دروازہ میں داخل ہوتے ہوئے دیکھنا دل پر اثر کرنے والا منظر تھا۔ ان کے ساتھ ان کا چھوٹا لڑکا اور اس کے پیچھے چند درزا تھے۔ امیر دبلے پتلے آدمی ہیں۔ ان کی شکل و شمائل بہت ہی موزوں ہے اور نجد کے اکثر عربوں کی طرح ان کے چہرے سے ان کی شرافت کے آثار نمایاں تھے۔ ماں کی طرف ان کا سلسلہ نسب وہابی مذہب کے بانی ابن عبدالوہاب سے ملتا ہے جن کے پیرو اسلام کے خالص موحدین کہے جا سکتے ہیں۔

ابن سعود کا کمسن پوتا عبداللہ

امیر کے کمسن لڑکے عبداللہ نے ہم سب کو اپنا گرویدہ کر لیا۔ یہ اس سے قبل نہ کسی فرنگی کے مکان میں گیا تھا اور نہ فرنگی عورتوں سے ملا تھا۔ تاہم اس نے اپنے مرتبہ اور پوزیشن کا پورا پورا لحاظ رکھا۔ یہ اپنے والد کے اشارہ پر ان کے پاس سے ہٹ کر ہمارے پاس گدے پر بیٹھ گیا۔ اس کا لباس اس کے والد کے لباس کے مثل تھا اور اس کی نعلین کا تسمہ کلابتوں کا تھا۔ اس نے جوتا اتار دیا اور ہم سے باتیں کرنے لگا مگر ہم صحیح عربی نہیں

[1] عربی حساب چھ بجے صبح سے شروع کیا جاتا ہے یعنی جب ہمارے پاس صبح کے سات بجتے ہیں عرب میں ایک بجتا ہے اس اعتبار سے گیارہ بجے کو پانچ بجے شام سمجھنا چاہیئے۔

بول رہے تھے اس وجہ سے اس کو کچھ تکلیف ہو رہی تھی۔ اُس نے کہا کہ اُس کو اونٹ اور گھوڑے کی سواری بہت پسند ہے۔ جب میں نے اوس سے پوچھا کہ تم کبھی گدھے پر بھی بیٹھے ہو تو اس کو کسی قدر ناگوار گزرا۔ اس بچے کی عمر اگرچہ دس ہی برس کی ہے۔ مگر اس نے زنانخانہ چھوڑ دیا ہے اور اپنا چھوٹا سا دربار علیحدہ کرتا ہے۔

جدے میں ڈاک کا انتظام

۱۰ مارچ ۱۹۳۳ء:۔ جدے میں وہ دن بڑی دلگی کا ہوتا ہے جب انگریزی کشتی "ٹالیڈو" یہاں اخبار و خطوط وغیرہ لاتی ہے۔ یہ پندرہ دن میں صرف ایک مرتبہ ہوتا ہے اور بدنصیبی سے اسی دن اطالوی کشتی بھی آتی ہے۔ اس دن صبح ہی سے مشتاق آنکھیں افق کی طرف لگی رہتی ہیں اور کوئی دس بجے صبح کے ہوں ہی کہ انگریزی جہاز دکھائی دیتا ہے جدے کی چھوٹی سی افرنگی آبادی اپنی اپنی کشتیوں میں اس کے پاس جاتی ہے اور اپنے اپنے خط پڑھنے میں مصروف ہو جاتی ہے۔ اکثر اس موقع پر پنیر سموسوں اور بیر کا ناشتہ ہوتا جاتا ہے اور خبروں پر بحث ہوتی رہتی ہے۔ جدے کا بیرونی دنیا سے تعلق رکھنے کا یہ چھوٹا سا جہاز صرف ایک ہی ذریعہ ہے۔ جب ہم اس کو چھوڑ کر آجاتے ہیں اور وہ ہماری نگاہوں سے غائب ہو کر پورٹ سوڈان کا رستہ لیتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دو ہفتے تک ساری دنیا سے ہمارا تعلق بالکل منقطع ہو گیا اور پھر ہمیں خبر نہیں رہتی کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔

جدے میں آزاد شدہ لونڈیاں

آج مسز انڈرسن ایک ڈچ خاتون ہمیں چند آزاد شدہ لونڈیوں کو دکھانے لے گئیں۔ یہ عورتیں ایک مالدار سوداگر کے مکان میں مفت رہتی ہیں۔ اس کے کمروں کے سامنے ایک صاف صحن ہے۔ ایک ایک کمرے میں دو دو عورتیں مقیم ہیں اور دھلائی کے کپڑے دھو کر

اور بعض دوسری مزدوریاں کرکے اچھی طرح اپنی گزر چلا لیتی ہیں۔ ان لونڈیوں میں زیادہ تر سوڈان کی ہیں اور اپنی موجودہ حالت پر خوش و مطمئن ہیں۔ اس مکان کے صحن کے بیچوں بیچ ایک کنواں ہے اور کچھ درخت اور پھلواریاں بھی ہیں۔ ایک بلی تھوڑی سی بکریاں اور کچھ کبوتر بھی پلے ہوئے ہیں۔ یہاں میں نے ایک بڈھی عورت کو دیکھا جو فاقے سے قریب المرگ ہو چکی تھی۔ وہ اس درجہ خوددار تھی کہ اس کو کچھ مزدوری نہ ملی اور چار دن تک فاقے کرتے کرتے ادھ مری ہو گئی مگر کسی سے اپنی حالت بیان نہ کی۔ دوسری عورتوں کو جب اس کی خبر ہو گئی تو انہوں نے اس کی جان بچائی جب ہم نے اسے دیکھا اسے بڑی خوش مزاج بڈھی پایا۔ ان لونڈیوں نے چائے بسکٹ اور سگریٹ سے ہماری تواضع کی۔ سگریٹ انہوں نے خود اپنی مہندی لگی ہوئی انگلیوں سے بنائے۔ ہمارے سامنے دو خوبصورت عورتیں ان سے اور ملنے آئی تھیں۔ شہر میں ایسے کئی مکان ہیں جن میں آزاد شدہ اور بیکس عورتیں رہتی ہیں۔

عرب میں شکار

۱۱ر مارچ ۱۹۳۳ء: میں اسکاٹ لینڈ کی ارض مرتفع میں ہرنوں کے ایک شکارگاہ کی مالک ہوں جہاں اکثر میں گشت کیا کرتی ہوں۔ اس کا تصور کرکے میں سوچتی ہوں کہ جدے کی بے آب و گیاہ زمین میں جہاں خیالی بارہ سنگے چرتے ہوئے تصور کئے جاتے ہیں میرے لئے خاک پھانکنے کے سوا اور کیا سامان تفریح ہو سکتا ہے۔ میں نے ۱۹۱۴ء کے موسم بہار میں بیروت کے عجائب خانہ میں اُون بھرا ہوا ایک ہرن دیکھا تھا اس وقت مجھے معلوم ہوا تھا کہ بدوی اپنی تیز رفتار اونٹوں پر سوار ہو کر ہرنوں کے گلے کا تعاقب کرتے ہیں اور جب کوئی ہرن اُن کی زد پر آجاتا ہے تو گولی چلاتے ہیں۔ میرے میزبان نے ایک مردہ بارہ سنگے کا مجھ سے ذکر کیا جو ربع الخالی کے طویل سفر میں انہیں نظر پڑا تھا

مجھے صرف اس قدر معلوم ہو سکا کہ یہاں سے شمال کی جانب نفود کے بڑے سرخ ریگستان میں ایسے جانوروں کے کچھ گلّے پائے جاتے ہیں جن کی نسبت پر اسرار افسانے بیان کئے جاتے ہیں۔ یہاں چٹان کے پاس ہم نے اکثر بطوں کے جھنڈ کو پریشان کیا۔ اور کبھی کبھی جنگلی خرگوشوں کی بھی خبر لی۔

تازی کتے

یہاں خرگوشوں کا شکار عموماً سلوکی (تازی کتے) کی مدد سے کیا جاتا ہے اسے عربستان کا گرے ہونڈ سمجھنا چاہیئے۔ بڑا تیز رفتار ہوتا ہے اور شکار مارنے میں بہت کم چوکتا ہے۔ اس قسم کے کتوں کی اگر نگہداشت اچھی طرح کی جائے تو بڑے خوبصورت نکلتے ہیں۔ یہ کتا نقل و حرکت میں بھی بہت عجیب اور مانوس ہوتا ہے۔ عام طور پر کچھ بے وقوف سا دکھائی دیتا ہے مگر شکار کے وقت بڑا تیز وطرار ہو جاتا ہے۔

عرب میں باز پالنے کا شوق

معزز طبقے کے عرب باز بھی پالتے ہیں جو ایران سے آتے ہیں۔ ان کا خرچ بہت ہوتا ہے اس لئے آج کل ایسی علت پالنے والے بہت کم ہیں۔

عربی گھوڑے

نجد کے پایۂ تخت ریاض میں سلطان کا مشہور اصطبل ہے جس میں اعلیٰ نسل کے گھوڑے گھوڑیاں ہیں۔ وہاں گھوڑ دوڑ بھی ہوتی ہے۔

وہابیوں کی لہو و لعب سے نفرت

وہابیوں میں ہر قسم کا لہو و لعب مثلاً ناچ رنگ، نار، تمباکو کا استعمال موسیقی وغیرہ منع ہے اور یہ موحدین ان کا ارتکاب گناہ سمجھتے ہیں تاہم ان زاہدان خشک کی زندگی بھی کبھی کبھی اسپورٹ

سے پُر لطف ہوجاتی ہے۔ نظم اور گیت ہمیشہ عربوں کے شغلے رہے ہیں۔ یہ لوگ پیدائشی شاعر ہوتے ہیں اور لمبی لمبی منزلوں میں گاتے چلنا ان کو بہت پسند ہے۔ امید ہے کہ زمانہ اخوان (وہابی جمعیت) کی ترش روئی کو گھٹا دے گا اور ان کو طریقہ اعتدال سکھا کر دوسرے مسلمان بھائیوں کی طرف سے ان کے دل نرم کردے گا۔ اس کے ساتھ ہی ہم کو وہابیوں کی خالص توحید اور ان کی مذہبی سخت پابندی کی تعریف بھی کرنی ہی پڑتی ہے۔

حج وزیارت کی اجازت مدینہ کی تیاری

۱۲ مارچ ۱۹۳۳ء۔ آج خبر لگی کہ مجھے حج وزیارت مدینہ کی اجازت مل گئی۔ میں اس قدر عرصہ دراز تک امید وبیم کی حالت میں رہی ہوں کہ میں بمشکل اس کی قدر کر سکتی ہوں کہ آخرکار میری زبردست آرزو پوری ہوگئی۔ میرے سفر کی تیاری میرے میزبان کے ذمہ ہے۔ وہ اس وقت مکے جا رہے ہیں۔ باوجود سخت مصروفیت کے انہوں نے بہت کچھ انتظام کر دیا ہے۔ میرے معاملات پر غور کرنے میں انہوں نے بڑی تکلیف اٹھائی اور بہت وقت صرف کیا۔ اب میں زیارت کا لباس تیار کر رہی ہوں۔ یہ ایک ڈھیلا ڈھالا سیاہ کریپ کا سایہ ہے جو مدینے کی زیارت کے وقت پہنوں گی اس کے اوپر لبادہ اور پھر کالا برقع لیکن مکے کے لئے میرا لباس سرتاپا سفید ہوگا۔ کسی اور رنگ کے کپڑے کی اجازت نہیں ہے۔ چونکہ سرکاری طور پر ایام حج چوتھی اپریل سے قبل شروع نہ ہوں گے اس لئے میں پہلے مدینے جانے کا انتظام کرتی ہوں۔

سکہ جو اس ملک میں بے تکلف چلتا ہے وہ صرف نقروی یا طلائی ریال

یعنی میبریا تھرپیا ڈال رہے۔ اس لئے میں نے اپنے دوست مسٹر جیکبس کو ایک چاک بھنانے کے لئے دے دیا جس کی دوسو اشرفیاں چہرۂ شاہی (ملک معظم جارج کی تصویر کی) مجھے مل گئیں۔ یہ مجھے بہت خوبصورت معلوم ہو رہی ہیں۔ برسوں بعد میں نے اس کی شکل دیکھی ہے اور مجھے افسوس ہے کہ وہ وقت کب آجاتا ہے جب مجھے ان کو علیحدہ کرنا پڑے گا۔

۱۴/ مارچ ۱۹۳۳ء:۔ میرے سفر کا سب سامان ہو گیا۔ مدینہ یہاں سے ڈھائی سو میل ہے اور چونکہ یہاں کوئی سڑک نہیں ہے اس لئے اندیشہ ہے کہ ایک دن میں وہاں نہ پہونچ سکوں گی۔ میری میزبان نے اس خیال سے کہ شائد مجھے ریگستان میں سونا پڑے ایک کمل اور ایک تکیہ مجھے دیدیا ہے۔ اس کے علاوہ توشہ کی ٹوکری۔ مرغ کے چوزوں کا سالن۔ کچھ انڈے۔ روٹی اور سوڈا واٹر کی ایک بوتل میرے ساتھ کردی ہے۔ چائے تو رستے میں مجھے ہر جگہ مل ہی جائے گی۔ ہر کاروان سرائے میں اعلیٰ درجہ کی سبز یا سرخ چائے کی فنجانیں بکتی ہیں۔ یہ لیمو اور پودینہ بھی ملتا ہے جو بکری کے دودھ سے زیادہ مجھے مزے دار معلوم ہوتا ہے۔ میرے عربی کے ایک استاد ابوبکر ناظر نے جن کا بھائی (مصطفٰے ناظر) میرے ساتھ مدینے چل رہا ہے رسوم زیارت کے متعلق مجھے آخری سبق پڑھا دیا۔ اب میں عربی کپڑے پہننے کی مشق کر رہی اور برقع اوڑھنا سیکھ رہی ہوں۔ یہاں آنے کے بعد جن لوگوں سے میری ملاقات ہوئی اب وہ مجھے خدا حافظ کہنے اور دعائے سلامتی کرنے کیلئے آرہے ہیں۔ میرے میزبان کہے میں ہیں اُنکی بیوی کہہ رہی ہیں کہ کل جلدی اُٹھکر تم کو رخصت کرونگی میں کہہ رہی ہوں یہ زحمت کیوں کرتی ہو۔ اب میں سوتی ہوں لیکن سفر سر پر سوار ہے نیند آنیکی اُمید نہیں۔

مدینہ

حصۂ اول

مدینہ

حصہ اول

جدے سے مدینے کی طرف روانگی

۱۵ر مارچ ۱۹۳۲ء:۔ نماز صبح کے بعد مدینے روانہ ہوئے میں نے مدینے کی زیارت کیلئے بیس دن کے واسطے ایک موٹر کرایہ کر لی تھی۔ اس کا ڈرائیور رستے سے واقف ایک عرب تھا۔ میرے ہمراہ مسٹر فلبی کا ملازم مصطفےٰ ناظر تھا۔ جس کو انہوں نے اس سفر کیلئے میرے ساتھ کر دیا تھا۔ یہ بڑے کام کا آدمی تھا۔ رہنمائی و خدمتگاری کسی کام میں اس کو عذر نہ تھا۔ اس سے مجھے بیحد مدد ملی۔ تیسرا آدمی ہمارے ساتھ مسٹر فلبی کے باورچی کا باپ ایک غریب بڈھا سوڈانی تھا۔ یہ حج کیلئے ڈنگولا سے آیا ہوا تھا۔ جب میں نے اس سے میرے ساتھ مدینے چلنے کیلئے کہا تو وہ میرے پاؤں پڑنے لگا۔

ہماری روانگی کا وقت بڑا سہانا تھا۔ جدے سے چلنے کے بعد سورج آب و تاب کے ساتھ پہاڑیوں سے نکلنا شروع ہوا۔ اس کی کرنوں سے مغرب کی طرف چٹانوں کے سائے اور جھاڑیوں کا رنگ نیلگوں نظر آ رہا تھا۔ ہم شمال کی طرف ایک کھلے ریگستان میں میلوں چلتے رہے۔ رستے میں کہیں کہیں خاردار جھاڑیاں نظر پڑیں جن میں زردی مائل پھول بھی لگے ہوئے تھے۔ سڑک پر جا بجا مرے ہوئے اونٹوں کی سفید ہڈیاں ان بیشمار حاجیوں کا پتہ دیتی تھیں جو تیرہ سو برس سے اس زمین پر چلتے رہے ہیں۔ رستے میں اکا دکا جنگلی مرغ اور ایک قسم کی لمبی ٹانگوں

والی چڑیا کے سوا کوئی جان دار ہمیں دکھائی نہ دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ریگستان کی صورت بدل گئی۔ کہیں فاصلے پر کھجوروں کے جھنڈ بھی دکھائی دینے لگے۔ کہیں بکریوں کے گلّے نظر پڑے۔ ایک جگہ اونٹوں کا ایک گلّہ بھی خاردار جھاڑیوں میں چرتا ہوا دکھائی دیا۔ جھاڑیاں چھدری چھدری تھیں۔ کہیں کہیں ایک آدھ سایہ دار درخت بھی دکھائی دے جاتا تھا۔

تہامہ کے خانہ بدوش عرب

اس وقت ہم ایک نشیبی زمین پر چل رہے تھے۔ جہاں کہیں کہیں زراعت بھی تھی۔ یہاں گھاس پھوس اور چٹائی کی جھونپڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ یہ تہامہ کے چرواہوں کے گھر تھے جب گھاس ختم ہو جاتی ہے یا پانی نہیں رہتا تو یہی جھونپڑیاں کسی اور جگہ ڈال لی جاتی ہیں۔ ایک ایک جھونپڑی میں ایک ایک خاندان رہتا ہے۔ یہ لوگ آپس میں محرم ہوتے ہیں جن سے بروئے احکام قرآنی رشتہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ان عورتوں کو دوسروں کو علیحدہ رہنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جھونپڑی کے ایک کونے میں بان کا پلنگ بچھا رہتا ہے جس پر گھر والا سوتا ہے۔ باقی سب لوگ زمین پر پڑ جاتے ہیں۔ دہی جمانے کی دو ایک تونبیاں۔ قہوہ بنانے کی مٹی کی مضبوط کیتلی۔ رنگین گھاس کی دو ایک ٹوکریاں جن پر خوبصورتی کیلئے کوڑیاں بھی ٹانک دیتے ہیں۔ بس اس سادہ گھر کا کل یہ سامان ہوتا ہے۔ آندھی سے بچاؤ کیلئے جھونپڑی کا دروازہ بوریے سے بند کر دیتے ہیں۔ چونکہ ان جھونپڑیوں میں کھڑکیاں نہیں ہوتیں اس لئے خیال ہوتا ہے کہ ان میں رہنے والوں کا دم گھٹ جاتا ہوگا۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ گرمیوں میں یہ لوگ باہر سید ان میں سوتے ہیں۔ یہاں کے خانہ بدوشوں کے کالے ڈیرے شاذو

نادرہی سمندر کے کنارے تھامہ کے میدانوں میں دکھائی دیتے ہیں۔

رابغ ہمارا پہلا پڑاؤ رابغ پر ہوا۔ یہاں سے ہم حدود ممنوعہ میں داخل ہوگئے اور ہمارے پاسپورٹ کی دیکھ بھال ہوئی۔ یہاں ہم نے ایک گھنٹہ آرام لیا۔ ایک تہائی حصہ سفر کا ہم طے کر چکے۔ لیکن بد ترین رستہ سامنے ہے۔ رابغ ایک بندرگاہ ہے۔ جنگ عظیم کے زمانے میں جدے کی بجائے حاجی یہیں اترا کرتے تھے یہ قصبہ ساحل سے دو میل ہے۔ یہاں اینٹ مٹی کے مکان بے ترتیبی سے ایک مسطح زمین پر بنے ہوئے ہیں۔ مارکٹ کے قریب حاجیوں کے آرام کیلئے بہت سے چھپر گھاس پھوس اور کھجور کے پتوں کے پڑے ہیں۔ اور بہت سارے بھدے پلنگ بچھے ہوئے ہیں۔ اس وقت بھی مسافران پر پڑے خراٹے لے رہے ہیں یہ لوگ دوپہر یہیں گزار کر شام کو ٹھنڈے وقت آگے بڑھیں گے۔ رابغ کے بازار میں خورونوش کا معمولی سامان سب مل جاتا ہے۔ کھجوریں۔ چاول۔ گھی۔ مچھلی وغیرہ تلی ہوئی مچھلی بھی یہاں بکتی ہے۔ بعض حاجی اسے بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔ مچھلیاں یہاں کے ملحقہ سمندر کے پایاب پانی سے جال میں پکڑتے ہیں۔ یہاں بھوک بند کر دینے والی ایک عجیب غذا اور بھی دیکھنے میں آئی۔ اسے سویق کہتے ہیں۔ یہ اس طرح بنتی ہے کہ سبز اناج کو بھون کر پیس لیتے ہیں اور اس میں کھجوریں ملا دیتے ہیں۔ یہ حاجیوں کے مطلب کی چیز ہے۔ ذرا سی کھالیں تو بہت دیر تک سہارا ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے بدوی اسے سفر میں ساتھ رکھتے ہیں۔

رابغ میں ہماری موٹر کے ارد گرد کئی بدوی لڑکیاں جمع ہوگئیں۔ یہ گھاس کی رنگین ہمکدار ٹوکریاں اور کچھ چیزیں بیچنے لائی تھیں جو خصوصاً حاجیوں کے ہاتھ بیچنے

کیلئے تیاری کی جاتی ہیں۔ جب میں نے چلنے سے انکار کر دیا تو ذرا بھی انہیں مایوسی نہ ہوئی اور قسمت آزمائی کیلئے وہ فوراً ادھر سونے والے حاجیوں کی طرف چلی گئیں۔

قصبہ رابغ کے باہر ایک سفیدی کئے ہوئے مکان میں جو یہاں کے کسی معزز باشندے کا ہے میں اُتری۔ عربوں کے مکانوں کی طرح گلی کی طرف اس کا بھی سادہ ہی رخ تھا۔ اس کی اونچی اونچی دیواروں نے اسے آبادی سے اور بھی الگ تھلگ کر دیا تھا۔ مالک مکان کی والدہ و بیوی نے میرا خیر مقدم کیا اور ایک ٹھنڈے کمرے میں جس کا دروازہ باغ کی طرف کھلتا تھا مجھے ٹھیرایا۔ یہاں تہہ کی ہوئی توشکیں رکھی ہوئی تھیں جن پر وہ رات کو سوتے تھے۔ یہاں مجھے برقع اتار دینے کا موقع مل گیا۔ میرے گورے رنگ کی وجہ سے سفر حج میں ہر جگہ لوگوں نے مجھے ترک سمجھا۔ مجھے اس کی تردید کرنے کی ضرورت بھی نہ تھی۔

رابغ پہونچنے سے قبل میں نے تھوڑا سا ناشتہ کر لیا تھا۔ اس وقت مجھے پیاس بہت معلوم ہو رہی تھی۔ ان لوگوں نے مجھے تربوز دیا اور میں نے بڑی خوشی سے کھایا۔ مالک مکان کی بیوی ایک خوبصورت عورت تھی۔ اس کا رنگ گندمی بڑی بڑی بھوری آنکھیں اور نقشہ اچھا تھا۔ اس کے چھوٹے چھوٹے تین بچے بھی اچھی شکل کے تھے۔ اور ان کی آنکھیں بھی نہیں دکھ رہی تھی جیسے کہ اکثر گرم ملکوں کے بچوں کی دکھا کرتی ہیں۔ میرے یہاں ٹھیرے تک موٹر میں پٹرول اور پانی ڈال دیا گیا۔ مصطفےٰ نے پولیس والوں کی نگاہ بچا کر حقہ بھی پی لیا۔ سلیمان ڈرائیور جو اس رستے سے بہت دفعہ آ جا چکا تھا اپنے ملاقاتیوں سے باتیں کرتا رہا۔

رابغ سے چل کر ہم تربوزوں کے کھیتوں او نخلستانوں میں سے گزرے

اور ایک سوکھے نالے کو عبور کرنے کے بعد پھر ایک بے آب وگیاہ ریگستان میں پہنچ گئے۔ اس وقت سورج ہم پر بڑی بے رحمی سے چمک رہا تھا۔ عرب میں ندیاں نہیں ہیں لیکن جب کبھی مینھ برس جاتا ہے تو یہاں کی وادیاں ہی نالے بن بن کر تھوڑی دیر کیلئے چڑھاؤ پر آجاتی ہیں۔ اس وقت اگرچہ بادل نہ تھے مگر بڑی گرمی اور حبس تھا۔ ہم دیر تک ناپیداکنار ریتیلے رستوں میں چلتے رہے اور سراب دیکھ دیکھ کر صحرا کے طلسمی خوابوں کی سی کیفیت ہم پر طاری ہوتی رہی۔ رستہ بھٹکے ہوئے بہت سے مسافر سراب سے دھوکا کھا چکے ہیں۔ اسی وجہ سے بدویوں نے اس کا نام "بحرالشیطان" رکھا ہے۔ بائبل میں سراب کا ذکر یسعیاہ نبی کے صحیفے کے باب ۳۵ میں آیا ہے۔

"صحرا تالاب ہو جائے گا" [1]

عرب اب تک لفظ سراب استعمال کرتے ہیں۔

کئی گھنٹے چلنے کے بعد ہم دامن کوہ میں پہونچے پھر ایک وادی میں داخل ہوئے جس کے دونوں طرف بلند پہاڑی سلسلہ تھا۔ یہاں سے مشرق کی طرف مڑے اور ایک ایسی ریتیلی سڑک پر پہونچے جو کہیں تو بالکل تنگ درے کے مانند تھی اور کہیں حد نظر تک اونچے اونچے پہاڑ دکھائی دیتے تھے۔ یہ پہاڑ سرخ ریتیلے پتھر کے تھے دور سے ان کا رنگ خصوصاً مغرب کے وقت قرمزی و نارنجی معلوم ہورہا تھا لیکن قریب پہونچ کر بے انتہا خشک و ویران نظر آنے لگتے تھے۔ مینھ کا ایک چھینٹا اس ویرانے کو مہکتا ہو گلزار بنا دیتا ہے اور ریگستان کی یہ برہنہ زمین تھوڑی دیر کیلئے

---

[1] یہ آیت صحیفۂ مذکور کے باب (۳۵) کی ساتویں آیت ہے۔ مترجم

پھلواری کا لباس پہن لیتی ہیں۔ مختلف قسم کے خوشبودار جنگلی پھول کھل جاتے ہیں۔ جن کو اگر یہاں سے گزرنے والا کوئی اونٹ یا ہرن نہ چرے تو بہت بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ افسوس ان کی زندگی کس قدر مختصر ہوتی ہے۔ لیکن جب ان کے منہ میں آسمانی پانی چوآتا ہے تو یہ جھلس دینے والے سورج کا مقابلہ کرنے کیلئے بڑی بہادری کے ساتھ اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

قبیلۂ حرب کے بدوی

ان پہاڑوں میں کچھ آدمی بھی رہتے ہیں۔ ان بیچاروں کو زندگی بسر کرنا مشکل ہے۔ اس کا ثبوت ان کے چہروں سے ملتا ہے۔ ان کے بچوں کی طرف دیکھنا بڑا ہی تکلیف دہ منظر تھا۔ گویا وہ زندہ ڈھانچے تھے۔ ہماری آہستہ چلنے والی موٹر کے ساتھ ساتھ وہ دوڑ رہے تھے۔ اور اَڑ اَڑ کر بھیک مانگ رہے تھے۔ اُس وقت مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ اگر ان کا سوال رد کیا گیا تو ان کی چیختی آوازیں گالیوں میں تبدیل ہو جائیں گی۔ ان بدویوں کی حالت بڑی مکروہ تھی۔ عورتیں تو خیر برقع اوڑھے ہوئے تھیں اور ان کی صرف آنکھیں ہی نظر آ رہی تھیں۔ مگر مرد ترش رو اور بُری صورت تھے۔ یہ قبیلہ حرب کے بدوی ہیں۔ اگلے زمانے میں ان کی گزر لوٹ مار پر تھی۔ شریف حسین نے اپنی فوج میں ان لوگوں کو بکثرت بھرتی کر لیا تھا۔ اور ترکوں کو حجاز سے نکال کر وہ خود سلطان بن بیٹھا تھا مگر امیر نجد سلطان ابن سعود نے چند سال بعد آخر اُسے بھی نکال باہر کیا۔

موجودہ سلطان نے اس ریگستان میں رہزنی کا خاتمہ کر دیا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس قبیلے کی گزر معاش کے ذریعے نہ رہے۔ یہ لوگ سلطان کی فوری سزا کے

ڈر کے مارے لوٹ کھسوٹ کی جراءت نہیں کرتے۔

جب ہمارا رستہ صاف ہوتا تھا اور سلیمان ڈرائیور کو جلدی جلدی چال بدلنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی تو وہ گانے لگتا تھا۔ سہ پہر کے وقت ہم کو حاجیوں کے اونٹوں کی قطاریں ملیں ان کی شبریوں میں قالین بچھے اور تکئے لگے ہوئے تھے۔ ایک شبری میں تین آدمی بیٹھ سکتے ہیں۔ دھوپ اور ہوا کے بچاؤ کیلئے ان میں پردے لگا لیتے ہیں۔ جسطرح کوئی لنگرانداز جہاز خاموش سمندر میں جھولتا ہے اسی طرح اونٹ اونگھتی ہوئی چال سے بڑھے چلے جا رہے تھے۔ غالباً ان کی یہ رفتار آرام دہ ہوتی ہے۔ اندھیرا ہوتے ہی شبری کے سفید پردے چھوڑ دیئے گئے اور سواریاں آرام سے سو گئیں۔ رستے میں ہمیں سینکڑوں اونٹ ملے جو گردنیں لمبی کئے ایک کے پیچھے ایک قطار در قطار بھُس بھُسی ریت پر آہستہ آہستہ چلے جا رہے تھے۔ کہیں کہیں ایک آدھ ساربان اپنے گروہ کی رہنمائی کر رہا تھا۔

جدے سے چل کر اب مدینہ پر اور رستے میں کئی جگہ او روہابی پولیس نے جو حاجیوں کے قافلے کی حفاظت کرتی ہے ہمارا پاسپورٹ دیکھا۔ پیشتر غریب حاجیوں کی کوئی خبر لینے والا نہ تھا۔ ان کا مال اسباب سب لوٹ لیا جاتا تھا اور ان کو مرنے کے لئے رستے میں پڑا چھوڑ دیتے تھے۔

مدینے کے مسافر

جدے سے مدینہ ڈھائی سو میل ہے جسے طے کرنے میں ہمارے پندرہ گھنٹے صرف ہوئے۔ مدینے پہونچ کر میں نے اپنی چھوٹی سی موٹر کو جو بڑی بہادری کے ساتھ ہم کو اس بیابان میں سے نکال لائی تھی جھک کر سلام کیا۔ رستے میں صرف ایک جگہ مصطفےٰ اور سوڈانی کو اتر کر موٹر ڈھکیلنی پڑی تھی۔ اونٹوں پر سوار حاجیوں کے علاوہ بہت سے حاجی ہمیں پیدل چلتے ہوئے بھی ملے۔ یہ

احرام باندھے۔ ہاتھ میں صراحیاں لئے بعض چھتریاں لگائے تپتے ہوئے ریگستان میں آہستہ آہستہ چلے جا رہے تھے۔ جدے سے مدینے پہونچنے میں معمولی رفتار سے اونٹ کو دس دن لگتے ہیں۔ اور پیدل اکیس دن میں پہونچتے ہیں۔ یہ لوگ عموماً راتوں کو منزلیں طے کرتے ہیں اور گرمی کے وقت دن میں کسی کارروان سرائے میں ٹھیر جاتے ہیں جہاں ان کو غذا۔ پانی۔ چائے۔ قہوہ اور پلنگ مل جاتا ہے۔ رستے میں بعض جگہ موٹر لاریاں بھی دکھائی دیں جن میں حاجی سوار تھے۔ ان لاریوں میں سامان مضبوطی سے بندھا ہوا تھا۔ کھانے کے برتن اور پانی کی چھاگلیں جگہ جگہ لٹک رہی تھیں۔ جب وہ ناہموار زمین سے گزرتی ہوں گی تو بڑا غل مچتا ہوگا۔

منزل مسیجید

مغرب کے وقت ہم مسیجید پہونچے۔ مدینے کے رستے میں یہ آخری منزل ہے۔ یہاں دامن کوہ میں ایک بڑا اسفید مکان بنا ہوا ہے۔ یہ نیا ہوٹل ہے جو حاجیوں کیلئے تعمیر ہوا ہے مگر ابھی نامکمل ہے۔ مجھے ٹھیرنے کیلئے اس میں ایک کمرہ مل گیا جو سفیدی کی ہوئی محض ایک چاردیواری تھی۔ اس کی چھت پر کھجور کے تنے رکھے ہوئے تھے اور لکڑی کے پٹوں کی ایک کھڑکی تھی۔ آئینے تو یہاں بیکار ہی ہوتے ہیں۔ ریت کا فرش تھا ابھی دروازے نہیں چڑھے تھے۔ بہرحال کمرہ ٹھنڈا اور صاف تھا۔ میں نے کمبل بچھایا اور سوگئی۔ ایک گھنٹے بعد پھر ہم روانہ ہوئے ابھی ہمیں تیس میل اور چلنا ہے۔ سورج غروب ہوتے ہی اندھیرا چھا گیا مگر ہماری موٹر کی روشنی بہت اچھی تھی۔ ایسے رستوں میں جو قدم قدم پر بدتر ہی ہوتے جاتے ہوں یہ نہایت ضروری ہے۔ چاندنی نہ تھی مگر تاروں بھری رات میں پہاڑ صاف دکھائی دے رہے تھے۔ یہاں رستے میں ایک جگہ حاجیوں کے اونٹ ہمارے پاس سے

بھوتوں کی طرح چپکے سے گزر گئے۔ اونٹوں کی کچھ اور قطاریں بھی نظر پڑیں جن پر تجارتی سامان اور غلہ لدا ہوا تھا۔ ایک جگہ جب دو سپاہیوں نے ہم پر بیٹری سے روشنی ڈالی اور ہم ٹھیر گئے۔ معمولی صاحب سلامت کے بعد انہوں نے کہا کہ یہاں تین دن تک بارش ہوتی رہی ہے۔ اور رستے میں پانی کھڑا ہے۔ ہم نے ان کا شکریہ ادا کیا اور ایک دوسرے رستے سے آگے بڑھے۔ ادھر بھی ہمیں پانی ملا۔ ہمارا ڈرائیور اُتر پڑا اور چل کر دیکھا پانی اس کے گھٹنے گھٹنے تھا۔ لیکن اس نے کہا کہ زمین سخت ہے۔ انشاء اللہ ہماری موٹر خیریت سے گزر جائے گی۔ غرض کہ ہماری موٹر نے دغا نہ دی اور ایک گھنٹے چلنے کے بعد ہمیں دور سے روشنی نظر آنے لگی۔ یہ مدینے کے چراغ تھے۔

مدینے میں داخلہ

سلیمان وہاں پہلے داخل ہوا۔ ہم تینوں کیلئے یہ بڑے تنت کا وقت تھا۔ اب ہماری دلی آرزو پوری ہونے کی گھڑی آ پہونچی تھی میں نے اچھی طرح برقع اوڑھ لیا اور ہم سب جلدی جلدی باب عزیزیہ پہونچے۔ یہ مدینے کا ایک دروازہ ہے۔ یہاں ہماری موٹر ٹھیر گئی اور چاروں طرف سے ہم پر روشنی پڑنے لگی۔ پوچھ گچھ ہوئی اور پاسپورٹ دیکھا گیا میرے پاسپورٹ میں میرا نام "سیدہ زینب" لکھا تھا۔ حدود حرم میں میرے داخلہ کی اس میں اجازت بھی درج تھی۔ اس وقت فرنگی حساب سے رات کے دس بجے تھے۔ شہر کے دروازے بند ہوئے بہت دیر ہو گئی تھی مگر امیر مدینہ نے پولیس کو حکم دے دیا تھا کہ جب میں یہاں پہونچوں اُسی وقت مجھے شہر میں داخل ہونے کی اجازت دیدی جائے۔ اتنے میں وہ آدمی بھی آگیا جس کو مجھ سے ملنے کا حکم تھا اور ہم اس نئے ملاقاتی کے ساتھ سوتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے۔ یہ شخص ہم کو سنسان گلیوں اور آنت کی تانت سڑکوں پر لے چلا۔ آخر ہم ایک محراب کے

پاس پہونچے جس میں ہماری موٹر گھس نہیں سکتی تھی مجبوراً میں موٹر سے اتر پڑی اور اس شخص کے پیچھے ہولی۔ وہ ایسا جلدی جلدی چل رہا تھا کہ میں اپنے جھا بڑ جھلا عربی لباس میں الجھ کر تیرہ و تار گلیوں میں اُس سے بچھڑ گئی۔ بُرقع اٹھاتے ہوئے بھی مجھے ڈر معلوم ہو رہا تھا۔ اس کا نام مجھے معلوم نہ تھا مگر میں نے "یا حامد" کہہ کر اسے پکارا۔ وہ لوٹ کر میرے پاس آیا اور پھر میں نے احتیاط کی کہ اس کا ساتھ نہ چھوٹ جائے۔ آخر ایک بلند مکان کے دروازے پر ہم ٹھیر گئے اور اُس نے زور سے دروازہ کھٹکھٹایا اور پھر زور سے چیخا اُس کی آواز رات کے سناٹے میں گونجنے لگی۔ مگر خبرے نباشد۔ پھر کھٹکھٹایا اور پھر کھٹکھٹایا اور پھر زور سے چیخا۔ اب اندر سے کسی نے جواب دیا۔ اس وقت میں تکان اور ڈر کے مارے کھڑی کانپ رہی تھی۔ ایک مقدس شہر میں۔ ایک پردیسی کی حیثیت سے۔ آدھی رات کے وقت۔ ایک اجنبی کے ساتھ!!

خدا خدا کر کے دروازہ کھلا اور ایک نورانی صورت کے بڑے میاں نے دیر کی معافی مانگی۔ اندر بلایا اور کہنے لگے کہ ہم تمہاری راہ دیکھتے دیکھتے مایوس ہو کر سو گئے تھے اور یہ خیال کیا تھا کہ تم صبح پہونچو گی۔ وہ مجھے سیڑھیوں پر سے بالاخانے پر لے گئے۔ میرا رہنما موٹر میں سے سامان لانے کیلئے واپس گیا اور مصطفےٰ کو خبر کر دی کہ سب انتظام ٹھیک ٹھاک ہو گیا ہے۔

میرا کمرہ اچھا خاصہ بڑا تھا۔ خالی بھی تھا۔ فرش پر چند قالین اور گدے بچھے تھے۔ دیواروں پر آیات قرآنی کے طغرے آویزاں تھے۔ اس کمرے سے ملا ہوا اور ایک کمرہ بھی میرے ہی علاقہ میں تھا۔ ایک چھوکری میرے لئے چائے۔ دہی نمک اور شکر لائی کہ چاہے نمک ڈال کر دہی پیوں یا شکر ڈال کر۔ اس وقت پیاس

کے مارے میری بُری حالت تھی۔ اس چائے نے جان ڈال دی۔

جس وقت میرا سامان یہاں پہونچا ہے مجھے ایسی نیند آ رہی تھی کہ اُسے کھو لنے کا بھی مجھ میں دم نہ تھا۔ میں نے ایک گدّے پر کمبل بچھایا اور تکیہ سرہانے لیکر سونے کو تیار ہوگئی۔ اتنے میں مصطفٰے نے آکر کہا کہ مُزَوّر (جو مدینے میں زیارت کی دعائیں پڑھاتا ہے) سیڑھیوں کے نیچے کھڑا انتظار کر رہا ہے۔ میں نے عذر کرنا چاہا مگر یہ خیال کر کے کہ مسافر کا پہلا فرض یہ ہے کہ مدینے پہونچنے کے بعد کھانے پینے اور سونے سے پہلے مسجد نبوی میں حاضر ہو جائے اس لئے مزّور سے ملنے کیلئے میں تیار ہو گئی اور لپک کر برقع اوڑھ لیا۔ مصطفٰے ایک بلند قامت عرب کو اندر لایا جو مُزوّر کی خدمت کیلئے بہت موزوں معلوم ہو رہا تھا۔ صلاح یہ ٹھیری کہ نماز صبح کیلئے میں اس کے ساتھ مسجد نبوی میں حاضر ہوں۔ یہ خیال کر کے کہ سونے کیلئے مجھے چار پانچ گھنٹے مل جائیں گے میں لیٹ گئی اور جب آنکھیں بند کیں تو کسی حاجی کی قرآت سنائی دی۔ وہ سورۂ یوسف پڑھ رہا تھا اور اس طرح صاف صاف کہ میں اچھی طرح سمجھ رہی تھی اُن جادو بھرے لفظوں اور دلکش آواز سے میری آنکھ لگ گئی۔

مدینے کی صبح

۱۶ رمارچ ۱۹۳۳ء صبح اذان کی آواز سے میں جاگی اور ایک کھڑکی میں سے جنوب کی طرف مجھے بلند مینا ریں اور آنحضرت کے مقبرے کا سبز گنبد کچھ دھندلا دھندلا نظر آیا۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ جو مسجد اسلام میں بہید متبرک سمجھی گئی ہے میں اس سے اس قدر نزدیک پہونچ گئی ہوں۔ میں نے وضو کیا اور مُزوّر کے ساتھ جانے کیلئے جلدی سے نیچے اُتری مزوّر کا کام یہ ہے کہ وہ زائر کو چاہے مرد ہو یا عورت مقدس مقامات پر دعائیں پڑھاتا ہے اور زائر

اُس کے ساتھ ساتھ وہی الفاظ دہراتا جاتا ہے۔

مسجدِ نبوی میں حاضری

میں نے اچھی طرح برقع اوڑھ لیا اور رمزؔ ور کے پیچھے پیچھے مسجد کو چلی۔ تنگ گلیوں کی گرہ بڑیں سے گزرتی ہوئی میں ایک کھلی زمین پر پہونچی اور ایک بڑے دروازے میں سے ایک محرابدار صحن میں داخل ہوئی یہ مقام آفتاب صبح کی کرنوں سے منور اور کبوتروں کی آوازوں سے گونج رہا تھا۔ اب میرے سامنے صبح کے سہانے نیلگوں آسمان کے نیچے مرقد منورہ کا زمردین گنبد درخشاں تھا۔ جب میں جلدی سے جوتے پھینک کر اُس چوکھٹ سے آگے بڑھی جہاں تک بہت کم فرنگیوں کی رسائی ہوئی ہے اور کسی فرنگی عورت کو تو اُس سے گزرنا نصیب ہی نہیں ہوا تو میرے بدن میں ایک سنسنی دوڑ گئی۔ میں اپنے رہنما کے پیچھے پیچھے بے شمار رنگین ستونوں[1] میں سے گزرتی اور نمازیوں کے بیچ میں سے ہوتی ہوئی اُس مقام پر پہونچی جسے روضہ کہتے ہیں اور دو رکعت نماز پڑھی۔ یہاں بہت سے نمازی تھے۔ قرآن خوانی بھی ہو رہی تھی جو یہاں دن رات ہوتی رہتی ہے۔ بایں ہمہ مسجد کے ادب کے لحاظ سے ایک خاموشی کا عالم طاری تھا۔ پھر میں آنحضرتؐ کے مرقد پر حاضر ہوئی۔ یہاں مجمع اور زائد تھا۔ اور اگرچہ یہ لوگ بڑے جوش و خروش کے ساتھ سلام پڑھ رہے تھے مگر اس جگہ نماز کوئی نہیں پڑھتا۔ محمدؐ نے فرمایا ہے:۔

---

[1] یہ ستون آس پاس کے پہاڑوں کے سرخ پتھروں کے ہیں۔ ان پر اراؤں کی چھتیں قائم ہیں۔ جن پر نیلے اور سُرخ نقش و نگار ہیں۔ (لیڈی زینب)

"یا اللہ ! میری قبر کو مسجد نہ بنائیو۔"

ایک اور موقع پر فرمایا ہے۔

"خدا لعنت کرے یہود و نصاریٰ پر جنہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا۔ مسلمانو! تم ایسی حرکتوں سے بچتے رہنا۔"

آنحضرت کی قبر پر جس سلام کے پڑھنے کی اجازت ہے اور جو میں نے بھی اپنے مزور کے ساتھ پڑھا تھا وہ یہ ہے۔

"اے بہترین خلق تم پر سلام اور خدا کی رحمت۔ اے اندھیرے کو روشن کرنے والے۔ اے خدا کے پیغمبر۔ اے ہمارے آقا تم پر سلام۔
اے وہ نبی جس کو اللہ تعالیٰ نے فتح کی تلوار عطا کی تم پر سلام۔
اے خدا کی سب سے پہلی مخلوق۔ اے ختم النبیین تم پر سلام۔
ہم تمہاری خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ ہم نے تمہارے آستانہ پر پناہ لی ہے تم پر سلام اور خدا کی رحمت و برکت۔"[1]

سلام پڑھنے کے بعد ہم نے اس حجرے کے اندر نظر ڈالی جس میں عرب کا عظیم الشان پیغمبر دفن ہے۔ مگر سوائے اس پردے کے جو جالی سے چند فٹ کے فاصلے پر (حجرے کے اوپر پڑا ہوا ہے) اور کچھ نظر نہ آیا۔ وہ جواہرات اور خزانے جو کبھی اس قبر کے اطراف

---

[1] مختلف مزور مختلف سلام پڑھاتے ہیں بعض سلام بہت طویل بھی ہوتے ہیں۔ کم سے کم "السلام علیک یا رسول اللہ" بھی پڑھ دیا جاتا ہے۔ سلام عربی میں پڑھا جاتا ہے۔ لیڈی زینب نے سلام کا انگریزی ترجمہ اپنی کتاب میں لکھا ہے جس کا اردو ترجمہ میں نے کر دیا ہے۔ (محسن)

رکھے ہوئے تھے وہ مدینے کا آخری ترکی گورنر لے گیا اور جنگ کے زمانے میں انور پاشا و طلعت پاشاہ کے پاس قسطنطنیہ بھیج دئے۔ اگر ٹرکی کے موجودہ حکمران جن سے سلطان ابن سعود و حکومت سعودی کے گہرے تعلقات ہیں وہ خزانہ و جواہرات اپنے پیشرؤوں کے گناہوں کے کفارہ میں روضہ منورہ کو واپس کردیں تو ان کی علوہمتی کا ثبوت مل سکتا ہے پیغمبر صاحب کی قبر کے متصل حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کی قبریں ہیں۔ یہاں بھی ہم نے سلام پڑھے۔ یہاں سے ہٹ کر ہم نے فاطمہ بنت رسول اللہ کی قبر کی زیارت کی اور سلام پڑھا۔ اس کے بعد وہ جگہ دیکھی جو مہبط جبرئیل کہلاتی ہے۔ یہاں جبرئیل نازل ہو کر آنحضرتؐ کا قرآن پڑھنا سنا کرتے تھے۔

محمدؐ کے زمانہ میں یہ مسجد بہت چھوٹی تھی جس کی حد صرف روضۃ المصطفٰے تک تھی۔ اس جگہ کو جنت کا ایک باغ تصور کیا جاتا ہے۔ اور یہاں کی ایک نماز بجز حرم بیت اللہ کے باقی اور تمام مقامات کی نمازوں سے ہزار درجے افضل ہے روضہ میں آنحضرتؐ کا مکان بھی ہے۔ جہاں اپنی عمر کا آخری زمانہ آپ نے گزارا اور جہاں وفات پائی[1]۔ روضہ سے تھوڑے فاصلے پر آنحضرتؐ کے خسر حضرت ابوبکرؓ رہا کرتے تھے۔ اب یہ دونوں مکان مسجد میں شامل ہو گئے ہیں لیکن اُس زمانے میں جب حضرت ابوبکر اپنے عزیز داماد یعنے پیغمبر صاحب سے ملنے آیا کرتے تھے تو روضہ میں سے ہو کر آیا کرتے تھے۔

اصل مسجد جہاں روضہ واقع ہے اینٹ مٹی سے بنائی گئی تھی۔ اس کی چھت کھجور کے پتوں کی تھی خود محمدؐ (صلعم) اس کی تعمیر میں شریک تھے۔ انہیں اٹھا اٹھا کر لاتے

---

[1] اور جہاں اب دفن ہیں۔ (محسن)

تھے اور ایک جگہ ڈالتے جاتے تھے۔ آپ کا عقیدہ تھا کہ محنت میں عزت ہے اور زراعت و تجارت خدا کے نزدیک پسندیدہ عمل ہیں۔ آپ کاہلی و سستی کو برا جانتے سمجھتے

آنحضرت کے بعد خلفا و سلاطین نے اس مسجد کی توسیع کی اور اس کی خوبصورتی میں بہت اضافہ کر دیا۔ اس مسجد کے قبلے یعنی محرابیں بہت ہی خوشنما ہیں۔ اِن سے کعبے کی سمت معلوم ہوتی ہے۔ اور جمعہ کے دن امام اس جگہ کھڑا ہو کر نماز پڑھاتا ہے[1] روضے کے بیچ میں وہ متبرک محراب ہے جہاں آنحضرت نماز پڑھا کرتے تھے۔ اس محراب کے علاوہ محراب عثمانی و محراب سلیمانی بھی دونوں بہت خوبصورت ہیں۔ یہ سفید سنگ مرمر کی منقش محرابیں ہیں۔ ان کے اطراف کی دیواروں پر پچیکاری کا کام کیا ہوا ہے۔ اور پتھروں کو کھود کھود کر خوشنما عربی خط میں آیات قرآنی بٹھائی گئی ہیں۔ روضے کے اردگرد پرانی وضع کا میناکاری کا کام ہے۔ جس کا عجیب و غریب رنگ صدیاں گزرنے کے بعد بھی آجتک جوں کا توں ہے۔

اسلام میں تصویر کی ممانعت عربی نقاشی

پیغمبر صاحب نے اس خیال سے کہ بت پرستی کا شائبہ بھی نہ ہونے پائے انسانی تصویروں اور ذی روح کی شکلیں بنانے کی ممانعت کی ہے اس لئے عربوں نے زیب و زینت کیلئے عربی وضع کے نقش و نگار سے کام لیا جن میں رفتہ رفتہ پھول پھل اور پرندوں کا اضافہ ہوتا گیا اور اس کام کی ایک خاص وضع قرار پا گئی جو دلکشی، موزونیت۔ نفاست۔

---

[1] جمعہ کی تخصیص نہیں ہے۔ دوسرے ایام میں بھی ان محرابوں میں امام نماز پڑھاتے ہیں۔
(محسن)

نقشے کی سادگی۔ بیک اور سڈول ہونے کے اعتبار سے اپنی نظیر آپ ہے اور مغربی تہذیب نے بھی جس کی بہت کچھ نقل کی۔ عربوں کی آرائش و زیبائش کی ایک دوسری شاخ طغریٰ نویسی ہے جو مسجدوں اور محلوں کی آراستگی میں زبردست خوشنمائی پیدا کردیتی ہے۔ اور دروازوں۔ محرابوں۔ میناروں اور گنبدوں میں اس کے اعلیٰ اعلیٰ نمونے پائے جاتے ہیں۔ بہت سے قرآن بھی اپنی خوشخطی و دلفریبی میں شاہکار سمجھے جاتے ہیں۔

مسجد نبوی کے کئی خوبصورت دروازے ہیں۔ اگرچہ کیمرہ لانے کی یہاں ممانعت ہے۔ مگر میرے ملاقاتی سید احمد السعید صاحب نے ازراہ مہربانی مجھے مدینے کی مسجد نبوی کی اور یہاں کی بعض دوسری زیارت گاہوں کی نیز مکہ و حرم بیت اللہ کی تصویریں دی ہیں جن کی میں بہت قدر کرتی ہوں۔

مسجد نبوی کی پانچ مینار یں ہیں اور نماز کے وقت ان پر پانچ موذن ایک ساتھ اذاں دیتے ہیں۔ جوں ہی ایک موذن اللہ اکبر کہتا ہے۔ اس کے ساتھ شمال و مشرق جنوب و مغرب سب طرف کی میناروں سے یہی آواز بلند ہوتی ہے۔ اور سارا شہر نماز میں مصروف ہو جاتا ہے۔

گھر پر بعض لوگوں سے ملاقات

گھر پہونچنے کے تھوڑی دیر بعد میں نے دیکھا کہ کئی شخص مجھ سے ملنے آئے ہیں۔ ان میں ایک تو علاقہ میکنیز کا پاشاہ (گورنر) تھا جو میرے ساتھ سوئز سے جدے آیا تھا۔ اور دوسرے دن صبح یہاں سے مکے روانہ ہونے والا تھا۔ دو صاحب اور بھی تھے جن سے مصر میں میری ملاقات ہوئی تھی۔ ایک مصطفےٰ کے دوست سید احمد السعید مدینے کے رہنے والے

تھے۔ ان کی شرافت کی وجہ سے مجھے بھی ان کے ساتھ فوراً ایک ہمدردی پیدا ہوگئی اور مدینہ ومضافات مدینہ کے متعلق ان کی معلومات نے میرے یہاں کے قیام کو دلچسپ و نفع بخش بنا دیا۔ چونکہ اکثر مہمان میرے قدیمی ملاقاتی تھے اس لئے میں نے اپنے کمرے میں برقع اتار دیا۔ عربوں کے طریق پر صاحب سلامت۔ مزاج پرسی خیریت وخیر صلاح کے بعد انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ اس مقدس شہر اور یہاں کی مسجد کی نسبت میرے دل پر کیا اثر ہوا۔

قبروں کے انہدام پر گفتگو

اس کے بعد ہم محمد کے اہلبیت وصحابہ کی قبروں کے انہدام کے متعلق بحث کرنے لگے۔ ان زخمی قبروں کو اگرچہ ابتک میں نے آنکھوں سے تو دیکھا نہیں لیکن ان کا ذکر پہلے بھی بہت مرتبہ سن چکی تھی۔ تمام حاضرین کو اس پر اتفاق تھا کہ "قبروں پر دعائیں مانگنا اگرچہ آنحضرت کی تعلیم کے موافق نہیں ہے تاہم وہابیوں نے اپنی اس خالص توحید کو زندہ کرنے کی آرزو میں جس کا قرآن شریف میں حکم ہے ضرورت سے زیادہ سختی کی۔ قبروں پر منتیں مانگنے کی جاہلانہ رسم کو مٹا دینے کیلئے کوئی دوسرا طریقہ بھی اختیار کیا جا سکتا تھا"۔ لیکن حاضرین یہ بات بھول گئے کہ جس شخص نے یہ حکم دیا ہے کہ قبریں زمین کی برابر رہنی چاہئیں وہ محمد ہی ہیں۔ میرے ملاقاتی چھوٹی چھوٹی فنجانوں میں چائے اور بغیر شکر کا قہوہ پی کر رخصت ہوگئے۔ اور میں اپنی اس نئی زندگی کے خیالات قلمبند کرنے بیٹھ گئی۔

مدینے کی عورتیں

۱۷/مارچ ۱۹۳۳ء۔ آج صبح میں اپنی ڈائری لکھ رہی تھی کہ مجھے اطلاع ملی کہ مجھ سے ملنے کے انتظار میں کچھ عورتیں نیچے بیٹھی ہوئی ہیں۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ دمشق کے میرے ایک قدیم ملاقاتی کی خاندان و ایک

ہیں۔ میں خوشی خوشی اُن کے پاس گئی۔ اب وہ اپنے برقعے اور عبائیں اُتار کر گدیوں پر بیٹھ گئیں۔ یہ پانچ عورتیں تھیں۔ ایک تو میرے دمشقی ملاقاتی کی بیوی تھی یہ بہت ہی قبول صورت عورت تھی۔ ایک اس کی بہن تھی جس کے ساتھ اُس کی دو لڑکیاں بھی آئی تھیں اور ایک کوئی اور بڑی ہنس مکھ بی بی تھی۔ اس کی مزے دار باتوں نے ہم سب کو بہت خوش کیا میری میزبان یعنی جن کے ہاں میں مقیم تھی اُن کی بیوی گو مجھ سے صبح مل چکی تھیں لیکن اب پھر ان عورتوں کی خاطر تواضع میں میرا ہاتھ بٹانے کیلئے آگئیں اور ان کو چائے قہوہ دیا۔ جب ان عورتوں نے اپنا اوپر کا سیاہ ساٹن کا ریشمی لباس اُتار دیا تو میں نے دیکھا کہ وہ نیچی نیچی مُہریوں کے چوڑی دار چست پیجامے پہنے ہوئے تھیں جو دُبلے آدمیوں کو اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ یہ عموماً دھاری دار مشروع یا سوتی کپڑے کے ہوتے ہیں ان کے بدن میں لمبی آستنوں کا باڈیس اُس کے اوپر ڈھیلا ڈھالا جالی کا کرتا اور سر پہ رنگین ریشمی کپڑے کا فقتا تھا جس کا ایک سرا کندھے پر لٹکتا رہتا ہے۔ یہ اپنے بال دو چوٹیوں میں گوندھتی ہیں جو پیٹھ پر چھوٹی رہتی ہیں اور اُن میں کوئی خوش رنگ ربن یا موتی ٹکا ہوا موباف پڑا رہتا ہے پوڈرا ور گلگونہ کا یہاں رواج نہیں ہے۔ ہاں آنکھوں میں سرمہ سب لگاتی ہیں ان کا خیال ہے کہ اس سے سورج کی تپش کا اثر نہیں ہوتا انکے دانت بھی بہت خوشنما تھے اور یہ بہت آراستہ پیراستہ تھیں۔ میرے ملک اور وہاں کی عورتوں کے حالات یہ بڑی دلچسپی سے سن رہی تھیں ہمارے مطالبات۔ پارلیمنٹ میں ہمارے حقوق اور گورنمنٹ میں ہمارے اختیارات کی نسبت انہوں نے مجھ سے بہت سے سوال کئے۔ انہوں نے مجھ سے یہ بھی پوچھا کہ تم کب اور کیوں مسلمان ہوئیں۔ میرے یہ کہنے پر کہ میں عربی لکھ پڑھ سکتی ہوں وہ مجھے اُن آیات قرآنی کی طرف لے گئیں جو دیواروں پر آویزاں تھیں اور مجھ سے پڑھنے کے لئے کہا۔ خوش قسمتی سے میں نے

وہ پڑھ کر سنا دیں۔ یہاں تک کہ سورۂ یٰسین جو ایک فریم میں لفظ "یٰسین" کے اندر بہت ہی باریک باریک حروف میں لکھی ہوئی تھی وہ بھی میں نے پڑھ دی۔ بات یہ تھی کہ یہ سورت مجھے زبانی یاد تھی۔ میرے مہمانوں میں صرف دو عورتیں لکھی پڑھی تھیں مگر بات چیت میں وہ سب بہت سمجھدار اور تعلیم یافتہ معلوم ہو رہی تھیں۔ یہ عورتیں بڑی ملنسار تھیں۔ میں ان سے خصوصاً سید احمد السعید صاحب کی بیوی فاطمہ سے پھر کسی دن ضرور ملوں گی۔ یہ اپنے شوہر کی طرح بڑی خلیق اور بہت ہی محبت کی آدمی ہیں۔

دوپہر کے وقت جب ظہر کی اذان ہوئی تو میں نے ان سے مسجد میں چلنے کیلئے کہا۔ مگر انہوں نے عذر کر دیا۔ جب میں واپس آئی تو میں نے دیکھا کہ وہ میرے کمرے میں نماز پڑھ رہی تھیں۔ میں نے ان سے کھانے کیلئے کہا۔ اور مصطفٰے سے جو نیچے تھا کہہ دیا کہ یہ بی بیاں ابھی ٹھیری ہوئی ہیں۔ ان کے کھانے کا انتظام کر لو۔ کھانا آیا اور ہم سب ایک بڑے دسترخوان پر بیٹھ گئے۔ ترکاریاں اور تلا ہوا گوشت تھا۔ ہم نے ہاتھوں اور چمچوں سے کھایا۔ جب کھا چکے ایک چھوکری پانی کا لوٹا چلمچی اور نرم نرم تولیں لائی اور ہمارے ہاتھ دُھلائے۔ اسی طرح کھانے سے قبل بھی احتیاطاً ہم نے ہاتھ دھوئے تھے۔ میں چاہتی تھی کہ میرا دوپہر کا سونا ناغہ نہ ہو۔ اور یہ اُٹھنے کا نام نہیں لے رہی تھیں اس لئے میں نے ان سے لیٹنے کی اجازت مانگی اور کمبل پر سو گئی۔ جب میں جاگی تو دیکھا کہ وہ ابھی تک میری میزبان سے جی لگا کر باتیں کر رہی ہیں۔ عرب عورتوں کا قاعدہ ہے کہ وہ کسی سے ملنے جاتی ہیں تو دن بھر اس کے ہاں ٹھیرتی ہیں جب سہ پہر قریب آئی میں ان کو اپنی میزبان کے ساتھ باتوں میں مصروف چھوڑ کر مدینے طیبہ کی سیر کیلئے تیار ہوئی اور مصطفٰے کو ساتھ لے کر یہاں کی گلیوں اور بازاروں میں پیدل روانہ ہو گئی۔ اس وقت بڑی مسرت کے ساتھ

یہ پھر میرے دل میں دوڑ رہی تھی کہ شہر بھر میں صرف میں ہی ایک یورپین ہوں۔ مکہ اگرچہ ہرزائر کی منزل مقصود ہے۔ لیکن مدینہ وہ شہر ہے جس نے پیغمبر صاحب کو اس وقت پناہ دی تھی جبکہ وہ اپنے رشتہ داروں کے غیظ وغضب سے جان بچانے کیلئے مکے سے ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

آنحضرت کی دعوت اسلام

دعوت اسلام کی ابتدا میں محمدؐ نے صرف اپنے متعلقین سے اپنے عقائد کا اظہار کیا تھا۔ سب سے پہلے ایمان لانیوالوں میں ان کی بیوی خدیجہ ان کے کم عمر چچازاد بھائی علی ہیں جو بعد میں اُن کے داماد بھی ہو گئے۔ شروع شروع میں آنحضرتؐ خاموشی کے ساتھ چند مہینوں تک جو بڑا تکلیف دہ زمانہ تھا لوگوں کو بت پرستی چھوڑ دینے کی تلقین کرتے رہے لیکن شرک ان لوگوں کے رگ و ریشے میں پیوست تھا۔ آخر تین سال بعد غار حرا میں آپ پر وحی نازل ہوئی اور جبرئیل کے ذریعہ آپ کو دعوت عام کا حکم دیا گیا۔ محمدؐ یہ جانتے تھے کہ اس عمل سے مخالفت کے شعلے بھڑک اٹھیں گے اور خصوصاً آپ کے اہل خاندان یعنی قریش کو جو پشتہا پشت سے اصنام کعبہ کے متولی تھے۔ یہ امر بہت شاق گزرے گا کہ وہ اپنے معزز و منفعت بخش پرلطف طریقۂ پرستش کو ترک کر دیں۔ بالآخر آنحضرتؐ نے ایک بھیڑ ذبح کر کے اپنے قرابت داروں کی دعوت دی اور اُن کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

”اے بنی عبد المطلب۔ خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ تم کو اس کی طرف بلاؤں۔ اس کے سوا کوئی سزاوار عبادت نہیں ...... تم میں کون ایسا ہے جو میرے ساتھ بطور میرے مددگار اور بھائی کے کام کرنے کو تیار ہے“

ایک دومنٹ کی خوفناک خاموشی کے بعد چاروں طرف سے آپ پرے دے ہونے لگی اور سارا مجمع نہایت غصہ کی حالت میں منتشر ہوگیا۔

پیغمبر صاحب ڈرنے والے آدمی نہ تھے۔ آپ نے پھر ایک دن "واصباحاہ" کا نعرہ لگا کر اپنی قوم قریش کو کوہ صفا پر بلایا۔ قریش کا یہ نعرۂ جنگ تھا[1]۔ جب سب اکھٹے ہو گئے تو آپ نے فرمایا:۔

"اے بنی فہر۔ اے بنی عدی۔ اے بنی مخزوم۔ اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک فوج پڑی ہوئی ہے جو تم پر حملہ کرنے والی ہے تو کیا تم یقین کروگے"

اُنہوں نے جواب دیا:۔

"ہاں ہم نے تم کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں سنا۔"

پھر آپ نے فرمایا:۔

"اے قریش! تم اپنی جانوں کو بچاؤ۔ خدا نے تم تک جس کلام کے پہونچا دینے کا حکم دیا ہے اُسے سنو۔"

اِس وقت ابو لہب جس کے سر کے بال آتشین سُرخ تھے اور اسی وجہ سے اُس کو ابولہب یعنے شعلے کا باپ کہا کرتے تھے بڑے غصے میں اٹھا اور کہنے لگا:۔

"خدا تجھے عمر بھر تکلیف میں رکھے۔ اس فضول بات کیلئے تو نے ہم سب کو یہاں بلایا ہے۔"

---

[1] صبح کے وقت جب کسی غنیم کے حملہ کرنے کا خوف ہوتا تھا تو اُس وقت اہل مکہ سب کو جمع کرنے کیلئے یہ نعرہ لگایا کرتے تھے جس کے معنی ہیں "صبح سے خبردار ہو جاؤ۔" (مترجم)

محمدؐ نے اپنے چچا (ابولہب) کی طرف دیکھا۔ آپ کا رنگ زرد ہوگیا۔ جسم میں لرزہ پڑگیا اور تھر کے فرشتے نے آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلوائے۔

"ٹوٹ گئے دونوں ہاتھ ابولہب کے۔ وہ تباہ ہوگیا۔ اس کی دولت کچھ
کام نہ آئی وہ بہت جلد آگ میں جلے گا۔

اس کے بعد لوگوں نے پیغمبر صاحب کو تکلیف پہونچانا شروع کی۔ گلی کوچوں میں جدھر سے وہ گزرتے ان پر آوازے توازے کسے جاتے اور توہین کی جاتی۔ اس زمانے کا مشہور شاعر عمرو (بن العاص) اپنے اشعار میں آپ کی ہجو کرتا۔ (مگر اس کی تقدیر میں لکھا تھا کہ یہ ایک دن مسلمان ہوجائے گا اور مصر فتح کرے گا)

آنحضرت کا وعظ اور اُس کا اثر

مکے کی با اثر جماعت کی مخالفت اور طاقتور رشتہ داروں کی عداوت کے باوجود مکے کے بہت سے باشندے اور جو لوگ حج کو آیا کرتے تھے ان میں سے بعض اشخاص آنحضرت پر ایمان لے آئے تھے۔ یہ لوگ جب دور دراز مقامات پر اپنے گھروں کو واپس ہوتے تو یہ خبر بھی اپنے ساتھ لیجاتے کہ مکے کا ایک واعظ جان پر کھیل کر عرب کے قبیلوں کو بت پرستی چھوڑ دینے کیلئے بہ آواز بلند اس طرح پکار رہا ہے:۔

" اے بنی قریش! تم مجھے سچا جانتے ہو یا جھوٹا؟ اگر تم مجھے سچا خیال کرتے
ہو تو کیا تم میری بات سنو گے؟ ہماری زندگی کا قافلہ عنقریب یہاں سے
کوچ کرنے والا ہے۔ اس وقت سے ڈرو جب کہ موت تم پر حملہ کرے گی
اس وقت کوئی تمہارے کام نہ آئے گا۔ نہ عزیز و اقارب۔ نہ مال و دولت
اگر کوئی چیز تمہارا ساتھ دے سکتی ہے تو وہ تمہارے نیک اعمال ہیں

تعریف خدا کیلئے زیبا ہے۔ اُسی کا نام قابل تسبیح ہے۔ اُسی کا خیال دل میں رکھنے کے لائق ہے۔ اُسی کا حکم واجب التعمیل ہے۔ اسی کی عبادت جائز ہے۔ دھیان کرو تو اسی کا۔ جھکو تو اُسی کے سامنے۔ بھروسہ کرو تو اسی کا۔ درو تو اُسی سے۔ عبادت کرو تو اُسی کی کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں کوئی اس کا نظیر و ہمتا نہیں۔ عالم و جاہل اس کے آگے دم نہیں مار سکتے۔ چاند سورج اس کی بارگاہ عظمت و جلال میں سرگرداں ہیں۔ جلیل القدر بادشاہ اس کے آستانے پر سر نیاز جھکائے ہیں عابد و زاہد اس کے حضور میں منفعل ہیں اس کی سلطنت میں نہ علما اختیار رکھتے ہیں نہ مشائخ۔ اس کے دربار میں نہ فقیروں کی چلتی ہے نہ مجذوبوں کی۔ پس یہ یاد رکھو کہ قیامت کے دن کوئی تمہارے کام آنیوالا نہیں ہے۔"

مسلمانوں کی حبش کی جانب ہجرت

آنحضرت کے چچا ابوطالب اگرچہ ایمان نہیں لائے تھے[1] مگر جب تک وہ زندہ رہے ہمیشہ مخالفوں سے اپنے بھتیجے کی حفاظت کرتے رہے۔ جب اس بزرگ کا انتقال ہوگیا تو مکے والوں کی عداوت اس درجے بڑھ گئی کہ پیغمبر صاحب کیلئے اپنے پیرؤوں کو ان کے ظلم سے بچانا دشوار ہوگیا۔ یہاں تک کہ کئی مسلمان درجہ شہادت کو پہونچ گئے مجبوراً آپ نے اولاً حبش کی طرف ہجرت کر جانے کیلئے مسلمانوں کو مشورہ دیا۔ اُس زمانے میں وہاں ایک روشن خیال اور نیک بادشاہ حکمراں تھا۔ اس نے مہاجرین کو پناہ

---

[1] بہت سے مسلمان حضرت ابوطالب کے ایمان کے قائل ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ جس طرح انہوں نے پیغمبر صاحب کی پرورش و کفالت و حفاظت کی اس پر سے ہمارے زمانے کے لاکھوں ایمان صدقے ہیں۔

دی اور ان کے ساتھ محبت سے پیش آیا۔

مسلمانوں کی ہجرت مدینہ

ہجرت حبش کے ایک سال بعد یثرب والوں نے جن میں سے بعض ایمان لے آئے تھے پیغمبر صاحب کو اپنے شہر میں پناہ دینے کا وعدہ کیا۔ اور اگرچہ پیغمبر صاحب نے خود چند روز مکے میں رہنا ضروری سمجھا مگر اپنے ساتھیوں کو اجازت دیدی کہ وہ حبش کی بجائے مدینے چلے جائیں تاکہ اپنے ہی ملک میں رہیں۔ جب یہاں والے جلد جلد دائرۂ اسلام میں آنے لگے اور مسلمانوں کی آبادی یہاں زیادہ ہوگئی تو یثرب کا نام مدینۃ النبی[1] رکھ دیا گیا اور اب عموماً مدینہ ہی کہلاتا ہے اس کے بعد آپ کے حسب ہدایات وقتاً فوقتاً مسلمان اپنے خاندان سمیت مکے سے مدینے جانے لگے یہاں تک کہ مکے میں صرف پیغمبر صاحب اُن کے جاں نثار بھائی علیؓ اور اُن کے معزز دوست ابوبکرؓ اور اُنکی دو لڑکیاں عائشہ و اسما کے سوا اور کوئی نہ رہا۔ ان لڑکیوں میں سے بڑی کی شادی پیغمبر صاحب سے ہوئی[2]۔

ہجرت نبوی کا ہولناک منظر

اگرچہ پیغمبر صاحب مکے میں تیرہ سال کی طویل مدت تک آرام و آسائش مال و دولت سب کچھ قربان کر دینے کے بعد اب بھی ثابت قدم تھے اور باوجودیکہ آپ کا سن اس وقت پچاس سال تھا[3]۔ پھر بھی مزید قربانیاں دینے اور مصیبتیں جھیلنے کیلئے تیار تھے لیکن جب آپ کو ہجرت کرنے کا حکم ہوگیا تو یثرب جانے کے واسطے جہاں بہت سے مسلمان آپ کے قدموں میں

---

[1] نبی کا شہر

[2] حضرت عائشہؓ بڑی نہ تھیں بلکہ اسماؓ بڑی تھیں۔

[3] اس وقت آنحضرتؐ کی عمر تقریباً (۵۲) سال تھی۔

(مترجم)

آنکھیں بچھانے کیلئے موجود تھے آمادہ ہوگئے اور ہجرت کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

وہ بھی کیسا ہولناک وقت ہوگا جب محمدؐ صرف اپنے ایک ساتھی ابو بکرؓ کے ہمراہ رات کے وقت خاموشی کے ساتھ اپنے گھر سے نکلے ہوں گے اور اپنے شہر والوں کے ظلم سے تنگ آکر پہاڑوں کی طرف قدم اٹھائے ہوں گے۔ مکے والوں نے اس رات کو آپ کے قتل کر دینے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ اور چند ہی گھنٹے قبل مشورہ کرکے یہ منصوبہ گانٹھ لیا تھا کہ چند مضبوط و دلاور آدمی ان کو پکڑ کر ایک ساتھ اپنی تلواریں ان کے سینے میں بھونک دیں تاکہ کسی خاص شخص اور کسی قبیلے سے آپ کے قتل کا انتقام نہ لیا جا سکے مگر تقدیر آپ کی حفاظت کیلئے آپ کے ساتھ تھی۔ جس وقت ان سورماؤں نے آپ کے مکان کو اس ارادہ سے گھیرا ہے کہ صبح جب آپ باہر نکلیں تو آپ کو قتل کر دیا جائے۔ آپ اور ابو بکرؓ میلوں دور جا چکے تھے اور صرف علی ان بت پرستوں کے غیظ و غضب کا مقابلہ کرنے کیلئے رہ گئے تھے۔ اس اثنا میں دونوں مہاجر مکے کے جنوب کی طرف جبل ثور کے ایک غار میں چھپ گئے۔ یہاں انہوں نے تعاقب ختم ہونے تک چند روز رہنے کا ارادہ کرلیا تھا۔ یہ بات معجزے سے کم نہیں ہے کہ سارا شہر ان کو پکڑنے کی فکر میں تھا اور بڑے بڑے کھوج لگانے والے ان کے درپے تھے مگر ان کو کوئی نہ پا سکا۔ اس غار میں عامر بن فہیرہ جو ابو بکرؓ کے آزاد کردہ غلام تھے بکریاں چرانے کے حیلے سے آنحضرتؐ کے پاس بھیڑ کا دودھ پہونچا دیا کرتے تھے۔ اس کے بعد پریشانی بڑھانے والے دن آئے۔ قریش جنہوں نے سارے علاقے کو چھان مارا تھا۔ یہاں تک پہونچ گئے اور سانڈنی سوار ان کو پہاڑوں میں تلاش کرنے لگے۔ اتنے میں ان لوگوں کو ایک چرواہا نظر پڑا اُس سے پوچھا۔ اُس نے غار کی طرف اشارہ

کرکے کہا یہی ایک موزوں جگہ معلوم ہوتی ہے ممکن ہے وہاں چھپے ہوں۔ سواروں کی آہٹ ابو بکرؓ نے سنی اور خوف زدہ ہو کر کہنے لگے۔ اتنے بہت سوں کے مقابلے میں ہم دو کیا کریں گے۔ پیغمبر صاحب نے اطمینان سے فرمایا :۔ "ڈرو مت اللہ ہمارے ساتھ ہے" اس وقت ایک مکڑی غار کے منھ پر اپنا کمزور جالا تن رہی تھی۔ غار کے کنارے ایک فاختہ (اپنے گھونسلے میں بیٹھی کوکو۔ کوکو کر رہی تھی اور دنیا کے اس چھوٹے سے گوشے میں امن و امان کی عملداری تھی۔ تعاقب کرنے والوں نے یہ حالت دیکھ کر غار میں داخل ہونے کی زحمت گوارا نہ کی۔ جب ان کے پاؤں کی آوازیں کم پڑگئیں پیغمبر صاحب نے فرمایا:۔

سبحان اللہ ! اللہ اکبر !!

اسی رات عامر بن فہیرہ دو اونٹ اور زاد راہ لے کر غار پر پہونچے اور دونوں مہاجر اونٹوں پر بیٹھ کر شمال کی طرف روانہ ہوگئے۔ یہ سیدھے رستے سے کتراتے ہوئے بحر احمر کے کنارے کنارے چلے۔ ساری رات چلے آدھا دن چلے آخر گرمی نے ان کو ٹھیرنے پر مجبور کر دیا۔ یہ ایک پہاڑ کے دامن میں سو گئے اور ان کے اونٹ خاردار جھاڑیوں میں چرنے لگے۔ قریش نے آپ کو زندہ یا مردہ گرفتار کرکے لانے والے کیلئے ایک سو اونٹوں کا انعام مقرر کیا تھا اور یہ خبر ریگستان میں بجلی کی طرح دوڑ گئی تھی۔ ایک بدوی سوار نے ان کو جا لیا۔ اس نے پیغمبرؐ کو پہچان لیا۔ وہ مسلح تھا اور اس کو انعام پانے کا یقین ہوگیا تھا۔ لیکن جونہی وہ آگے بڑھا اس کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور وہ بری طرح پیغمبرؐ کے قدموں پر جا پڑا۔ آپ نے اس کی پریشانی دیکھ کر اس کے ساتھ مہربانی سے گفتگو کی۔ بدوی نے ڈر کر معافی چاہی اور شرمندہ ہو کر واپس ہوگیا۔ اور آپ نے یثرب کا رستہ لیا۔

سفرِ ہجرت کا اختتام
موضع قبا میں ورود

سات دن تک ریتیلی وادیوں میں چل کر آپ آتش فشاں پہاڑی علاقے میں داخل ہوئے جہاں کے میدان سیاہ پتھروں سے پٹے پڑے ہیں جہاں کے پہاڑ نیلگوں سنگ موسیٰ اور سرخ سنگ خارا کے ہیں اور جہاں چھوٹے چھوٹے چشمے نخلستانوں اور خار دار گھاس میں سے بہتے ہیں۔ چلا چل۔ چلا چل وہ زرخیز پہاڑی علاقے کے ایک فرحت بخش مقام پر پہونچے جو باغوں اور انگوروں کے منڈووں سے بھرا تھا اور جہاں پانی کے بہنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ یہ مقام مدینے کے مضافات میں موضع قبا تھا۔ پناہ گزینوں نے اپنی اس مبارک جائے امن کو پہچان لیا اور سمجھ گئے کہ وہ اب تمام خطروں سے دور نکل آئے۔ بارہویں ربیع الاول کو ان کا سفرِ ہجرت ختم ہوا اور اسلام کیلئے ایک نیا سال شروع ہوگیا۔ اسی ہجرت سے مسلمانوں کی تقویم کا حساب ہوتا ہے۔

مدینے بازاروں کا سماں

مدینے کے مکانوں کے دروازے منقش لکڑی کے نہیں ہیں جیسے کہ جدے میں ہیں لیکن یہاں کے چھتے دار بازاروں کی خنکی گلیوں کی دھوپ کا رنگ بچوں کے رنگ برنگ کپڑے اور بڑوں کی سفید زرین عبائیں یہاں کے منظر کو دلفریب بنا دیتی ہیں۔ رستے والوں کی "السلام علیکم" کی آواز کانوں کو نغمہ کا کام دیتی ہے۔ دو ملاقاتیوں کا باہم سلام علیک کرنے میں پیش قدمی دکھانا اور اس بارہ میں جو حکم ہے اس کی تعمیل میں سلام کرتے وقت ایک کا دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرنا بہت ہی مسرت انگیز ہوتا ہے۔

"اگر کوئی تم کو سلام کرے تو اس کو نہایت خندہ پیشانی سے سلام کا جواب دو۔ اللہ ہر بات کا حساب کرنے والا ہے۔ (قرآن سورہ نمبر ۴ آیت ۸۶)"

عموماً صاحب سلامت اس طرح ہوتی ہے۔ ایک کہتا ہے سلام علیکم دوسرا جواب دیتا ہے وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ تمہارا دن اچھا گزرے۔ تمہاری دولت میں خدا برکت دے آقا و ملازم۔ مالدار و غریب۔ عالم و جاہل سب ایک دوسرے کو یکساں تعظیم کے ساتھ سلام کرتے ہیں اور کوئی اس کو اپنی کسرِ شان نہیں سمجھتا۔

اسلامی مساوات

"اسلام میں رنگ و قوم کا کوئی تعصب نہیں ہے۔ گورے کالے۔ گندمی اور سفید رنگ والے۔ بازاروں میں۔ مسجدوں میں۔ محلوں میں۔ سب کامل مساوات و محبت کے ساتھ ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ یورپ میں جو بے چینی دکھائی دیتی ہے۔ اس کے مقابل میں ان لوگوں کی زندگی بیحد مسرت بخش ہوتی ہے۔ اور ان کے چہروں سے بڑی بشاشت ٹپکتی ہے۔ یہ لوگ ہمارے تفکرات زندگی سے بالکل آزاد ہیں۔ ان کو ہماری طرح نہ جینے کی خوشی ہے نہ مرنے کا غم۔" "اسلام کے شہروں میں نہ کوئی ننگا بھوکا رہتا ہے اور نہ کوئی بلا وجہ بھیک مانگتا ہے"

(دی کلچرل سائڈ آف اسلام مرتبہ ڈیوک پکتھال)

ہے یہ کہ جہاں کوئی تکلیف نہیں ہوتی وہاں رفع تکلیف کی کوئی فکر بھی نہیں کیجاتی۔

جوں جوں سایہ بڑھتا جاتا ہے اور نماز کا وقت قریب آتا جاتا ہے مسلمان عبادت کیلئے اپنے گھروں کا یا مسجد کا رستہ لیتے ہیں۔

مدینے میں داستان گو

شام کے وقت بازار کے کسی نکڑ پر یا کسی کھلی جگہ شفق کی روشنی میں تھوڑا سا مجمع داستان گو کی باتیں سننے کیلئے اکھٹا ہو جاتا ہے داستان گوئی پرانا پیشہ ہے اور مشرق کے شہروں میں ہمیشہ پسند رہا ہے۔ اگرچہ سینما اور

تھیٹروں نے زمانہ حال کے تہذیب یافتہ شہروں قاہرہ و الجزائر وغیرہ ۔سے اس کو نکال باہر کر دیا ہے تاہم میں نے مراکش کی جامع الفنا میں مسلمانوں کو داستان گو کے قصے شوق سے سنتے دیکھا ہے اب مدینے میں بھی یہ منظر دیکھنے میں آیا۔ داستان گو عموماً یا تو "گھوڑی کی چوری" کی کہانی یا الف لیلیٰ کی کوئی داستان یا زمانہ جاہلیت کے شاعر عنتر کا کوئی قصہ بیان کرتے ہیں۔ یہ قصے عین تنت پر ختم کر دیئے جاتے ہیں اور سامعین کو دوسری رات کے لئے مشتاق چھوڑ دیا جاتا ہے۔ بہت سے لوگ الف لیلہ ہی کو عربی فسانہ نگاری کا شاہکار سمجھتے ہیں۔ لیکن عربوں میں اسی قسم کی بہت سی ضخیم و مسلسل داستانیں اور بھی موجود ہیں۔ جو اسی طرح دلچسپ نتیجہ خیز اور شاندار ان سے بھی زیادہ تخیل و تصور کی دولت سے مالا مال ہیں مگر ابھی تک اہل مغرب کی ضیافت طبع کیلئے اُن کا ترجمہ نہیں کیا گیا۔ مسٹر ولفرڈ بلنٹ متوفی نے اپنی کتاب "گھوڑی کی چوری" میں داستان ابوزید کا بڑا حصہ لے لیا ہے سیف ابن زیاذن جو دریائے نیل کو قاہرہ میں لایا تھا اگر اس کی داستان کا ترجمہ بھی جو اس وقت زیر غور ہے ہو جائے تو مجھے اُمید ہے کہ جس طرح زمانہ دراز سے یہ کتاب مشرق کی گلی کوچوں میں مقبولیت حاصل کر چکی ہے۔ اسی طرح یورپ و امریکہ والے بھی اس سے لطف اٹھائینگے۔

سلطان ابن سعود کی داستان ہوش ربا

اس زمانے میں عرب کے موجودہ سلطان کے شجاعانہ کارناموں کا مسالا بھی داستان گویوں کے ہاتھ لگ گیا ہے۔ جس وقت کوئی داستان گو عبدالعزیز ابن سعود کی عجیب و غریب سوانح عمری بیان کرتا ہے تو بڑے شوق سے سنی جاتی ہے۔ ریگستان کے ڈیروں کی دھیمی روشنی میں اور قہوہ خانوں میں مشعل کے سامنے لوگ اس شہزادے کا سنسنی پیدا کر دینے والا ہوش ربا قصہ بڑی توجہ سے سنتے ہیں کہ کس طرح یہ گیارہ برس کی عمر میں اپنے وطن سے نکالا گیا۔

کس طرح اس کے باپ نے نجد کا تخت کھو دیا۔ کس طرح اس نے اپنے وطن کے پہاڑوں کی یاد میں بیمار ہو کر خلیج فارس کے بندرگاہ کویت میں آٹھ برس گزارے۔ کس طرح یہ انیس برس کی عمر میں صرف چالیس آدمیوں کے ساتھ اپنے ملک کو واپس آیا۔ کس طرح اس نے معجزنما بہادری کے ساتھ جو لڑائی کے قصوں میں سب سے زیادہ حیرتناک ہے اپنی کھوئی ہوئی سلطنت کے پایۂ تخت ریاض پر قبضہ کیا کسطرح اس نے عنان حکومت ہاتھ میں لی۔ کس طرح یہ ترکوں۔ حائل کے طاقتور فرمانروا ابن رشید اور حجاز کے سابق سلطان شریف حسین کی فوجوں سے لڑتا رہا۔ اور کس طرح ان کو شکست دی۔ داستان گوجب زمانہ حال کے ان سچے واقعات کو بیان کرتا ہے تو وہ پریوں کے پرانے قصوں سے بڑھکر تعجب خیز معلوم ہوتے ہیں۔ اس شہزادے نے جس طرح ملک گیری میں کمال کیا ہے اسی طرح ملک داری میں بھی یہ کمال رکھتا ہے۔ جیسا کہ یہ میدان رزم کا شیر ہے۔ اسی طرح بزم سیاست کا بھی شاطر ہے۔ اس نے ریگستان کے منتشر قبائل کو اتحاد و اخوت کی ایک زبردست زنجیر سے جکڑ دیا ہے جو ملک غالباً دنیا بھر میں سب سے زیادہ بے آئین تھا۔ وہاں سے اس نے بے قاعدگی و رہزنی کو نیست و نابود کر دیا ہے اور اب یہ بحیثیت محافظ حرمین الشریفین جس نے اس کو خصوصیت کے ساتھ "اسلام کا حقیقی محافظ" بنا دیا ہے۔ خلیج فارس سے لگا کر بحر احمر تک خودمختارانہ قوت کے ساتھ عرب پر حکومت کر رہا ہے۔

امیر ابن رشید جنگ میں مارا گیا تھا۔ اس کے پسماندوں کو ریاض پہونچا دیا گیا وہاں سلطان ابن سعود کے محل میں وہ نہایت آرام و آسائش سے زندگی بسر کر رہے ہیں اور ہر قسم کی تعظیم و تکریم ان کے ساتھ برتی جاتی ہے۔ البتہ ان کی نگرانی

کافی طور پر ہوتی ہے اور وہ برائے نام قید ہیں۔

حسین جزیرہ قبرص کو بھاگ گیا تھا۔کچھ دن بعد اس نے علاقہ ماورائے اردن کے پایہ تخت عمان میں جہاں اُس کا لڑکا بحیثیت امیر حکومت کر رہا ہے انتقال کیا۔

قبرستان بقیع کی زیارت

۱۸ مارچ ۱۹۳۳ء۔ چونکہ امیر مدینہ سے میں نے موٹر میں بیٹھکر پھرنے کی اجازت حاصل نہیں کی تھی۔ اس لئے میں مصطفیٰ سید احمد السعید اور اپنے مزوّر کے ساتھ ٹہلتی ہوئی قبرستان بقیع کو گئی۔ یہ شہر کی فصیل سے ملحق اور مسجد نبوی سے کوئی تین سو چار سو قدم ہے۔ اگرچہ اس وقت عربوں کے حساب سے دو بجے تھے یعنی سورج نکلے کوئی دو گھنٹے ہوئے تھے۔ مگر جب ہم ٹھنڈی سایہ دار گلی میں ہوکر اس وسیع قبرستان میں پہونچے ہیں اُس وقت تک دھوپ بہت تیز ہوگئی تھی۔ یہاں بیشمار سادات اور کوئی دس ہزار صحابہ دفن ہیں مگر ان کی قبریں لاپتہ ہیں۔ مسجد کی طرح یہاں بھی میں اپنا سیدھا پاؤں پہلے ڈالکر قبرستان میں داخل ہوئی اور مزوّر کے ساتھ یہ سلام پڑھا۔

"اے خفتگان خاک بقیع تم پر سلام۔ اے وہ لوگو جو خدا اشے عزوجل کے حضور میں پہونچ گئے تم پر سلام۔ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا وہ تم کو حاصل ہوگئی۔ اے شہدائے بقیع تم سب پر سلام۔ انشاء اللہ عنقریب ہم بھی تم سے آکر ملنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہاری اور ہماری مغفرت فرمائے اور اس کی رحمت و برکت تم پر اور ہم پر نازل ہو"

اس کے بعد ہم نے فاتحہ پڑھی۔ مذکورہ بالا سلام خاص آنحضرت[۴] کے الفاظ

سمجھے جاتے ہیں۔ آپ اپنے مرض الموت میں ایک دن آدھی رات کو اپنے بستر سے اُٹھ کر بقیع کی زیارت کیلئے گئے تھے۔ اور اہل بقیع کیواسطے مذکورہ بالا دعائے مغفرت فرمائی تھی اور تین مرتبہ دعا کرکے اپنے گھر واپس آئے تھے۔ یہاں آپ کی عزیز بیوی حضرت عائشہ متفکر تھیں۔ آپ نے اُن سے فرمایا کہ اس وقت جبرئیل آئے تھے۔ ان کی اطلاع پر میں اہل بقیع کیلئے دعائے مغفرت کرنے گیا تھا۔

مزوّر نے جنت البقیع میں آنحضرتؐ کی نو بیویوں کی قبریں مجھے دکھائیں جو حسرتناک نیچے نیچے مٹی کے ڈھیر تھے۔ یہ قبریں کسی وقت ایک قبے دار سفید عمارت میں محصور تھیں جن کو چند سال ہوئے وہابی سپاہیوں نے سنگ دلی کے ساتھ منہدم کردیا۔ حضرت فاطمہؓ اور ان کے فرزند امام حسنؑ کی قبریں بھی پاس پاس ہیں۔ ان کے علاوہ زمانہ گزشتہ میں یہاں اور بھی بہت سے مشاہیر کی قبریں تھیں لیکن تمام مزارات منہدم کردیئے گئے اور اب صرف چند پتھر اُن کی آخری خوابگاہ کا پتہ

لہ۔ مدینے کے مزوّر قبرستان بقیع میں مختلف سلام پڑھاتے ہیں۔ آنحضرت جب بقیع تشریف لے جاتے تو ان الفاظ میں دعائے مغفرت فرماتے تھے:۔

السلام علیکم یا دار قوم مومنون و اناکم ما توعدون

و انا انشاء اللہ بکم لاحقون اللھم اغفر لاھل البقیع الغرقد

یعنی اے گروہ مومنین کے مکان تجھ پر سلام۔ تم سے جو وعدہ کیا گیا تھا وہ تم کو مل گیا۔ انشاء اللہ اب ہم بھی تم سے آکر ملنے والے ہیں۔ اے میرے اللہ تو اہل بقیع کو بخش دے (مترجم)

دے رہے ہیں۔[۵۰]

آنحضرتؐ نے متعدد عقد کیوں کئے

چونکہ آنحضرتؐ پر بعض لوگ آپ کی متعدد ازدواج کی وجہ سے اعتراض کرتے ہیں۔ اس لئے یہ واقعہ تحریر کردینا مناسب ہے کہ آپ کی پہلی بیوی خدیجہؓ جو پچیس سال تک آپ کے ساتھ رہیں وہ عمر میں آپ سے بہت بڑی تھیں بحیثیت ایک متاہل شخص کے آپ کی یہ زندگی کسی طرح قابل اعتراض نہیں ہے۔ خدیجہ کی وفات کے بعد جب کہ آپ کی عمر پچاس سال سے زیادہ تھی آپ نے عائشہ بنت ابوبکرؓ سے شادی کی اور آپ کی آخری عمر میں صرف یہی ایک بیوی اصلی بیوی سمجھی جا سکتی ہیں۔ دوسری بیویاں بجز ایک کے سب بیوہ تھیں جن میں سے بعض کے شوہر اسلام کی خاطر شہید ہو چکے تھے اور وہ بے سہارا رہ گئی تھیں۔ پیغمبر صاحب کے ناکافی ذرائع آمدنی کے لحاظ سے ان بیواؤں کی کفالت کا ذریعہ صرف یہی تھا کہ آپ ان کے ساتھ عقد کرکے اپنی چھت کے زیر سایہ اُن کو بٹھا دیں۔ ان بیویوں میں کوئی بھی جوان نہ تھی۔ دو عورتیں تو ساٹھ ساٹھ برس سے زائد عمر کی تھیں۔

۵۱۔ وہابیوں کی حکومت سے قبل قبرستان بقیع میں صرف بارہ تیرہ چھوٹے چھوٹے گنبد تھے جن میں تین تین بزرگوں کی مشتبہ قبریں تھیں اور اُنہیں پر سلام و فاتحہ پڑھی جاتی تھی۔ اب تقریباً اتنی ہی قبریں وہاں شرعی صورت میں موجود ہیں یعنی زمین سے تقریباً ایک ایک بالشت اونچی کچی قبریں ہیں جن کے اطراف بغیر گڑھے پتھروں کے ٹکڑے جما دیئے ہیں اور ایک ایک ناتراشیدہ پتھر سرہانے نصب ہے۔ اب گنبد نہیں رہے۔ اور قبروں پر لوح و تعویذ بھی نہیں ہیں۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو تاریخ مزارات حرمین مولفہ ضیاء گاہی مولوی علی شبیر صاحب ضیاء مرحوم و مغفور۔

آنحضرتؐ کی بیویوں میں ایک حفصہ بنت عمرؓ تھیں۔ حضرت عمرؓ آنحضرتؐ کے رفیق خاص تھے۔ آگے چل کر وہ اسلام کے خلیفہ ثانی بھی ہو گئے۔ حفصہ کا شوہر جنگ میں مارا گیا تھا اور چونکہ وہ بہت بدمزاج تھیں اس لئے لوگ ان سے شادی کرنے سے گھبراتے تھے۔ اور یہ اندازہ تھا کہ ان کو ساری عمر بیوگی کی زندگی بسر کرنی پڑے گی۔ وہ ابھی جوان تھیں اور عربوں کے دستور کے مطابق جوان عورت کا گھر میں بیٹھنا حضرت عمرؓ کے خاندان کی بدنمائی کا باعث تھا جس کے رفع کرنے کے لئے حضرت عمرؓ نے اولاً حضرت ابوبکرؓ سے حفصہ کے ساتھ نکاح کرنے کیلئے کہا۔ جب انہوں نے قبول نہ کیا تو حضرت عثمانؓ سے ذکر کیا وہ بھی حفصہ کی بدمزاجی کی وجہ سے کانوں پر ہاتھ دھر گئے۔ حضرت عمرؓ اس توہین کو گوارا نہ کر کے غصے کی حالت میں پیغمبر صاحب کے پاس گئے۔ چونکہ ابوبکرؓ و عثمانؓ کو اس مسئلہ پر دوبارہ توجہ دلانا بے سود تھا۔ اس لئے پیغمبر صاحب نے حضرت عمرؓ کو ٹھنڈا کر دینے اور دوستوں کے درمیان محبت قائم رکھنے کے خیال سے اس بی بی کے ساتھ خود نکاح کر لینے پر رضامندی ظاہر فرمادی جس سے مہاجرین مکہ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ایک بڑا فساد مٹ گیا اور حضرت عمرؓ کو اس بات کی بڑی خوشی ہوئی کہ ان کی لڑکی ان کے واجب التعظیم آقا کی بیوی بن گئی۔ آنحضرتؐ اِن عورتوں کو زیر کفالت لے کر بلحاظ حالات وقت و ذرائع آمدنی برتاؤ فرماتے تھے۔

کثیر الازدواجی اسلام کی ایجاد نہیں ہے

"بعض اوقات یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کثیر الازدواجی کا طریقہ اسلام ہی نے جاری کیا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اسلام سے زیادہ مسیحیت میں اس کا رواج تھا اور حضرت عیسیٰ کے بعد عیسائیوں میں صدیوں تک کثیر الازدواجی کا طریقہ

رائج رہا ہے۔ فی الحقیقت مغربی ملکوں میں سختی کے ساتھ ایک ہی شادی کرنے کا طریقہ کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ البتہ اس ایک شادی کی خوفناک رسم کی خاطر بے شمار عورتیں اور ان کے بچے قربان کئے جاتے رہے ہیں اور بیوی بچوں کے ساتھ بے رحمی کا برتاؤ ہوتا رہا ہے۔ اسلام اس قسم کی تمام ظالمانہ رسموں کی جو خدا کی مخلوق کی قدر ادگھٹا دینے والی ہیں بیخ کنی کرتا ہے۔"

یورپین عورتوں کی اصلاح اسلام لانے سے ہوسکتی ہے

"یورپ میں عورتوں کی پرستش کے ساتھ ساتھ ہم ان کا تنزل و انحطاط بھی دیکھ رہے ہیں۔ اگر اسلامی طریقے کی کامل طور پر پابندی کی جائے تو کنواری عورتوں کے اغوا کے خطرات۔ طوائفوں کا پیشہ اختیار کرنے کے شرمناک واقعات۔ اور وہ مصائب جن سے مغرب کی بے شمار عورتوں بچوں کو دوچار ہونا پڑتا ہے اور جو ایک سے زائد شادی نہ کرنے کے نتیجے ہیں۔ سب نیست و نابود ہوسکتے ہیں۔ اصول یہ ہے کہ ہر مرد اپنے چال چلن اور اس کے نتائج کے بارے میں کامل طور پر ذمہ دار گردانا گیا ہے۔ اگر اس اصول کو پیش نظر رکھا جائے تو ان سب کہانیوں کا جو مغربی مصنفوں نے (مسلمانوں کے) واقعات ازدواج کے متعلق بنائی ہیں طلسم ٹوٹ جائے اور ہم کو پھر ان من گھڑت قصوں پر آنسو بہانے کی کبھی ضرورت نہ ہو"

(دی کلچرل سائڈ آف اسلام مرتبہ ایم پکتھال)

حضرت عثمان کی قبر

حضرت عثمان نے جو بعد میں خلیفۂ سوم بھی ہو گئے تھے ایک مرتبہ پیغمبر صاحب سے دریافت کیا کہ جب میری وفات ہو تو میں کس جگہ دفن ہوں۔ آنحضرت نے فرمایا ایک تیر چلاؤ جس جگہ وہ گرے وہاں اپنی قبر کا نشان کر لو۔ تیر بہت دور جا کر گرا۔ اس لئے حضرت عثمان کی قبر (بقیع میں) شہر کی فصیل سے کوئی دو سو گز کے فاصلے پر ہے۔ کہتے ہیں کہ ان کی قبر اور پیغمبر صاحب کے مرقد کے درمیان زمین متبرک ہے۔

قبرستان بقیع میں زمین کی کمی

بقیع بہت بڑا قبرستان ہے۔ بہت سے مسلمان دور دراز ملکوں سے چل کر مدینے میں مرنے اور مسجد نبوی کے زیر سایہ اس قبرستان میں گڑنے کیلئے آتے ہیں۔ یہاں کی زمین مُردوں سے پٹی پڑی ہے۔ اور اب یہاں صرف اسلامی طریق ہی سے دفن کرنے کی گنجائش ہے۔ یعنی لاش کو خاصے کے کفن میں لپیٹ کر بغیر کسی تابوت کے گِل در گِل کر دی جائے۔ عربوں کا مقولہ ہے کہ زمین آدمی کی ماں[1] ہے اور درخت جس کی لکڑی سے تابوت بنایا جاتا ہے انسان کا بھائی ہے پس بھائی کے پاس سونے سے

---

[1]۔ ہندو بھی زمین کو دھرتی ماتا کہتے ہیں۔ ایرانی بھی زمین کو ماں کہتے ہیں۔ فارسی کا مشہور شاعر رودکی خواجہ مرادی کے مرثیہ میں لکھتا ہے:۔

مُرد مُرادی نہ ہمانا کہ مُرد — مُردن این خواجہ نہ کاریست خُرد
جانِ گرامی بہ پدر باز داد — کالبدِ تیرہ بہ مادر سپرد

(محسن)

آغوش مادر میں آرام کرنا اچھا ہے۔

شریف کے ہاتھوں مدینے کی بربادی

پیغمبر صاحب کے زمانے میں مدینہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جس میں میووں کے درخت اور بہت سے باغ تھے اور خوب زراعت ہوتی تھی۔ ہزارہا اونٹ یہاں کا غلہ اور کھجوریں شام اور عرب کے غیر زرخیز شہروں کو لیجایا کرتے تھے۔ اب یہاں بہت سارا علاقہ بلا زراعت پڑا ہوا ہے۔ ترکوں نے ریل بنانے کیلئے کاشتکاروں سے بہت سی اراضی حاصل کرلی تھی۔ اس کے بعد جنگ عظیم شروع ہوئی جس نے کنوؤں کو تباہ کردیا۔ اس کے مسلسل حکمراں اس کی گزشتہ خوش حالی کو واپس لانے میں ناکام رہے ہیں۔ اب اس مضبوط و طاقتور حکومت کے زیر سایہ شائد مدینہ پھر اپنا قدیم لقب "باغ عرب" حاصل کرے۔ چونکہ ریلوے تباہ ہوچکی ہے اس لئے فی الحال تو اس کے لئے کوئی تجارتی منڈی ایسی ہے نہیں جہاں وہ اپنی پیداوار پہونچا سکے۔ جنگ سے پہلے اس کی آبادی ستر ہزار تھی اب کوئی پندرہ ہزار یا اس سے بھی کم ہے۔

> "اس صدی کے اوائل میں جب سلطان عبد الحمید خاں نے اپنی دار السلطنت کا سلسلہ مکہ و مدینہ سے ملا دینے کی تجویز کی تو اس نے ایک ریل بنائی جو دمشق سے مدینے جاتی تھی۔ سنہ ۱۹۱۴ء میں جب جنگ عمومی چھڑی تو اس وقت تک مدینہ اس لائن کی آخری حد تھی۔ جنگ کے دوران میں شریف کی فوج نے بعض برطانوی افسروں کی مدد سے اپنا وقت اس کام میں صرف کیا کہ جہاں تک ہوسکے۔ اس لائن کو نکما کردیا جائے۔ جب صلح ہوگئی تو برطانیہ و فرانس نے یہ پالیسی اختیار کرلی کہ حجاز ریلوے کو جو مدینے

سے معان تک پانچ سو میل میں پھیلی ہوئی تھی۔ تباہ شدہ حالت ہی میں
پڑا رہنے دیا جائے۔ اس ریلوے کا جنوبی حصہ عملاً بالکل برباد ہو چکا ہے۔
اور مدینہ یعنی نبی کا شہر جو عرب کے عظیم ترین و زرخیز ترین مرکزوں میں سے
ایک مرکز تھا۔ جس نے حجاز ریلوے کے چند روزہ دور دورہ میں دن دونی
رات چوگنی ترقی کر کے ستر ہزار نفوس فراہم کر لئے تھے۔ جو شام و فلسطین
سے تجارت کرنے لگا تھا اور جہاں شمال کی طرف سے بکثرت حاجی
آنے لگے تھے۔ وہ چند ہی سال میں ویران ہو گیا۔ جب سے برطانیہ نے
ترکوں کو مدینے سے نکال کر یہاں کے پندرہ ہزار عربوں کو آزادی دلانے
میں مدد فرمائی ہے۔ اس وقت سے ان لوگوں کو یہ خواب دکھائی
دے رہے ہیں کہ اگر ریلوے تیار ہو گئی تو پھر مدینے کے بھلے دن آجائیں گے
یہاں والے اسی تصور میں گیت گا گا کر اپنے میوے سستے داموں بیچا
کرتے ہیں مگر کسی منڈی تک نہیں پہونچا سکتے۔"[1]

مدینے کی فصیل چھ سو برس گزرے اُس وقت یہاں کی زیارت گاہوں کو محفوظ کرنے اور شہر کی حفاظت کیلئے ایک فصیل بنائی گئی تھی جو اب بھی موجود ہے۔ اس کے کئی دروازے ہیں۔ ہر دروازے پر گول منارے بنے ہوئے ہیں اور بھاری پہرہ مقرر ہے۔ کوئی شخص بغیر پوچھ گچھ کے آ جا نہیں سکتا۔ فصیل تعمیر ہونے سے قبل مدینہ بالکل کھلا ہوا اور حملہ آوروں کے رحم و کرم پر چھوٹا ہوا تھا۔

---

[1] ۔ جے۔ سینٹ۔ اے فلبی صاحب کا لکچر مکہ و مدینہ پر

اسلام کی پہلی جنگ ہجرت کے بعد جب محمد (صلعم) اور ان کے ساتھیوں نے یہاں پناہ لی تو چونکہ وہ مکے سے جلا وطن ہو کر چلے آئے تھے اس لئے مکہ و مدینہ کے درمیان جنگ کی سی حالت پیدا ہو گئی تھی۔ برسوں تک مسلمان تکلیفیں اٹھاتے رہے اور صبر کے ساتھ ہر طرح کی مصیبت جھیلتے رہے لیکن جب ان کو یہ معلوم ہو گیا کہ مکے سے ایک ہزار بت پرستوں کی مضبوط فوج سات سو اونٹوں کے ساتھ مدینہ فتح کرنے اور محمدؐ کو گرفتار کرنے کیلئے آرہی ہے تو انہوں نے بھی اپنی مدافعت کے لئے لڑنے کا ارادہ کر لیا۔ اگرچہ ان کو معلوم تھا کہ غنیم کی تعداد بڑی ہے مگر یہ گھبرائے نہیں دشمن سے مقابلہ کیلئے مدینہ سے کوچ کیا اور وادی بدر میں پہونچ کر ایک اچھے مقام پر مورچے بنا لئے اور سامنے ایک گہری خندق کھود لی۔ رات کو مسلمان اطمینان سے سو گئے اور خوش قسمتی سے اسی رات کو بارش بھی خوب ہو گئی جس سے خندق میں پانی بھر گیا۔ مشرکین نے اپنی فوج کو قلب۔ مقدمہ۔ میمنہ و میسرہ وغیرہ پانچ حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ہر قبیلہ اپنا اپنا جھنڈا لئے ہوئے تھا۔ مسلمانوں کے بھی تین علم تھے۔ مہاجرین کے پاس پیغمبر صاحبؐ کا بڑا علم تھا جسے عقاب کہا کرتے تھے۔ اس کا پھریرا سیاہ تھا۔ مدینے کے انصاریوں کے دو قبیلے تھے۔ اوس و خزرج۔ ان کے جھنڈے علیحدہ علیحدہ تھے۔ اسلام نے ان وحشی عربوں میں بے انتہا تنظیم اور موت سے بے پروائی پیدا کر دی تھی جس کی وجہ سے بڑے سے بڑے دشمن کو یہ خاطر میں نہیں لاتے تھے۔

اس زمانے کے دستور کے مطابق جنگ بدر کا آغاز بھی ایک ایک آدمی کے مقابلے سے ہوا۔ مکے والوں نے محمد (صلعم) سے کہا کہ تین شریف الخاندان پہلوانوں کو میدان میں بھیجو۔ پیغمبر صاحب نے اپنے ہی خاندان کے تین آدمیوں کو انتخاب کیا۔ ایک تھے اپنے

داماد علی کو۔ دوسرے اپنے چچا حمزہ کو۔ تیسرے عبیدہ بن حارث کو[1]۔ جب یہ لوگ میدان جنگ میں گئے تو سردار ان قریش ان کے مقابلے کیلئے نکلے۔ مسلمان زرہ بکتر پہنے ہوئے اور ان کے چہرے خودوں میں چھپے ہوئے تھے اس وجہ سے مکے والوں نے ان کو للکارا۔ کیا تم حسب ونسب میں ہماری برابر کے ہو؟ حمزہ نے جواب دیا میں خدا و رسول کا شیر ہوں۔ عتبہ نے کہا البتہ تم شریف اور میرے مقابلے کے لائق ہو۔ میں بھی حلیف کا شیر ہوں۔ اچھا یہ دونوں کون ہیں؟ حمزہ کے جواب سے سرداران مکہ مطمئن ہو گئے اور اپنی طرف کے چھ بہادروں کو مقابلے کیلئے آواز دی۔ حملہ بڑے زور سے ہوا اور مکے کے تین بہادر کھیت رہے۔ ان کی جگہ دوسرے آئے۔ وہ بھی مارے گئے۔ لیکن عبیدہ بُری طرح زخمی ہوئے۔ ان کی ٹانگ کٹ گئی تھی۔ حمزہ و علی ان کو اٹھا کر لے گئے۔ تھوڑی دیر بعد انھوں نے وفات پائی۔ اب محمدؐ نے اپنی فوج کو آگے بڑھنے کا حکم دیا اور فرمایا۔ جب تک دشمن قریب نہ پہونچ جائے اُس وقت تک تلواریں میان سے نہ نکالنا۔ اب گھمسان شروع ہوا۔ دوپہر کا سورج کشتوں پر چمکنے لگا اور شام کے وقت دست بدست لڑائی ہونے لگی۔ بہت سے مسلمان اپنے باپ بھائیوں کے مقابلے میں تلوار کھینچ کر آئے۔ جب ابوبکرؓ نے پیغمبر صاحب کے ساتھ ہجرت کی تھی تو اپنا بہت سامال واسباب اپنے لڑکے عبدالرحمٰن کے پاس چھوڑ آئے تھے جس نے اُس وقت اسلام لانے سے انکار کر دیا تھا۔ جب اس کے باپ

---

[1] عبیدہ کے باپ حارث بن سفیان آنحضرت کے چچا زاد بھائی تھے۔ اس رشتے سے عبیدہ آنحضرت کے بھتیجے ہوئے۔ (محن)

نے دشمن کی فوج میں اپنے لڑکے کو دیکھا تو پوچھا وہ مال واسباب کیا ہوا۔ بیٹے نے باپ کو یہ گستاخانہ جواب دیا۔

"صرف تھوڑے سے تیر اور ایک یہ تلوار باقی رہ گئی ہے جس سے ذلیل بڈھے کا خاتمہ کیا جائے گا۔"

علی خوب لڑے اور یکے بعد دیگرے بہت کافروں کو مارا۔ ڈھالوں پر تیروں کے پڑنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ لڑنے والوں کا شور وغوغا بلند ہو رہا تھا اور مسلمانوں کا نعرۂ جنگ احد! احد! (ایک خدا۔ ایک خدا) سنائی دے رہا تھا کے والوں کو پانی کی بھی تکلیف تھی۔ جب وہ حملہ کرتے تھے مسلمان تیر انداز اُن کو پیچھے ڈھکیل دیتے تھے۔ ان کو شکست کا یقین ہو گیا تھا۔ انہوں نے ہمتیں ہار دی تھیں۔ آخر بھاگڑ مچی اور وہ ڈھالیں اور زرہ بکتر ٹپک ٹپک کر بھاگے اور مسلمانوں کو ایسے دشمن پر جو تعداد میں ان سے بہت زیادہ تھا اس طرح فتح ہوئی۔

مکے کے مقتولوں میں پیغمبر صاحب کا چچا ابوجہل بھی تھا جو غالباً باشندگان مکہ میں سب زیادہ اہمیت رکھتا تھا۔ مسلمانوں نے بہت سے قیدی بھی گرفتار کئے اور وہاں کے دستور اور عربوں کی رو ایتوں کے خلاف اُن کے ساتھ بیحد نرمی کا برتاؤ کیا ان میں سے صرف دو کو سزائے موت دی گئی۔ مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ پیغمبر صاحب نے مسکینوں کیلئے علیحدہ کرکے باقی سب مال برابر برابر تقسیم کر دیا۔ مُردے جلد دفن کر دیئے گئے۔ مسلمانوں کی قبریں پہاڑی کے دامن میں بنا دیں اور مشرکین کے تمام مقتولوں کو بہ آواز بلند اُن کے نام پکار پکار کے ایک بڑے گڑھے میں دبا دیا۔ محمدؐ نے اس وقت بڑے افسوس کے ساتھ یہ الفاظ فرمائیے :-

"اے میرے رشتہ دارو!! جب دوسرے لوگ میری باتوں کا یقین
کرتے تھے اُس وقت تم نے مجھے جھٹلایا۔ جب دوسروں نے مجھے پناہ
دی اُس وقت تم نے مجھے میرے گھر سے نکالا۔ افسوس۔ تمہاری بھی
کیا تقدیر تھی۔ خدا کا وعدہ پورا ہو گیا"

آنحضرت صلعم کے آزاد کردہ غلام و متبنیٰ زید نے فتح کی خبر مدینے میں پہونچائی اور عورتیں بچے بڈھے دف بجاتے گیت گاتے فتح مند مسلمانوں سے ملنے کیلئے شہر سے باہر آئے جنگ بدر مسلمانوں کے اُس سلسلہ فتوحات کی پہلی کڑی ہے جس نے دنیا کا رُخ بدل دیا۔

اسلامی لڑائیاں مدافعانہ لڑائیاں تھیں

یہ حقیقت بھی قابل اظہار ہے کہ پیغمبر صاحب کی زندگی میں اور اُن کے جانشینوں کے زمانے میں جتنی لڑائیاں ہوئیں وہ سب حفاظت خود اختیاری کیلئے ہوئیں۔ اور ان میں بھی دشمن کے ساتھ اس قدر رحم دلی و رعایت سے کام لیا گیا جس کی مثال اس سے قبل نہیں ملتی۔ اس وقت جب کہ دنیا جنگ کے تباہ کن مسئلہ پر اور اہل دنیا کے غیر مسلح کر دینے کے اصول پر بحث کر رہی ہے یہاں اسلام کے طریقہ جنگ کی نسبت کچھ تحریر کر دینا بے محل نہ ہوگا۔

اسلام تمام جارحانہ جنگوں (یعنی لڑائی میں پیش قدمی کرنے کو) ناجائز ٹھیراتا ہے۔ وہ صرف مدافعانہ لڑائی کی اجازت دیتا ہے اور صرف جان۔ مال۔ اور مذہبی آزادی کی حفاظت کے لئے تلوار اٹھانا حلال قرار دیتا ہے۔ حضرت عیسیٰ جو "صلح کے بادشاہ ہیں" اور جن کا یہ ارشاد ہے کہ "جب کوئی تمہارے ایک گال پر

طمانچہ مارے تو دوسرا گال بھی اس کے سامنے کردو" اُن کو بھی یہ تسلیم کرنا پڑا کہ حفاظت خود اختیاری کیلئے تلوار چلانا واجب ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"یہ مت سمجھو کہ میں زمین پر صلح کروانے آیا ہوں۔ صلح کروانے نہیں بلکہ تلوار چلانے کو آیا ہوں" (انجیل متی باب ۱۰ آیت ۳۴)

"اب جس کے پاس بٹوا ہو لیوے اور اسی طرح جھولی بھی اور جس پاس نہیں اپنے کپڑے بیچ کے تلوار خرید لے۔" (انجیل لوقا باب ۲۲ آیت ۳۶)

اس بارہ میں قرآن کیا فرماتا ہے وہ بھی سن لیجئے:۔

"جو لوگ تم سے لڑتے ہیں اُن سے تم بھی خدا کی راہ میں لڑو۔ لیکن لڑائی میں پیش قدمی مت کرنا۔ بے شک اللہ پیش قدمی (جارحانہ جنگ) کو پسند نہیں کرتا۔ یہ لوگ جو لڑ رہے ہیں اِن کو لڑنے کی اجازت ہے کیونکہ ان کو ستایا گیا ہے۔ فی الحقیقت اللہ ان کو فتح دینے پر قادر ہے یہ وہ لوگ ہیں جن کو ناحق ان کے گھروں سے نکالا گیا ہے۔ ان کا صرف یہی قصور تھا کہ یہ کہتے تھے کہ ہمارا خدا اللہ ہے .... اگر تم دشمن کی مدافعت نہ کرتے تو خانقاہیں۔ کلیسے، ہیکلیں اور مسجدیں جہاں جہاں خدا کا نام لیا جاتا ہے سب ڈھا دی جاتیں۔"[1]

(قرآن سورۃ ۲۲ آیت ۳۹، ۴۰)

---

[1] یہ آئتیں سورۃ حج کی ہیں۔ لیڈی کبولڈ صاحبہ نے ان آئتوں کا مطلب خیز انگریزی ترجمہ اپنے سفرنامہ میں تحریر کیا ہے جس کا اُردو ترجمہ میں نے کر دیا ہے۔ (محسن)

مذکورہ بالا آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ کب اور کس صورت میں اسلام نے لڑائی کی اجازت دی ہے اور وہ صرف ایک ہی صورت ہے جس کا نام جہاد ہے۔ جہاد کے معنی کوشش کے ہیں۔ پیغمبر صاحب نے فرمایا ہے کہ "اپنے نفس کے ساتھ لڑنا جہاد اکبر ہے"۔ طلبہ کی حصول علم کی کوشش کا نام بھی جہاد ہے۔ نیک کاموں میں سعی کرنا بھی جہاد کہلاتا ہے۔ اور یہ ہر مسلمان کا مقدس فرض ہے۔

شہدائے اُحد

آج سہ پہر کو مجھے موٹریں پھرنے کی اجازت مل گئی اور میں اس میں بیٹھ کر جبل اُحد کی زیارت کیلئے گئی۔ یہ مدینے سے چند میل ہے۔ اس پہاڑ کی نسبت یہ ایک ضعیف روایت مشہور ہے کہ قیامت کیلئے یہی مقام انتخاب کیا گیا ہے اور جن و انس یہیں اکھٹے کئے جائیں گے۔ عرب جنات کے وجود کا اعتقاد رکھتے ہیں جو انسان و حیوان کے درمیان ایک بیچ کی مخلوق ہے جو کھاتی پیتی جیتی اور مرتی ہے اور بہت سی باتوں میں انسان سے مشابہ ہے۔ جنات بھی اچھے بُرے سب قسم کے ہوتے ہیں بعض اوقات وہ جانوروں کے بھیس میں نکلتے ہیں اور خصوصاً سانپ کی شکل میں اکثر نمودار ہوتے ہیں۔ جنوں سے محفوظ رہنے کیلئے عرب رات کو اندھیرے رستوں اور قبرستان میں سے گزرتے وقت قرآن کی آیتیں ضرور پڑھنے لگتے ہیں۔

جبل اُحد تک پہونچنے کیلئے ہم اُوجڑ کھیتوں اور برباد شدہ کنوؤں پر سے گزرے ہم کو کہیں کہیں کھجوروں کے جھنڈ اور ویران دیہاتوں کے آثار ملے جہاں سابق کی آبادی کی کچھ باقیات رہ گئی ہیں۔ موٹر نے تنگ اور پیچیدہ گلیوں میں سے بمشکل رستہ نکالا۔ ایک جگہ تو ایک اونٹ ہی سے ہماری مٹ بھیڑ ہو گئی وہ اِین مہیب

جانور کے سامنے سے پیٹھ پھیر کر بے تحاشا بھاگا بچے موٹر دیکھنے کیلئے ٹوٹے پھوٹے دروازوں میں سے نکل آئے اور مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ان افلاس کے ماروں کی آنکھیں نہیں دکھ رہی تھیں۔ یہاں اندھے بھی کم ہوتے ہیں اور عرب والے آنکھوں کی بیماریوں میں اس طرح مبتلا نہیں ہوتے جیسے کہ مصری دیہاتوں کو پیچھے چھوڑتے ہوئے ہم دامن کوہ میں پہونچے اور شہدائے اُحد کی قبروں پر سلام پڑھنے کے لئے موٹر سے اُترے۔ یہاں کی درگاہ کی عمارت منہدم ہو گئی ہے اور ان شہیدوں کے سپہ سالار کی قبر بھی توڑ دی گئی ہے۔ پیغمبر صاحب کے زمانے میں آپ کے اصحاب اور کفار کے درمیان ان پہاڑیوں کے دامن میں لڑائی ہوئی تھی۔ مسلمانوں کی تعداد صرف سات سو تھی اور حملہ آور دشمن کی فوج تین ہزار۔ اہل مکہ کو اپنی کثرت پر غرّہ تھا اور وہ بدر کی شکست کا انتقام لینے کیلئے آئے تھے۔ وہ اپنے بتوں کو فوج کے بیچ میں رکھ کر میدان کی طرف بڑھے۔ اب کی مرتبہ ان کی عورتیں بھی ان کے ساتھ آئی تھیں اور ان کو جوش دلانے کیلئے اس قسم کے گا کے گا رہی تھیں۔

"ہم ستارۂ صبح کی بیٹیاں ہیں۔"
"ہم ریشمی گدوں پر اٹھلاتی ہوئی چلتی ہیں۔"
"اگر تم میدان جنگ سے بھاگو گے تو ہم تم کو حقارت کے ساتھ دھتکار دینگے۔"
"اگر تم نے بہادری سے دشمن کا مقابلہ کیا تو ہم تمہاری صورت دیکھیں گے۔"

پہلے ہی حملے میں مسلمانوں نے مشرکوں کو پسپا کر دیا۔ لیکن دوسرے حملے میں اُن کی کثرت کی وجہ سے مسلمانوں کو اُن کا ڈھکیلنا مشکل ہو گیا۔ آنحضرت (صلعم) نے تیراندازوں کا ایک دستہ عقب اور بازوؤں کے حملے کو روکنے کیلئے ایک پہاڑی پر متعین

کر دیا تھا اور اُن کو سخت تاکید تھی کہ یہاں ڈٹے رہیں اور کسی حالت میں بھی اپنی جگہ سے نہ ہلیں۔ مشرکوں نے مسلمانوں کی مختصر فوج کو کچل ڈالنے کی پھر کوشش کی۔ مگر پھر ناکامی ہوئی اور جب کہ وہ پسپا ہو رہے تھے مسلمانوں کے جنرل حمزہ موقع پا کر اُن پر ٹوٹ پڑے اور اُن کے دستے کو تباہ کر دیا۔ اس وقت فتح مسلمانوں کیلئے یقینی تھی مگر تیر اندازوں نے آنحضرت صلعم کے ارشاد کو بھلا کر مال غنیمت کے لالچ میں اپنا مورچہ چھوڑ دیا اور دشمن کا سامان لوٹنے میں مصروف ہو گئے۔ قریش کے ایک سردار خالد بن ولید کو یہ موقع اچھا ل گیا اور وہ اپنے دو سو سواروں کو لے کر مسلمانوں پر پیچھے سے ٹوٹ پڑا۔ مکے والوں کی پیدل فوج اور اونٹوں کا رسالہ جو میدان چھوڑ کر بھاگا تھا اب وہ بھی لوٹا اور پیغمبر صاحب کی فوج پر آگے پیچھے دو طرف سے دباؤ پڑنے لگا اس کا پوزیشن نازک ہو گیا اور اس کو از سر نو لڑائی کرنی پڑی۔ حمزہ شہید ہوئے اور بہت سے مسلمان مارے گئے۔ آنحضرت ایک بلند چٹان کے غار میں سے جنگ کا معائنہ کر رہے تھے جب اُن کی فوج نرغے میں آگئی تو وہ خود بھی میدان کار زار میں اُتر پڑے اور بذات خود لڑنے لگے یہاں تک کہ آپ کا چہرہ بُری طرح زخمی ہو گیا خوش قسمتی سے مکے والے اس قدر تھک گئے تھے کہ وہ اس موقعے سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔ انہوں نے مسلمان مقتولوں کی ہیئت بگاڑ دی اور ان کی عورتوں نے لاشوں کے ناک کان کاٹ کر گلے میں پہننے کو ہار بنائے اور مکے کی جانب مراجعت کی۔ قریش کی ان وحشیانہ حرکتوں نے مسلمانوں میں سخت نفرت پیدا کر دی اور پیغمبر صاحب کو بھی اس قدر رنج ہوا کہ آپ نے فرمایا کہ کافروں کی لاش کے ساتھ بھی آئندہ یہی حرکت کی جائے۔ لیکن جب بدلہ لینے کا وقت آیا تو آپ کی فطرتی رحدلی

رحمدلی آپ کے غصے پر غالب آگئی۔ لاشوں کی ناک کان کاٹنے کی ہولناک رسم جو صرف عربوں ہی میں نہیں بلکہ تمام قدیم قوموں میں رائج تھی آج کی تاریخ سے مسلمانوں کو اس کی سخت ممانعت کر دی گئی۔

مدینے آکر آنحضرت صلعم نے صحابہ کی ایک چھوٹی سے جماعت قریش کا تعاقب کرنے کیلئے اونٹوں پر روانہ کی تاکہ دشمن کو معلوم ہوجائے کہ مسلمان لڑائی ہار رہے ہیں مگر ہمت نہیں ہارے۔ قریش کے سپہ سالار نے جب یہ دیکھا کہ اس کا تعاقب کیا جا رہا ہے تو وہ ڈرا کہ شائد مسلمانوں کو کمک آن پہونچی۔ وہ سیدھا مکے کو بھاگ گیا اور رستے میں جو مدنی ملا اسے قتل کر دیا۔

حمزہ جہاں شہید ہوئے تھے وہیں دفن کر دیے گئے اور ستر مسلمان جو لڑائی میں مارے گئے تھے وہ حمزہ کی قبر کے پاس دفنا دیے گئے۔

میں نے وہ مقام بھی دیکھا جہاں دونوں فوجوں نے مورچے بنائے تھے اور تیروں نیسزوں پتھروں سے لڑائی ہوئی تھی۔ ہم اس پہاڑ پر بھی چڑھے جس کے غار میں سے محمدؐ و ابوبکرؓ و عمرؓ نے لڑائی کا معائنہ کیا تھا۔ اس غار تک چڑھائی بہت مشکل تھی اور یہ عربی لباس مجھے اور بھی ستا رہا تھا۔ آخر میں نے برقع نکال دیا اور عبا بھی اتار دی صرف باریک کرتا رہنے دیا۔ اس وقت مجھے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ میں انگلستان کے کسی شہر میں ٹوپی اتارے پھر رہی ہوں البتہ دھوپ کے بچاؤ کیلئے چھتری لگائی تھی۔ میرا خیال ہے کہ جب میں اس ڈھلوان چٹان پر اس ہیئت سے چڑھ رہی تھی اس وقت رستے والوں نے مجھے دیکھ کر تعجب کیا ہوگا۔ میرا مزور بھی میری طرف حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ عرب میں عورت کا اس طرح چلنا پھرنا بہت ہی نامناسب ہے۔

چونکہ میں اس کی نگرانی میں تھی اور وہ میری حرکات وسکنات کا ذمہ دار تھا اس لئے اُس نے مجھ سے اس بارہ میں اصرار بھی کیا لیکن میں نے اس سے چپکے سے کہہ دیا کہ تم نے بھی تو (سرکاری) احکام کی خلاف ورزی کی ہے اور حمزہؓ و شہدائے اُحد کے گنج شہیداں پر خاص قسم کی دعائیں پڑھائی ہیں[1]۔ جس زمانے میں وہابی مدینے کا محاصرہ کر رہے تھے انہوں نے بقیع کی طرح یہاں کی قبروں کو بھی منہدم کر دیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ جب اس قسم کے آثار جاہلوں کیلئے پرستش کا سامان بن جائیں تو اسلام کیلئے خطرہ ہو جاتے ہیں اب حمزہؓ کی قبر مٹی کا ایک ڈھیر ہے اور صرف چند پتھر گنج شہیداں کی نشان دہی کر رہے ہیں۔

چٹان کے غار کے پاس نیچے کی طرف مدینے کا منظر بہت اچھا ہے اور یہاں سے یہ محصور میناروں والا خوبصورت شہر جس کے اطراف باغات نخلستان اور پہاڑ پھیلے ہوئے ہیں نیلے آسمان کے نیچے بہت بھلا معلوم ہوتا ہے۔ مقامی روایات کے لحاظ سے قیامت یہیں بپا ہونے والی ہے۔ اس وقت تمام مخلوق اپنا حساب کتاب سمجھانے کیلئے یہاں جمع ہوگی۔ اسلام صرف انسان ہی کیلئے فنا لازمی نہیں سمجھتا بلکہ دنیا کے ہر ذی روح کو زوال پذیر قرار دیتا ہے۔ یہ تعلیم ان لوگوں کی تسلی کا باعث ہے جو کسی کے مرنے پر آنسو بہاتے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

"زمین پر نہ ایسا کوئی چرند ہے نہ پرند جو تمہارے مثل جان نہ رکھتا ہو

---

[1]۔ مدینے کے مزوّر بعض اوقات قبروں پر ایسی دعائیں بھی پڑھا دیتے ہیں جن میں اہل قبر سے طلب امداد کے بھی جملے ہوتے ہیں اور جن کو حکومت نجدی نے خلاف شرع تصور کر کے دعاؤں سے خارج کر دیا ہے۔ لیڈی کبولڈ صاحبہ کی مراد اسی قسم کی دعاؤں سے ہے۔ (محسن)

اس کتاب میں ہم نے کوئی چیز ایسی نہیں چھوڑی جس کا ذکر نہ کیا ہو۔ یہ سب
خدا کی طرف پہونچائے جائیں گے۔

جانوروں کے ساتھ اچھا سلوک پیغمبر صاحب نے بھی فرمایا ہے:۔

"جانوروں کے بارے میں تم خدا سے ڈرتے رہو۔ جب وہ سواری
کے قابل ہوں اُن پر سوار ہو۔ جب وہ تھک جائیں اُن پر سے اُتر
پڑو۔ بے زبان جانوروں کے ساتھ نیکی کرنے کا اور ان کے دانے چارے
کے خیال رکھنے کا بھی تم کو اجر ملے گا۔"

ایک اور جگہ آنحضرت فرماتے ہیں:۔

"ایک ساعت خدا کی مخلوق پر غور کرنا ایک سال کی عبادت سے افضل ہے۔"

قرآن کی تعلیم کی مطابقت جدید سائنس سے قرآن شریف میں ہے:۔

"تعریف خدا کے لئے زیبا ہے جس نے تمام چیزوں کے
جوڑے بنائے اُن چیزوں کے جو زمین میں اُگتی ہیں۔
انسانوں کی جنس کے اور اُن چیزوں کے جن کو وہ نہیں جانتے۔"

سائینس کی جدید ترین تحقیقات بھی یہی ہے کہ دنیا کی ہر چیز نر و مادہ کی صورت میں پیدا کی
گئی ہے یہاں تک کہ پتھر۔ شیشے اور بجلی کا بھی جوڑا ہے۔

مدینه

حصهٔ دوم

مدینہ

حصہ دوم

مسجد قبلتین ۲۰/مارچ ۱۹۴۳ء۔ آج صبح ہم موٹر میں بیٹھ کر مسجد قبلتین کی زیارت کے لئے تھوڑی دور تک ریگستان میں چلے گئے۔ اس مسجد کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہاں دو قبلے ہیں۔ ایک دن پیغمبر صاحب یہاں نماز پڑھ رہے تھے کہ جبرئیل آئے اور مکے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ آنحضرت (صلعم) اور آپ کے مقتدی جنوب کی طرف مڑ گئے۔ اس وقت سے یہودیوں کا جو اسلام کی بیخ کنی کی فکر میں لگے رہتے تھے مسلمانوں سے قطع تعلق ہو گیا اور مسلمان کعبے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے لگے[1]۔ یہ مسجد اب مسجد کے طور پر استعمال بھی نہیں ہوتی لیکن ظہر کا وقت تھا اس لئے ہم نے منشی کرامت[2] ایک ہندوستانی مولوی کو امام بنا کر یہاں نماز پڑھ لی۔ یہ صاحب ہماری پارٹی میں شریک ہو گئے تھے۔ ان کو تھوڑی سی انگریزی بھی آتی ہے اور بہت ہی میاں

---

[1] اس سے قبل مسلمان بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے۔

[2] منشی کرامت علی صاحب پنجاب کے رہنے والے ہیں۔ ایک عرصہ تک جہازی کمپنی کی بھی ملازمت کر چکے ہیں۔ آج کل مدینہ منورہ کے سرکاری مدرسہ کے صدر مدرس ہیں۔ ہندوستانی حجاج کے ساتھ بڑی خاطر سے پیش آتے ہیں۔ (محسن)

آدمی ہیں۔ کھانے کے واسطے ہم اپنی قیام گاہ کو واپس آئے اور صلاح ٹھیری کہ عصر کے وقت سب مل کر ایک دوسری مسجد اور باغ دیکھنے چلیں گے۔

میری میزبان خدیجہ میری میزبان خدیجہ ہمیشہ میرے پاس آکر بیٹھا کرتی ہیں اور کھانا بھی میرے ساتھ ہی کھاتی ہیں۔ یہ جوان ہیں مگر مہینوں سے بیمار ہیں۔ اگر تندرست ہوتیں تو بہت خوبصورت ہوتیں۔ میرے خیال میں ان کو دق ہے۔ ان کی شادی ہوئے دس برس گزرے مگر کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اس کا غم بھی میاں بیوی دونوں کو الگ کھائے جا رہا ہے۔

میں اب عربی کھانے کھاتی ہوں اور عربی معاشرت سے بھی واقف ہوگئی ہوں۔ جہاں کرسیاں نہیں ہوتیں وہاں فرش ہی پر بیٹھنا پڑتا ہے۔ مجھے عربی لباس کی بھی اب عادت ہوگئی ہے مگر پاتابے پہنے رہتی ہوں۔ جن کی وجہ سے مسجد میں لوگ مجھے حیرت سے دیکھتے ہیں[1]۔

مسجد قبا آج سہ پہر کو میں سید احمد السعید و منشی کرامت کو ہمراہ لے کر موٹر میں گئی۔ مصطفےٰ تو ہر وقت میرے ساتھ سایہ کی طرح رہتا ہے۔ یہ بڑا منتظم و دوراندیش آدمی ہے۔ ہم شہر کے باہر جنوب کی طرف چلے اور بے شمار کھجور کے جھنڈوں میں سے گزرتے ہوئے اسلام کی سب سے پہلی مسجد یعنی جامع قبا کو پہونچے۔

جب پیغمبر صاحب نے مکے سے ہجرت کی تو مدینے سے چند میل[2] ادھر اس جگہ

---

[1] ۔ مکہ و مدینہ میں عام طور پر عورتیں پاتابے پہنتی ہیں۔ شائد پاتابے پہن کر نماز پڑھنے پر حیرت ہوئی ہو مگر یہ بھی ایسی کیا حیرت کی بات تھی۔ (محسن)

[2] ۔ قبا مدینے سے جانب جنوب کوئی چھ میل ہے (محسن)

اُن کا اونٹ بیٹھ گیا اور وہ نماز کے لئے اترے۔ جبرئیل نازل ہوئے اور یہاں مسجد بنانے کا حکم لائے۔

آنحضرتؐ کا مدینے میں ورود

اسی اثناء میں مدینے والوں کو خبر ملی کہ پیغمبر صاحب مکے سے ہجرت کر کے روانہ ہو گئے اور اب مدینے آرہے ہیں۔ یہ لوگ ہر روز صبح آپ کے استقبال کے لئے شہر سے باہر جا جا کر اونچے اونچے ٹیلوں پر سے دیکھا کرتے تھے۔ ان لوگوں کو آپ کی جان کی طرف سے کھٹکا لگا ہوا تھا۔ ایک دن شام کے وقت کسی یہودی نے اپنے قلعے کی چوٹی پر سے دونوں مہاجروں کو دیکھا اور مسلمانوں سے جو نیچے کھڑے تھے بہ آواز بلند کہا۔

"مبارک ہو۔ تمہاری خوش نصیبی تمہاری طرف آرہی ہے جن کے تم منتظر تھے وہ آپہونچے۔"

زمین اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اٹھی۔ موضع قبا کو یہ شرف حاصل ہے کہ یہاں آنحضرتؐ کا پہلا خیر مقدم ہوا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں جون ۶۲۲ء میں آنحضرتؐ نے گرمی کے موسم میں ایک دن نزول اجلال فرمایا تھا۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں آپ نے مدینے میں داخل ہونے سے پیشتر چودہ روز تک قیام کیا اور جب آپ کے چچا زاد بھائی علیؓ مکے سے آکر یہاں آپ سے مل گئے اُس وقت مدینے کی طرف چلے اس وقت مدینے کے مرد، عورتیں، بچے مکانوں کی چھتوں پر اور گلیوں میں ٹھٹ کے ٹھٹ جمع ہو کر خوشی سے یہ گیت گا رہے تھے۔

"دیکھو نیچے کی وادی کے اُفق سے چودھویں رات کے چاند نے طلوع کیا ہے۔ یا رسول اللہ! آپ اپنی مرضی سے آگاہ فرمائیے۔ ہم آپ

کی فرمان برداری کے لئے حاضر ہیں۔ ہم عمر بھر اُس خدا کی تعریف کریں گے
جو تمام نعمتوں کا بخشنے والا ہے۔"

ہر شخص پیغمبر کا میزبان بننے کی عزت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس پر بڑی جد وجہد ہوئی۔ آخر آنحضرت صلعم نے خود اس کا اس طرح فیصلہ کر دیا کہ میرا اونٹ جس کے دروازے پر بیٹھے گا۔ میں اُسی کا مہمان ہوں گا۔ ابو ایوب انصاریؓ کے دروازے پر اونٹ ٹھیرا اور ان کے مکان میں پیغمبر صاحب سات مہینے تک رہے۔ اس کے بعد خود آنحضرت صلعم کا چھوٹا سا مکان اور مسجد تیار ہو گئی۔

مدینے کی سب سے پہلی مسجد

مدینے میں سب سے پہلی مسجد جو تعمیر ہوئی تھی وہ مسجد قُبا ہے۔ سلطان عبد المجید نے اس کی توسیع کی اور اس کی خوشنمائی میں اضافہ کیا۔ اس کی چار دیواری کوئی چھ سو برس قبل کی ہے اور اس کا کچھ حصہ ۱۵۳۰ء میں بھی تعمیر ہوا ہے۔ یہ مسجد باعتبار فن تعمیر بہت ہی موزوں ہے۔ اس کے دالانوں کی سفید دیواروں پر سبز اور نیلے نقش و نگار ہیں۔ صحن کے بیچ میں ایک چھوٹا سا کونسک ہے یہ سب طرف کھلا ہوا ہے اسی جگہ آنحضرتؐ کا اونٹ بیٹھا تھا۔ مدینے والے کہتے ہیں کہ یہاں کی ایک نماز عمرہ کا ثواب رکھتی ہے۔ مقبولیت دعا کے لئے بھی یہ جگہ مشہور ہے۔ میں دو رکعت نماز پڑھ کر مصطفٰی کو دعا مانگتے دیکھنے لگی۔ مجھے حیرت تھی کہ اس طرح گڑگڑا گڑگڑا کر یہ کس بات کے لئے دعا کر رہا ہے۔ اس وقت ہمارے سوا دو تین نمازی اور تھے اور اس قدیم چار دیواری میں خاموشی و سکون بہت ہی آرام دہ تھا۔

بیر خاتم اس خوشنما مسجد سے نکل کر ہم نے ایک کنواں دیکھا۔ یہ مسجد کے دروازے

سے بالکل قریب ہے۔ اس کے اردگرد کھجور اور عسل کے درخت ہیں۔ اس کنوے میں وہ انگوٹھی گری ہے جو بوقت خلافت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کو ورثتہً ملی تھی۔ ایک منحوس دن وہ انگوٹھی حضرت عثمان کے ہاتھ سے اس کنوے میں گر گئی اور افسوس ہے کہ ہر چند کوشش کی گئی اس کا پتہ نہ لگا۔ جاہلوں کا خیال ہے کہ اسی وقت سے اسلام پر مصیبت آگئی۔

مدینے کا ایک باغ

یہاں سے ہم سابق امیر مدینہ کے فرزند کے باغ کو گئے۔ ہمارا رستہ ایک پیچ دار وادی میں سے تھا چلتے چلتے ہم ایک ایسے ویرانے میں پہونچے جہاں ہم کو دھوپ سے جلی ہوئی مٹی کی اونچی اونچی دیواروں کے بیچ میں سے چلنا پڑا۔ اس کے بعد ہم نخلستان اور پھلواری کے نزدیک پہونچ گئے اور خوشبودار ہوا آنے لگی۔ ان تنگ گلیوں کے اندر موٹر دقت سے چلی ایک جگہ تو ہمیں رستہ دینے کے لئے دیوار سے چمٹ جانا پڑا۔ آخر کار ہم لکڑی کے ایک بھدے دروازے پر ٹھہر گئے یہی وہ جنت عدن تھی جس کی تلاش میں ہم نکلے تھے۔ اس باغ کا مالک تو آج کل مکے گیا ہوا ہے اس لئے باغ کے محافظ نے ہمارا استقبال کیا۔ یہاں لہلہاتا ہوا سبزہ اور انجیر اور نارنگیوں کی شاخوں میں گلاب، چنبیلی اور دوسرے پھولوں کا لپٹنا بہت ہی بھلا معلوم ہو رہا تھا۔ انار کے پھول اس وقت بہار پر تھے۔ کھجور کے درختوں کے نیچے اناج کے کھیت اور لوسن کثرت سے اگا ہوا تھا۔ غلہ کچھ پک گیا تھا اور کاٹا بھی جا چکا تھا۔ پھولوں میں بسی ہوئی ہوا جو باغ میں چل رہی تھی ہوائے بہشت معلوم ہو رہی تھی تپتے ہوئے ریگستان میں چلنے کے بعد یہاں پرندوں کے چہچہے۔ پانی کے بہنے کی آواز اور کنوئیں کے چرخ کا شور راگ کا مزا دے رہا تھا۔ حوض پر انگور کا منڈوا چھایا ہوا تھا۔ مالی نے مجھے پھولوں کا گلدستہ دیا۔

مدینے کے تمام خوش باش آدمیوں کے پاس باغ ہیں۔ اکثر ایسے بڑے ہیں کہ سوسو ایکڑ زمین گھیرے ہوئے ہیں۔ جب شہر میں گرمی زیادہ پڑنے لگتی ہے تو وہ لوگ باغوں میں چلے جاتے ہیں جہاں مکان تو نہیں ہیں مگر اینٹوں کے سائبان سے بنے ہوئے ہیں۔ ان کے سامنے بہتے ہوئے پانی کا حوض ہوتا ہے اس میں وہ نہاتے ہیں۔ یہ حوض اس قدر صاف شفاف ہوتے ہیں کہ آٹھ دس فٹ کی گہرائی میں بھی تہہ نظر آتی ہے۔ سائباں بالکل سادہ ہوتے ہیں۔ ان کے کھم کھجور کی لکڑی کے ہوتے ہیں کھانے پینے اور سونے کے لئے ان کے اندر شطرنجیاں اور گدے بچھے رہتے ہیں سائبان کے پیچھے مالیوں وغیرہ کے رہنے کا گھر ہوتا ہے جب پروہا اونٹ خچر یا بیلوں سے چلتا ہے تو نالیوں میں سے تمام باغ کو پانی پہنچ جاتا ہے اور چرخ کی سریلی آواز سائبان میں آتی رہتی ہے۔

ایسے مقامات پر وقت بہت آسانی سے گزر جاتا ہے۔ ہم کو باغ میں اتنی دیر ہوگئی کہ شہر پہونچکر نماز مغرب میں شریک ہونے کا وقت نہ رہا مصطفٰے اور دونوں شیوخ نے نارنگی کے درختوں کے بیچ میں اپنی اپنی عبائیں بچھائیں اور میں بھی یہ خیال کرکے کہ یہ لوگ الگ الگ نماز پڑھنا مناسب سمجھیں گے اپنی جا نماز کھجوروں کے جھنڈ میں ایک علٰحدہ جگہ لے گئی مگر وہ یہ کہتے ہوئے کہ آپ نے بہت اچھی جگہ انتخاب کی میرے پیچھے ہی آگئے اور اس وقت جبکہ بلبل بھی حمد خدا میں مصروف تھی۔ ہم منشی کرامت کے پیچھے نماز پڑھنے لگے۔

حاجیوں کو امن و آسائش ۔ نیا ہوٹل ۲۱/ مارچ ۱۹۳۳ء۔ دوسرے دن مجھے نئے ہوٹل کے معائنہ کی دعوت دی گئی۔

یہ حاجیوں کے لئے تعمیر ہوا ہے۔ اس ملک میں ان غریبوں کی حفاظت و آرام کیلئے روز افزوں توجہ بہت مسرت بخش ہے۔ پیشتر ان بیچاروں کو ان تمام مصیبتوں کا مقابلہ کرنا پڑتا تھا جو ریگستان کے مسافروں کے ساتھ ساتھ چلا کرتی تھیں رہزنی و اچھال بالجبر عام تھا۔ بھوک کا یہ شکار ہو جایا کرتے تھے۔ پیاس ان کو مار ڈالنے کیلئے گھات میں لگی رہتی تھی۔

اب حاجیوں کے رستے میں منزل منزل پر کنوے موجود ہیں۔ کاروانسرائے اور شفا خانے بنا دیئے گئے ہیں جہاں بلا قیمت اور بغیر فیس کے ہر قسم کی طبی امداد باوقات مقررہ دی جاتی ہے۔ حاجیوں کے قیام کیلئے صرف حرمین ہی میں نہیں بلکہ جدہ و ینبوع میں جہاں یہ جہاز سے اترتے ہیں اور مساجد و منیٰ و عرفات میں بھی ہوٹل تیار کئے جا رہے ہیں۔ حکومت نجد نے ایک جنرل کمیٹی اس امر پر غور کرنے کیلئے مقرر کی ہے کہ یہ ہوٹل صاف ستھرے رکھے جائیں۔ ہر کمرے میں یہ تعداد مناسب مسافر ٹھیریں اور ہر قسم کی ضروریات وہاں مل سکیں۔ عورتوں کیلئے خاص انتظامات کئے گئے ہیں۔ امیر حاجیوں کو تو ہر جگہ اچھے سے اچھے مکان کرایہ پر ملجایا کرتے ہیں جن میں ان کے اور ان کے حوالی موالی کیلئے کافی گنجائش ہوا کرتی ہے۔ لیکن جس ہوٹل کے دکھانے کیلئے مجھے بلایا گیا ہے وہ ایسے لوگوں کے واسطے تعمیر ہوا ہے جو کرایہ کا مکان لینے کی تکلیف بھی گوارا کرنا نہیں چاہتے اور اپنے متعلقین کے ساتھ بلا شرکت غیرے علحدہ رہ کر آرام و آسائش بھی چاہتے ہیں۔ اس ہوٹل کا نام گرانڈ ہوٹل یا عربی میں اس کے مماثل کوئی نام رکھا جانے والا ہے۔ اس کا منیجر مجھ سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ لندن و پیرس کے ہوٹلوں کے مقابلہ میں یہ کیسا ہے ایک کھلے صحن میں داخل ہوئی

اس کے تین طرف گیلریاں ہیں اور ہر گیلری سے ملحق متعدد خواب گاہیں ہیں یہ صحن بھی ایک قسم کا داخلہ کا کمرہ ہے جس میں بہت سی کرسیاں بچھی ہیں۔ یہاں مسافر بیٹھتے۔ سوتے اور چائے قہوہ پیتے ہیں۔ بعض بعض شوقین شطرنج بھی کھیلتے ہیں جو مشرقی ممالک کا بہت مرغوب کھیل ہے۔ اندر کی طرف ایک کمرہ کھانے کے کمرے کا کام دیتا ہے۔ چوڑی چوڑی سیڑھیوں پر چڑھ کر سونے کے کمروں میں جاتے ہیں۔ ہر کمرے میں ایک ایک مسہری ہے جس میں توشک تکیئے رکھے ہیں اور جالی کا مچھردان پڑا ہے۔ آئینہ دار میز بھی ہے اس پہ کنگھی اور برش موجود ہے زمین پر مٹی کا گھڑا رکھا ہے اس میں پانی خوب ٹھنڈا ہوتا ہے۔ حاجیوں کی قدمبوسی کیلئے دروازے کے بازو ایک خوش رنگ سلیپر دھرا ہوا ہے اب اور کیا چاہیئے۔ میں نے اس سلیقہ پر منیجر کی بہت تعریف کی خصوصاً کنگھی اور برش کی بہت داد دی۔ اس نے کہا حاجیوں کی داڑھی کیلئے یہ دونوں بہت ضروری ہیں لیکن تھکے ہوئے پاؤں کیلئے سلیپر بھی کچھ کم ضروری نہ تھا۔ یہ ہوٹل چند روز میں کھل جائیگا۔

مدینے کی بعض عورتوں سے ملاقات

تھوڑی دیر سو کر سہ پہر کو میں فاطمہ اور ان کی رشتہ دار عورتوں سے ملنے گئی۔ چونکہ عام رستوں پر مجھے اس سے زیادہ چلنا زیبا نہ تھا جتنا کہ ہماری بڑی بوڑھیاں ملکۂ وکٹوریہ کے زمانے میں چلا کرتی تھیں۔ اس لئے میں نے مصطفیٰ کو اپنے ساتھ لے لیا۔ فاطمہ کا مکان پر تکلف اور دلچسپ تھا۔ اس کی موٹی موٹی دیواریں مٹی کی تھیں گلی کی طرف کے رخ پر سفیدی کی ہوئی تھی۔ ادھر کھڑکیاں نہ تھیں البتہ ایک جالی تھی۔ دروازے میں دیوڑھی تھی تپتی ہوئی گلی میں سے چلنے کے بعد یہاں کی ٹھنڈک بہت اچھی معلوم ہوئی۔ ہم ایک پٹی ہوئی غلام گردش میں سے زنان خانے میں داخل ہوئے۔ یہ حصہ اس لئے بنا تھا کہ اگر دروازہ

کھل بھی جائے تو زنانے کا مد نظر نہ ہو۔ دروازے کے آگے ایک چوکھونٹا صحن تھا۔ اس کے اطراف کھموں کے دالان تھے اور جنوب کی طرف ایک کمرہ تھا۔ اس میں گدے اور قالین بچھے تھے۔ اس کے دائیں بائیں اور دو کمرے تھے جو سردی کے دنوں میں استعمال ہوتے ہیں گرمیوں میں کھلا ہوا کمرہ نشست گاہ کا کام دیتا ہے۔ اسی جگہ میری میزبان مجھ سے ملیں۔ اس کمرے میں رنگ برنگ کے پتھروں کا عربی وضع کا فرش تھا چند بڑے بڑے گملوں میں نارنگی کے درخت لگے ہوئے تھے۔ اور بعض ہری بھری بیلیں کھموں پر چڑھی ہوئی تھیں۔ مصطفٰی کو نیچے کے کمرے میں چائے پیتا چھوڑ کر میں اپنی میزبان کے ساتھ ایک تنگ زینے سے ہوتی ہوئی کمروں کی چھت پر پہونچی۔ یہ مستورات کے اٹھنے بیٹھنے کی جگہ تھی اور بڑی فرحت بخش تھی۔ یہاں ایک باغ سا کھلا ہوا تھا۔ طرح طرح کی پھلواری اور گلاب کے درخت چینی کے بڑے بڑے چکدار سبز گملوں میں لگے ہوئے تھے۔ اسی جگہ فاطمہ سے میں ملی۔ مصطفٰی سے باتیں کرنے کیلئے ان کے شوہر نیچے چلے گئے وہاں دو چار مرد اور بھی آگئے تھے۔ فاطمہ نے مجھے ان عورتوں سے ملایا جن کو مجھ سے ملاقات کرانے کیلئے خصوصیت کے ساتھ اس وقت بلایا گیا تھا۔ یہ عورتیں بڑی خوش مزاج تھیں۔ ہم باتیں کرتے اور ذرا ذرا سی بات پر خوب ہنستے رہے۔ حقیقت میں یہ صحبت بھی بڑی پُرلطف تھی اور ان ہنس مکھ عورتوں نے مجھ میں مسرت کی ایسی روح پھونکدی تھی کہ بات بات پر ہنسنے کو جی چاہتا تھا۔ مجھے یہ معلوم کرکے بڑا تعجب ہوا کہ ان بی بیوں میں ایک ترک عورت بھی تھی۔ اس کو فرانسیسی زبان اچھی آتی تھی۔ اس نے کہا کہ جنگ عظیم سے پہلے اس کے والد ترکی سفارت خانہ پیرس میں ملازم تھے۔ اس کی شادی ایک ترکی فوجی افسر کے ساتھ ہوئی تھی جو ۱۹۱۶ء میں اس وقت مارا گیا جبکہ

حجاز ریلوے پر معان کے متصل کوئی پل اُڑا یا گیا تھا۔ اب اس عورت نے مدینے میں کسی بھلے آدمی سے عقد کر لیا ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تم کو کبھی وہ زمانہ بھی یاد آتا ہے جب تم اپنے والد کے ساتھ پیرس اور یورپ کے دوسرے شہروں میں جہاں جہاں وہ دوران ملازمت میں رہے رہا کرتی تھیں۔ اُس نے جواب دیا کہ میں اپنی موجودہ حالت پر بالکل مطمئن ہوں اور خدا کے فضل سے اپنے گھر میں شوہر اور تین بچوں کے ساتھ مزے سے گزر رہی ہے۔ البتہ جب میرے پاس کچھ روپیہ جمع ہو جاتا ہے تو اپنے رشتہ داروں سے ملنے یا سورس بھی چلی جایا کرتی ہوں۔ میں نے بادام کی چھوٹی چھوٹی لذیذ ٹکیاں جو شہد اور آٹا ملا کر بنائی گئی تھیں کھائیں اور چائے پی۔ مغرب کا وقت قریب تھا اس لئے با دلِ ناخواستہ یہاں سے رخصت ہوئی۔ مدینے سے روانہ ہونے سے قبل غالباً میں ان ملنسار عورتوں سے پھر نہ مل سکوں گی۔ مگر اس متبرک شہر میں پھر ایک مرتبہ آؤں گی۔ انشاء اللہ!!

خدیجہ کی طرف سے دعوت

میری میزبان نے آج رات کو مجھے کھانے کی دعوت دی ہے یہ بڑی خوبصورت عورت ہیں مگر بہت ہی دبلی اور پیلی پڑی ہوئی ہیں۔ دوپٹہ جو یہ اوڑھے ہوئے ہیں اس پر زردوزی کے چھوٹے چھوٹے پھولوں کا جنگلا ہے اور یہ فخریہ کہتی ہیں کہ انہیں نے کاڑھا ہے جب یہ دیوان پر تکیہ لگا کر بیٹھتی ہیں اور ایک ہاتھ تھوڑی کے نیچے رکھ کر دوسرے ہاتھ کی حرکات وسکنات سے اپنی باتوں پر زور دیتی ہیں تو بیگماتی شان کی عورت معلوم ہوتی ہیں۔ خیر کھانا آیا ہم دسترخوان کے چاروں طرف بیٹھ گئے۔ گوشت۔ چانول۔ بہت ہی مسالے دار سلاد اور کئی قسم کی ترکاریاں تھیں۔ یہاں گوشت تنگ مٹی کی

ہنڈیا میں پکاتے ہیں اور اُس کے منہ کو مٹی بھر گھاس سے بند کر دیتے ہیں۔ گوشت میں مرچ۔ دارچینی اور لونگ وغیرہ بھی ڈالتے ہیں۔ ان لوگوں کو کوئی ایسی ترکیب بھی یاد ہے کہ جس دن ذبح کرتے ہیں اُسی دن پکالیتے ہیں مگر بدمزا نہیں ہوتا۔ کھانا کھاتے وقت میں نے خدیجہ سے کہا آپ بھی ہمارے ساتھ باغوں کی سیر کو چلئے مگر انہوں نے انکار کر دیا کہ گھر کے کام دھندے سے میرا نکلنا کہاں ہوتا ہے مجھے ان کی حالت پر افسوس ہوا کہ ان کو علاوہ اور تکلیفوں کے وطن کی یاد بھی بہت ستاتی ہے۔ ان کے والد دمشق میں ہیں ان سے ملنے کا انکو بڑا اشتیاق ہے مدینہ و دمشق کے درمیان جو ریل چل رہی تھی وہ جنگ عظیم کے زمانے میں تباہ کر دی گئی ورنہ بی بی خدیجہ چار پانچ دن میں اپنے گھر پہونچ جاتیں۔ اب ان کو ریگستان طے کر کے جدے جانا پڑے گا۔ وہاں سے دریائی رستے سے بیروت۔ یہ بہت ہی طویل اور تھکا دینے والا سفر ہے اور بیچ میں بہت سے اُتار چڑھاؤ پڑتے ہیں۔ یہ غریب کسی طرح ان کی متحمل نہیں ہو سکتیں۔ ہم نے کھانا ختم کیا۔ ہاتھ دھوئے اور چھوکریوں نے دسترخوان بڑھایا۔

سید احمد اور منشی کرامت کے تحفے

اتنے میں مجھے اطلاع ہوئی کہ میرے ملاقاتی دونوں شیخ مجھ سے ملنے کے انتظار میں نیچے بیٹھے ہوئے ہیں۔ خدیجہ مجھے یہاں چھوڑ کر چلی گئیں۔ اُن کا یہاں برقع اوڑھ کر بھی بیٹھے رہنا خلاف قاعدہ تھا مجھے اس وقت یہ خیال بھی آیا کہ یہ عورتیں میری آزادی پر رشک کرتی ہونگی مصطفٰے کے ساتھ میرے مہمان آئے۔ سلام علیک و مزاج پرسی کے بعد سید احمد صاحب نے مسجد نبوی کے ایک حصے کی خوبصورت تصویر مجھے تحفہ دی۔ یہ لکڑی پر کھود کر بنائی گئی ہے اور اصل کے موافق اس میں رنگ بھرا ہے۔ اس تصویر میں آنحضرتؐ کا مقبرہ

اور بلالؓ کا منارہ دکھایا گیا ہے جن کی دلکش آواز آنحضرت کے زمانے میں مسلمانوں کو نماز کیلئے کھینچ لایا کرتی تھی۔ منشی کرامت نے مجھے صندل کا ایک خوشبودار چمچہ اور مسجد نبوی کا ایک بڑا رنگین نقشہ دیا ہے اس میں مسجد کی تاریخ اور ہر چیز کی تفصیل درج ہے۔

صندل کی قسم کی ایک لکڑی جو اس ملک میں پیدا ہوتی ہے اسے عود کہتے ہیں۔ ایک زمانے تک اس کا جنگل صرف کوئلے بنانے کیلئے وقف تھا۔ عرب خوشبو کے شائق ہوتے ہیں جب ان کو اس لکڑی کے خوشبودار خواص کا علم ہوا تو وہ اس کے دروازے کھڑکیوں کے چوکھٹے اور دوسری گھریلو آرائشی چیزیں تیار کرنے لگے۔ عود کی لکڑی بعض اوقات لوبان کی صورت میں فرنگیوں کے گرجوں کیلئے بھی فروخت ہوتی ہے۔ مگر اصلی لوبان جنوبی عرب میں پیدا ہوتا ہے۔

قبروں کے انہدام پر بحث

ہم نے چائے پی اور پھر قبروں کے انہدام پر بحث ہونے لگی۔ یہ ایک رنج دہ موضوع ہے جس کی وجہ سے "اخوان[1]" کے خلاف ہمیشہ عداوت کے خیالات پیدا ہوتے رہتے ہیں لیکن جب اس امن وامان کا ذکر کیا جاتا ہے جو سلطان ابن سعود نے اس ملک میں قائم کر دیا ہے تو سوائے اس کی تعریف و شکریہ کے کسی کے منہ سے کچھ نہیں نکلتا۔ ایک شیخ نے تو ابن سعود کی یہاں تک تعریف کی کہ خلفائے راشدین کے بعد اسلام کا وہ سب سے بڑا بادشاہ ہے۔ اس کی یہ تعریف ہے بھی سچ۔

مسلمانوں پر تعصب کا اتہام عیسائیوں کے تعصب کی مثالیں

ہم نے اخلاق و مذہب کے بعض مسائل پر بھی تبادلہ خیالات کیا۔ یہ لوگ اچھی طرح واقف

---

[1] اخوت و مساوات کے خیال سے وہابیوں نے اپنے گروہ کا نام "اخوان" یعنی بھائی رکھا ہے۔

ہیں کہ مغربی مصنف مسلمانوں پر تعصب کا الزام لگاتے ہیں۔ حالانکہ جب صلیبی مجاہد بیت المقدس میں فاتحانہ داخل ہوئے تھے[1]۔ اُس وقت اُنہوں نے مسلمانوں کے ساتھ بے تعصبی کا کیا اظہار کیا تھا؟ اُنہوں نے اپنی سرکاری رپورٹ میں جو تقدس مآب پوپ کی خدمت میں روانہ کی تھی۔ فخر کے ساتھ یہ تحریر کیا تھا:۔

"ہمارے گھوڑے انسانی خون میں سے جو اُن کے گھٹنے گھٹنے تک تھا بڑی مشکل سے گزرے۔"

اگر تاریخ پر یقین کیا جائے تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ رواداری کرنے میں مختلف موقعوں پر دین مسیحی ناکام رہا ہے۔

قسطنطین کی زیر حکومت جس وقت کلیسا نے سیول[2] اختیارات حاصل کر لئے اُسی وقت سے جبر و تعدی کا عام اصول منظور کر لیا گیا اور یہودیوں کا فرول اور بت پرستوں کے ساتھ جبر و ظلم عمل میں لایا جانے لگا۔ ان کو ہر ترقی یافتہ عذاب میں گرفتار کیا جاتا تھا۔ اُن کو دھیمی دھیمی آگ میں اس لئے جلاتے تھے کہ کم سے کم مرتے وقت ہی وہ کلیسائے مسیح کی نیکی و ہمدردی پر غور کریں[3]۔

---

[1] بیت المقدس کو مسلمانوں کے قبضے سے چھڑانے فرنگی عیسائیوں نے جو لڑائیاں لڑی ہیں وہ صلیبی جہاد کہلاتے ہیں گویا صلیب کی حفاظت کیلئے جنگ کی گئی تھی۔ ان لڑائیوں کا سلسلہ کوئی سو برس تک چلتا رہا۔

[2] قانون رومہ کی رو سے سیول اختیارات میں دیوانی۔ فوجداری۔ مالی۔ مذہبی ہر قسم کے اختیارات داخل تھے۔

[3] Lecky Compare Hallam History of England Vol. I Chap. 3 لیکی ہالم کی تاریخ انگلستان جلد اول باب سوم۔

پندرھویں صدی عیسوی میں مقدس پوپ نے پرتگیزوں اور ہسپانیہ والوں کو ایک منشور خاص عطا فرمایا تھا جس کی رو سے اُن کو اختیار دے دیا گیا تھا کہ کافروں کو حضرت عیسیٰ کے گلہ میں گھیر کر لانے کیلئے جو طریقہ مناسب سمجھیں کام میں لائیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ اُن لوگوں نے یہ اختیار کس طرح استعمال کیا۔

اسپین کی وہ عدالت جس میں کافروں کو سزا دی جاتی تھی۔ اہل آئرلینڈ کے ساتھ کرامویل کا برتاؤ۔ روسیوں کا پوگرامس انکاس (Pogroms Incus) کو نیست و نابود کرنا اور دوسرے بہت سے قتل عاموں سے جو مقتولوں کی بے خبری میں کئے گئے اُس تعصب کا اندازہ ہو سکتا ہے جو عیسائیوں نے (خواہ کیتھولک ہوں یا پروٹسٹنٹ یا کلیسائے یونان کے مقلد) غیر مذہب والوں کے ساتھ برتا۔ مغربی قومیں اس وقت تک غیر متعصب نہ بنیں جبتک کہ انہوں نے مذہبی زنجیروں کو توڑ کر نہ پھینک دیا۔

البتہ جب سے مسلمانوں نے شریعت اسلامی سے غفلت برتی اُنکی رواداری کو زوال آگیا۔ صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے غیروں کے ساتھ رواداری کو دین کا ضروری جزو قرار دینے کی تعلیم دی ہے۔ قرآن میں وارد ہے۔

"دین میں جبر نہ ہونا چاہیئے" (قرآن سورۃ ۲ آیت ۲۵۷)

محمد صلعم نے رواداری کی صرف تعلیم ہی نہ دی تھی بلکہ تمام مفتوحہ قوموں کو ان کے مذہبی رسوم میں آزادی بھی عطا کر دی تھی۔ ان لوگوں سے صرف برائے نام ایک خراج (جزیہ) لیا جاتا تھا جس کے معاوضہ میں ان کو وہ تمام محصولات معاف تھے جو مسلمانوں کو ادا کرنے پڑتے تھے۔ غیر مذہب والے فوجی خدمت سے بھی مستثنیٰ

کر دیے جاتے تھے جو تمام مسلمانوں پر لازم تھی۔ غیر مسلموں کو جزیے کے بدلے میں اپنے مذہبی رسوم ادا کرنے کی کامل آزادی حاصل ہوا کرتی تھی۔ مسلمانوں نے اگر کسی چیز کو روکا ہے تو وہ گرجے کے گھنٹوں کی بے سری آواز تھی۔

آزادی نسواں

مسئلہ رواداری پر گفتگو ختم ہوئی تو ہم مسائل حاضرہ و آزادی نسواں پر تبادلِ خیالات کرنے لگے۔ مغربی عورتوں نے میدان عمل میں جو کامیابی حاصل کی ہے اس پر بھی ان شیوخ نے کسی قدر تعریف کے ساتھ اظہار مسرت کیا۔ عورتوں کے ساتھ ہر موقعے پر ان کی ہمدردی پائی جاتی تھی۔ اگرچہ کئی مرتبہ میں نے سید احمد صاحب کی آنکھوں میں مسکراہٹ کی کیفیت دیکھی اور دونوں شیوخ بعض وقت مسکرائے بھی مگر وہ کبھی آواز سے نہیں ہنسے عرب شاذونادر ہی قہقہہ لگاتے ہیں۔ تھوڑی دیر تک اور اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں اس کے بعد وہ یہ کہتے ہوئے رخصت ہوئے کہ ہم نے آپ کو بہت زحمت دی۔ سارے دن کی مصروفیت کے بعد اب سوتی ہوں۔ کل امیر مدینہ سے ملوں گی۔

امیر مدینہ سے ملاقات

میں امیر کی اس مہربانی کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں کہ انہوں نے شہر میں مجھے موٹر استعمال کرنے کی اجازت دی اور میری آمد کے وقت از راہ دور اندیشی یہ حکم دے دیا کہ خواہ میں کتنی ہی رات گئے مدینے پہونچوں مجھے شہر میں داخل ہونے سے روکا نہ جائے۔ امیر کی ملاقات کا وقت صبح کے ڈیڑھ بجے کا ہے (ہمارے حساب سے ساڑے سات بجے صبح) اب لوگ نماز فجر کے بعد کاروبار شروع کر دیتے ہیں۔ اور گرمی میں دوپہر کے وقت تھوڑی دیر سو جاتے ہیں۔

۲۲/مارچ ۱۹۳۳ء۔ سورج نکلنے کے کچھ دیر بعد مصطفٰی کو لے کر میں اپنی موٹر میں امیر مدینہ کو سلام کرنے گئی۔ امیر کے عہدہ داروں نے ایک بڑے کمرے میں ہمارا استقبال کیا۔ اس کمرے کے سامنے والے چبوترے پر دیوان (گدے) بچھے ہوئے تھے اور کئی وجیہہ آدمی امیر کی ملاقات کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ ایک منٹ میں امیر برآمد ہو گئے اور اوپر کے چبوترے پر بیٹھنے کیلئے مجھے فرمایا یہاں بھی تین طرف گدے بچھے ہوئے تھے۔ میں امیر کی دائیں جانب آلتی پالتی مار کے بیٹھ گئی یہ دُبلے پتلے طویل القامت بڈھے آدمی ہیں۔ اس وقت یہ سفید قبا پر سنہری کام کی سیاہ عبا پہنے ہوئے تھے اور سرخ و سفید چوخانے کے کوفئے پر عقال باندھے ہوئے تھے۔ جب میں امیر کی ان تمام عنایتوں کا جن سے مجھے زیارت مدینہ میں سہولتیں ہوئیں شکریہ ادا کر چکی تو انھوں نے فرمایا کہ آپ کے یہاں آنے سے مجھے بڑی خوشی ہوئی اُمید ہے کہ آپ کا حج آپ کے لئے تقویت ایمان کا موجب ہوگا۔

میرے اسلام پر امیر کا شبہ

اس کے بعد انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ آپ مسٹر فلبی (حاجی عبد اللہ فلبی نو مسلم انگریز) کو جانتی ہیں۔ انگلستان میں ان کا کیا پوزیشن ہے۔ امیر کے اس فقرے سے میں نے محسوس کیا کہ ان کے دل میں ہم دونوں ہی کے اسلام کے متعلق شبہ ہے۔ اس پر مجھے حیرت بھی نہیں ہوئی کیونکہ ایک طرف تو برٹن و برکھارٹ اور بعض دوسرے سیاحان حجاز کی مثالیں موجود ہیں جو مسلمانوں کا بھیس بنا کر حرم میں داخل ہوئے تھے اور دوسری طرف مسلمانوں کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اپنے مقدس ترین مقام کی حفاظت کریں۔ امیر کا ایک خدمت گار میرے لئے گرم میٹھے دودھ کا گلاس لایا اور میں نے لیکر

برقعے کے اندر پی لیا۔ اس کے بعد بغیر شکر کا قہوہ اور میٹھی ٹکیاں آئیں۔ اس وقت دربار کا کمرہ وزراء اور دوسرے لوگوں سے جو امیر سے ملاقات کے خواہاں تھے بھرا ہوا تھا میں نے دیکھا کہ یہ وقت امیر کی بڑی مصروفیت کا ہے اس لئے میں نے رخصت کی اجازت چاہی۔

مدینے کا سکون و وقار موٹر میں واپس ہوتے وقت میں نے اس شہر کی معاشرت پر نظر ڈالی جو مجھے بہت ہی پر امن و پر سکون معلوم ہوئی۔ یہاں رستہ چلنے والوں کی متانت و وقار میں نہ ٹریموے خلل انداز ہوتی ہے اور نہ بس موٹریں اور یہاں کی پُر لطف خاموشی میں نہ راہگیروں کا ہجوم حارج ہوتا ہے اور نہ بازار والوں کی گڑبڑ۔ اونٹ آدمیوں کو بٹھائے ہوئے یا سامان تجارت سے لدے ہوئے خاموشی کے ساتھ گزرتے رہتے ہیں۔ ہاں کہیں کہیں لال پیلے دو پہیوں کے ٹپ دار یکے بھی جن میں کوئی گھوڑا یا مہندی سے کان، عیال اور دم رنگا ہوا سفید خچر جُتا ہوتا ہے دکھائی دے جاتے ہیں۔

بازار مدینہ میں بازار میں اِدھر اُدھر پھرتی رہی۔ زائروں کو للچانے کے لئے دکانوں میں کہیں کہیں رنگ برنگ کی چیزیں اور رسیلے میووں کے اونچے اونچے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ جیسے والا عبا، قبا پہنے عمامہ باندھے عرب تھا۔ کہیں کوئی قصاب بیٹھا تھا جسے دیکھ کر الف لیلہ کی کہانی یاد آتی تھی۔ چھوٹی چھوٹی دکانوں میں باہر سامان چنا ہوا تھا۔ اندر دکان دار صاحب آلتی پالتی مارے بیٹھے تھے۔ یہ مقام گپ شپ کے اڈے ہوتے ہیں۔ دکان داروں کے بے فکرے دوست وقت گزارنے کیلئے یہاں آن بیٹھتے ہیں اور حقے کے دھوئیں اڑاتے

رہتے ہیں۔[1]

ایک پرانی منقش سنگین محراب میں ہو کر ایک تاریک گلی میں جاتے ہیں یہ عطر فروشوں کا بازار ہے۔ یہاں مشرقی پھولوں کا عطر شیشے کے کنڑوں میں رکھا جاتا ہے۔ یہاں ایک عرب صاحب اپنے مرغوب عطروں کی لپٹوں میں چار زانو بیٹھے مزا لیکر اور جھوم جھوم کر آہستہ آہستہ نہایت سریلی آوازمیں قرآن پڑھ رہے ہیں۔ عمامہ باندھے علما۔ برقع اوڑھے عورتیں اور رنگ برنگ کے کپڑے پہنے ہوئے بچے رستے سے گزر رہے ہیں۔ کوئی فقیر دخل در معقولات ہو کر یہاں کے دلچسپ منظر کو بگاڑتا نہیں "اور بخشش بخشش" کی آواز بھی یہاں معدوم ہے۔

ایک دوسرے باغ کی سیر

آج سہ پہر میں نے اپنے مہربان شیوخ کے ساتھ پھر ایک باغ میں گزاری اور کچی کھجور کے گچھوں کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ یہ باغ کھجوروں کیلئے مشہور ہے۔ اس میں مختلف اٹھائیس قسم کی کھجوریں ہوتی ہیں جو دنیا بھر میں شہرت رکھتی ہیں۔ اس کے علاوہ انگور وانار بھی ہوتے ہیں۔ کھجوروں کی جیسی تعریف کی جاتی ہے درحقیقت ویسی ہی ہوتی ہیں مصر کی طرح یہاں نیچے کی شاخیں نہیں چھانٹتے اس وجہ سے زرد چمکدار شاخیں جنہیں کھجوریں لگتی ہیں آدمی کے ہاتھ کی برابر موٹی ہوتی ہیں۔ کھجوروں میں سب سے اعلیٰ درجے کی قسم عنبری و عجوہ ہے مگر یہ حوالیٔ مدینے کے باہر کبھی فروخت نہیں ہوتی۔ البتہ دوسری قسم کی کھجوریں مثلاً حلوہ برنی وغیرہ گزشتہ خوش حالی کے زمانے میں اسلامی دنیا

---

[1] اس زمانے میں مکہ و مدینہ میں حقہ یا ناریل پینا منع ہے۔ (محسن)

کے بازاروں میں دکھائی دی جاتی تھیں۔ کھجور وسط ماہ میں پکتی ہے اور اس کی تیاری کا زمانہ عربوں میں ہمارے ہاں کی فصلوں کے مثل بڑے تہوار کا موسم ہوتا ہے۔ اس وقت نیبو نارنگی کا موسم ختم ہو چکا ہے۔ کہیں کہیں ہرے ہرے پتوں میں اکا دکا دکھائی دے رہے ہیں۔ ایک سبز رنگ کا گرگٹ ہمارے سامنے سے بھاگا۔ یہ گویا ایک جیتا جاگتا زمرد تھا جو آنکھوں کے سامنے چمک گیا۔ ایک بلبل چہچہے کر رہی ہے۔ اس بہشت کا مالک یہاں نہیں ہے۔ اس کے چھوٹے چھوٹے بچوں نے سائبان میں ہمیں چائے پلائی اور شرماتے ہوئے ہمارے ساتھ بڑی خاطر سے پیش آئے۔ یہ بچے مدینے کے ایک مدرسہ میں پڑھتے ہیں اور مقررہ نصاب ان کو پڑھنا پڑتا ہے لیکن سب سے پہلے بچوں کو یہاں قرآن پڑھایا جاتا ہے اور اسلامی عقائد و روایات سے اچھی طرح واقف کرا دیا جاتا ہے۔ ابھی تک ان کے سلسلہ تعلیم میں کوئی غیر زبان شریک نہیں ہوئی ہے۔ حج کے زمانے میں تمام مدرسے بند رہتے ہیں۔ اس لئے آج کل ان کو تعطیل ہے۔ یہ کہتے ہیں تھوڑے دن بعد ان کو انگریزی شروع کرائی جائیگی صرف یہی ایک غیر زبان ایسی ہے جو یہاں کے مدرسوں میں پڑھائی جا سکتی ہے۔

اشاعت علم پر فرنگیوں کو مسلمانوں کا شکرگزار ہونا چاہیئے

پیغمبر صاحب کے احکام کی تعمیل میں عربوں نے ہمیشہ تعلیم پر بہت زور دیا ہے انھوں نے اپنی فتوحات کے زمانے میں ایشیا و افریقہ کے بڑے بڑے شہروں میں طب و ہیئت و تاریخ کے مدرسے قائم کئے تھے۔ بغداد تو حکما، علماء و شعرا کا گھر تھا۔ یورپ کو اسلام کا شکرگزار ہونا چاہیئے کہ اس نے دنیائے قدیم کے علموں کا ذخیرہ محفوظ کر دیا۔ پیغمبر صاحب نے فرمایا ہے:۔

"علم حاصل کرو۔ علم حق و باطل کی تمیز سکھاتا ہے۔ بہشت کے رستے میں چراغ کا کام دیتا ہے۔ ریگستان میں ہمارا رفیق ہے۔ تنہائی میں ہمارا مونس ہے بیکس کا غمگسار ہے۔ مسرت کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ مصیبت کے وقت تسلی دیتا ہے۔ دوستوں کیلئے زیور ہے۔ دشمن کے مقابلہ کیو اسطے ہتھیار ہے"

علم فلاحت و باغبانی و دباغت و طب میں ایک دنیا عربوں کی مرہون منت ہے جس زمانے میں اہل یورپ مُلّا۔ سیانوں اور پادریوں کے ہاتھوں میں پھنسے ہوئے جھوچھکا سے علاج کرایا کرتے تھے اس زمانے میں عرب دوائیں استعمال کرتے تھے۔ جس زمانے میں فرنگی زمین کو چپٹا تصور کرتے تھے اس وقت عربوں نے آلات پیمائش کے ذریعہ سے بحراحمر کے ساحل پر زمین کی شکل گول اور اس کے دور کی پیمائش معلوم کر لی تھی۔ انہوں نے دوربین بھی ایجاد کی تھی جو بڑی کامیابی و عمدگی کے ساتھ قاہرہ و مراغہ کی رصدگاہوں میں استعمال ہوتی تھی۔ کئی صدیوں کے بعد اسی دوربین کو فرانسس بیکن صاحب نے زیادہ مکمل شکل میں دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔

"عربوں نے ملاحوں کا قطب نما بھی ایجاد کیا تھا اور علم و تجارت کی دھن میں وہ آدھی دنیا کا بحری سفر کر چکے تھے۔ انہوں نے جزائر آزور دریافت کئے۔ اسپین میں چرخوں۔ نلوں اور نہروں کے ذریعے سے آبپاشی کا طریقہ رائج کیا۔ وہ زمین جو عربوں کے زمانے میں زرخیز اراضی تھی۔ آج بنجر پڑی ہوئی ہے۔ عربوں کی عورتیں بھی تعلیم و تربیت میں ان سے پیچھے نہ تھیں بلکہ وہ بھی علم و فن کی ویسی ہی متلاشی تھیں جیسے کہ ان کے بھائی اور شوہر۔ وہ علم طب و علم فقہ کی بڑی بڑی سندیا

حاصل کر لی تھیں اور تہذیب و شائستگی کی رونق بڑھانے میں حصہ لیتی تھیں۔ عورتوں کی تعلیم کیلئے کالج اور کتب خانے علیحدہ تھے۔ بعض مشہور خواتین نے دمشق و قاہرہ میں بیماروں کیلئے شفا خانے۔ بے گھروں کیلئے گھر۔ یتیموں کیلئے یتیم خانے اور اپنی بہنوں کے واسطے یونیورسٹیاں قائم کرنے میں اپنی کثیر دولت صرف کی تھی۔

قرآن و اسلام نے ہی عربوں کے دلوں میں وہ روح پھونک دی تھی کہ انہوں نے سکندر اعظم اور رومیوں سے زیادہ ممالک فتح کر لئے اور پھر لطف یہ ہے کہ جن ملکوں کی تسخیر میں رومیوں کے سینکڑوں برس صرف ہوئے تھے عربوں نے ان کی فتح میں عشر عشیر بھی وقت خرچ نہ کیا۔"

"اسلام ہی وہ مشعل ہدایت تھی جسے لے کر عرب یورپ میں شاہانہ شان سے داخل ہوئے۔ اور یہ فخر تمام سامی اقوام میں صرف انہیں کو حاصل ہے۔ ورنہ اہل فنوشیا تاجر بن کر آئے تھے۔ اور یہودی پناہ گزینوں کی حیثیت سے گھسے تھے۔ عرب یورپ میں اسپین والوں کو انسانیت کا رستہ بتانے۔ علم و عقل سکھانے۔ فلسفہ۔ طب۔ ہیئت و موسیقی وغیرہ کی تعلیم دینے اور ان کو مُردوں میں سے نکال کر زندوں میں شامل کرنے کیلئے آئے تھے۔ انہوں نے اہل اسپین کو موجودہ سائنس کے حلقے میں شریک ہونے کے قابل بنا دیا اور اس دن پر آنسو بہانے کیلئے چھوڑ گئے جب کہ غرناطہ تباہ ہوا۔[1]"

---

[1] Deulsch

آنحضرت کا ایک بڑا معجزہ

محمد صلعم سے قبل عرب بت پرست تھے۔ لڑکیاں زندہ دفن کی جاتی تھیں اور طرح طرح کی برائیوں میں مبتلا تھے۔ فی الحقیقت پیغمبر عربی کا یہ کام معجزے سے کچھ کم نہیں ہے کہ انہوں نے ایک ایسے ملک کو جو جہالت میں ڈوبا ہوا تھا مجرمانہ حالت کے قعر مذلت سے نکال کر اعلیٰ درجے کی فرائض شناس پابند مذہب اور متمدن قوم بنا دیا۔ کیسی قوم جس نے آپ کی وفات کے بعد تھوڑے ہی دنوں میں دنیا کو فتح کر کے اہل دنیا کو تہذیب و علم وفضل وکمال کا رستہ دکھا دیا۔ اور اسلام ایک سمندر سے دوسرے سمندر تک پھیل گیا۔

مسلمانوں کے تنزل کے اسباب

جب عرب عیش وعشرت میں مبتلا ہو گئے اور اپنے اچھے صفات انہوں نے باقی نہ رکھے اُسی وقت سے وہ اپنے بلند درجے سے گر گئے۔ مال و دولت کی افراط نے انہیں تباہ کر دیا۔ اپنے پیغمبر کی تعلیم کو وہ بھول گئے حسد اور آپس کی نااتفاقیوں نے ان کو کمزور دیا یہاں تک کہ یورپ میں انہوں نے جو کچھ بڑی مشکل سے حاصل کیا تھا اور جس پر وہ عرصہ دراز تک قابض رہے تھے سب کھو دیا۔ آج اس بات کے جاننے والے بہت کم ہیں کہ عرب سات سو برس سے زیادہ مدت تک بڑی عظمت وشان کے ساتھ اسپین پر حکومت کر چکے ہیں۔

مسلمانوں کا اسپین سے اخراج عیسائیوں کے مظالم

آخر آخر میں عربوں کے حاکم خلفائے بنی اُمیہ اخلاق وعادات میں اس درجے گھٹ گئے تھے کہ اُن میں نہ عزم بالجزم باقی رہا تھا اور نہ وہ مردانہ صفات جو حمیت اسلامی نے ان میں

پیدا کردیے تھے اور جن کی بدولت دنیا بھر میں ان کی شہرت تھی۔ یہ خلیفہ اپنے ہی قدح کی خیر منانے والے تھے۔ رعایا کو ان پر اعتماد نہ تھا۔ جنگ ٹور میں جو ان کو شکست ہوئی اُس کا زیادہ تر سبب وہی ریگستان کا باہمی حسد و نفاق تھا جو مال غنیمت کی تقسیم کے وقت نمودار ہوا۔ حالانکہ فتح ان کی ہو چکی تھی رفتہ رفتہ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے فاتحین کے ہاتھوں سے طرح طرح کے عذاب جھیل کر اسپین سے نکال دیے گئے۔ فاتحوں کے علوم و فنون کے اُن خزانوں کو جو خلفاء نے صدیوں میں جمع کئے تھے نذر آتش کر دیا۔ مسلمان مردوں۔ عورتوں۔ بچوں کو بے رحمی کے ساتھ قتل کیا۔ زندہ جلا دیا۔ لونڈی غلام بنا کر بیچ ڈالا۔ جو زیادہ سخت جاں تھے وہ روٹی کپڑے سے محتاج ہو کر بھیک مانگنے افریقہ کی طرف نکل گئے۔ اسپین کی وہ زمین جس کو عربوں نے گل و گلزار بنا دیا تھا۔ نالائق اسپین والوں نے اُسے ریگستان کر دیا۔ آبپاشی کے وہ ذرائع جو بڑی ہنر مندی کے ساتھ ملک کو زرخیز بنا دینے کیلئے عمل میں لائے گئے تھے وہ سب برباد ہو گئے۔

خلافت عباسیہ کا عہد زرین

اسی زمانہ میں عباسی خلیفہ مغربی ایشیاء کے بڑے حصے پر حکمراں تھے ان کا پایہ تخت بغداد تھا۔ اُس زمانے میں خوبصورتی و عظمت کے اعتبار سے اس شہر کا جواب نہ تھا۔ یہ دجلہ کے دونوں کناروں پر آباد تھا۔ اس کے معلق باغ عظیم الشان مسجدیں۔ اس کا شہرۂ آفاق کتب خانہ اور محلات ضرب المثل تھے۔ وہاں ایسی خوشحالی تھی کہ دنیا کو نہ اُس سے قبل ویسی نصیب ہوئی تھی اور نہ اس کے بعد۔ یہ حالت کوئی ایک سو برس تک رہی۔ یعنی طاقتور خلیفہ منصور۔ الف لیلہ کے ہیرو ہارون الرشید۔ مامون و واثق کے زمانے تک۔ دراصل یہ زمانہ عباسی حکومت کا عہد زرین اور حقیقی

شان وشکوہ وترقیات علمی کا زمانہ تھا۔

ہارون الرشید دیگر صفات کا حامل ہونے کے علاوہ بڑا شہسوار بھی تھا چوگان خوب کھیلتا تھا۔ یہ کھیل ایرانیوں نے ایجاد کیا ہے۔ ہارون کے لائق لڑکے مامون کی فرصت کا وقت ریاضی وہیئت کے مطالعہ کیلئے وقف تھا۔ اُس زمانے میں متمول اشخاص گھڑدوڑ بھی کیا کرتے تھے۔ شکار اور کشتی کے مقابلے بھی ہوا کرتے تھے۔ شیر کا شکار چیتوں سے کرایا جاتا تھا جو خاص اسی غرض سے پالے جاتے تھے۔ ان کے علاوہ گھریلو کھیل شطرنج۔ کعبتین۔ گنجفہ وغیرہ علیحدہ تھے۔

ایک زبردست فوج ہر وقت تیار رہتی تھی جس میں ہر مضبوط و توانا شخص ملازمت حاصل کرسکتا تھا۔ اس کے علاوہ بحری فوج بھی تھی جس میں زیادہ تر بصرہ وبحرین کے دریائی علاقوں کے باشندے بھرتی کئے گئے تھے۔ بہت سی مشہور فتوحات کا سہرا اسی فوج کے سر ہے۔ منجملہ اس کے جزیرہ قبرص کی فتح بھی ہے جو عربوں نے رومیوں سے لیا تھا۔ دریائی بیڑے کا کمانڈر امیر الما (امیر البحر) کہلاتا تھا۔ جس سے ہمارا انگریزی لفظ اڈمرل بنا ہے۔ سلطنت کے مصارف بھی زبردست تھے آمدنی زیادہ تر محاصل اراضی وکارخانہ جات۔ نمک اور درآمد شدہ مال کی ہوتی تھی کچھ دنوں سامان تعیش وتفریح پر بھی ٹیکس لیا گیا۔

خلافت عباسیہ کا زوال

لیکن روم وایران کی بُری عادتیں ان پر حملہ کر رہی تھیں۔ ان نامور خلفاء کے جانشین اکثر کمزور عیش پرست اور خودرائے ہوئے اور انہوں نے رومیوں کی طرح عیش پرستی میں پڑکر جفاکشی کے بدویانہ صفات زائل کردیئے۔ جن عربوں کو یہ رفتار واقعات اور یہ طرز

زندگی ناپسند تھا اور جو تخت شاہی کے ماحول اور اس کی شان و شکوہ و فضول خرچی سے متنفر تھے وہ روز افزوں تعداد میں اپنے ریگستانوں کی سادہ و صحت بخش زندگی کی جانب مائل ہو گئے یا حرین کی طرف نکل گئے اور اپنے پیچھے مختلف قوموں کی ایک ایسی آبادی چھوڑ گئے جو اس عیش و عشرت کے زمانے میں اور بھی زیادہ عیش پسند اور بزدل ہو گئی تھی اور جس میں ایرانیوں اور شامیوں کا عنصر غالب تھا اور جن کی حالت بد سے بدتر ہو گئی تھی۔ اہل دربار باوجود اسلام کی ممانعت کے شراب پیتے تھے۔ یونان و قسطنطنیہ سے جو اُس زمانے میں موسیقی کے مرکز تھے گانے بجانے والے بلائے جاتے تھے۔ رات رات بھر مے نوشی کے جلسے ہوتے رہتے تھے۔ انہیں دنوں میں چنگیز خاں کا ٹڈی دل لشکر عباسیوں کی مشرقی سرحدوں کو تباہ کر رہا تھا اور عربوں کی فوج کا بڑا حصہ اپنی مغربی سرحدوں کو بچانے کیلئے صلیبی حملہ آوروں کی مدافعت میں مصروف تھا۔ ایسی حالت میں تاتاریوں کے حملے کو کون روک سکتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یونیورسٹیاں غارت کر دی گئیں۔ طالب علموں اور پروفیسروں کا قتل عام کیا گیا۔ بیش بہا ادبی ذخیرہ آگ میں جھونک دیا گیا۔ وہ خزانے جو پانسو برس میں جمع ہوئے تھے اُن سے ہمیشہ ہمیش کیلئے بنی آدم محروم ہو گئے۔ ملک کو زرخیز بنانے والے ذرائع آبپاشی مٹا دیئے گئے۔ چھیالیس دن تک بغداد کی گلیوں میں انسانی خون بہتا رہا۔ عظیم الشان مسجدیں اور خوبصورت محل زمین کی برابر کر دیئے گئے۔ خلیفہ اور اسکا خاندان بڑی بے رحمی کے ساتھ قتل کیا گیا اس طرح خاندان عباسیہ کا خاتمہ ہو گیا اور عراق پر مغل قابض ہو گئے[1] لیکن ایک

---

[1] ۔ یہ لطیفہ غیبی بھی قابل ملاحظہ ہے کہ ان وحشی تاتاریوں نے بغداد کی اس سفاکانہ تباہی کے چند روز بعد اسلام قبول کر لیا۔ اور علوم و فنون کے زبردست حامی بن گئے ۔ (محسن)

ہی پشت کے بعد ایران کی بغاوت نے حملہ آوروں کو پسپا کر دیا۔ عرب اپنی موروثی قابلیت کے باعث اس ضرب سے سنبھل گئے۔ انہوں نے بغداد کو تعمیر کرنا اور اپنی اراضی کو پہلی حالت پر لانا شروع کر دیا۔

آل عثمان دنیا کی تماشا گاہ پر

اس کے بعد ترکان عثمانی تماشا گاہ عالم پر آئے۔ کمزور عربوں سے خلافت لے لی اور سلطنت عثمانیہ کی بنیاد ڈالی۔ یہ سلطنت کئی سو برس تک جاہ و جلال کے ساتھ قائم رہی۔ اس نے اسلام کی تعلیم کے مطابق علم و فن کی اشاعت کی اڈریانوپل و استنبول میں یونیورسٹیاں قائم کیں آخر الذکر شہر بعد میں ترکوں کا دار السلطنت بھی ہو گیا۔ اور وہاں ایسی ایسی خوشنما مسجدیں اور محلات تعمیر ہوئے جو فن تعمیر کے شاہکار تھے۔ ترکی کے بعض بادشاہ بھی نامور شاعر گزرے ہیں جو علماء و فضلاء و حکمائے اسلام کی بڑی قدر کرتے تھے۔ اسی وجہ سے مختلف ممالک کے باکمال اشخاص کھنچ کر سلطنت عثمانیہ میں چلے گئے تھے۔ لیکن ایسی سلطنت میں انتظام قائم رکھنا جس کی حدود بعید وسیع تھیں اور جہاں بہت سی مختلف قومیں اور مختلف مذاہب کے لوگ بکثرت آباد تھے ترکوں کیلئے بڑا پیچیدہ مسئلہ تھا۔ رفتہ رفتہ ان کو زوال ہوا اور ان کو خبر بھی نہ ہوئی کہ ان کی سلطنت کی جڑ کھوکھلی ہو رہی ہے۔ ترک اگرچہ بڑے بہادر سپاہی تھے۔ لیکن ان کا طریقۂ جنگ قدیم اور ان کے آلات حرب اس قدر پرانے تھے کہ میدان کارزار میں اپنے متعدد دشمنوں کے متحدہ حملوں کی تاب نہ لا سکے مگر وہ بڑے جوشیلے محب وطن تھے انہوں نے اپنے کھوئے ہوئے مقبوضات کو واپس لینے کی کوشش کی اور اس وقت جب کہ دنیا ان کو بے جان سمجھ رہی تھی انہوں نے یونانی فوج کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اور ان کو ایشیائے کوچک سے باہر نکال کر دیا

یورپ کو حیرت میں ڈال دیا۔ اس ہولناک امتحان میں پڑنے کے بعد اب وہ اپنے مستقبل کا بڑی بہادری اور استعماری حکمت عملی کے ساتھ انتظار کر رہے ہیں جس کی وجہ سے دنیا کو ان کے ساتھ ہمدردی پیدا ہو جائے گی۔

علماء کی سیاہی شہیدوں کے خون سے زیادہ پاک ہے

"علماء کی سیاہی شہیدوں کے خون سے زیادہ پاک ہے" پس مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ جہالت کے بادلوں کو جو ان پر چھائے ہوئے ہیں پھاڑ دیں۔ اور پیغمبر صاحب کے مذکورۂ بالا فرمان کے بموجب علم حاصل کریں جس سے امید ہے کہ اسلام انسانیت کے زخموں کے مندمل کرنے میں مدد کر سکے گا۔

اس مبارک سرزمین پر ہمارے قیام کا آج آخری دن ہے اس لئے ہم زیادہ دیر تک اس باغ میں گلگشت نہیں کر سکتے۔ روانگی کا ابھی سب کچھ انتظام باقی ہے۔ اب ہم اپنے چھوٹے میزبانوں سے رخصت ہو کر شہر کا رستہ لیتے ہیں۔ کل سہ پہر کو ہم جدے روانہ ہو جائیں گے۔

مرقد منورہ سے رخصت

۲۳/مارچ ۱۹۳۳ء:۔ مدینے سے روانہ ہونے کے پیشتر آج صبح میں اپنے مزوّر کے ساتھ مسجد نبوی میں آخری نماز اور روضۂ اقدس پر الوداعی سلام و فاتحہ پڑھنے کیلئے گئی۔ دھوپ کی چمک میں تانبے کے عالیشان سبز گنبد پر جو نیلے آسمان کے مقابلے میں خوشنمائی کے ساتھ رنگا گیا ہے میں نے پھر نظر ڈالی۔ اس رنگ کو دیکھ کر میرے دل میں خوشی کی لہریں اٹھتی ہیں۔ یہ فن تعمیر کی انتہائی موزونیت کے لحاظ سے بنایا گیا ہے۔ اس کے ساتھ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی مینار نے اس تصویر کی دلکشی میں اور جان ڈال دی ہے۔ مسجد سے میں گھر آئی اپنی

میزبان سے باتیں کرتی رہی اور ان کی مہربانی کا شکریہ ادا کیا۔

نماز جمعہ مسجد نبوی میں آج جمعہ ہے دوپہر کی نماز بھی مجھے مسجد میں پڑھنی ہے۔ اس کے بعد جدے روانہ ہوں گی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ میں رستے ہی میں سوؤں گی اور توشہ بھی ساتھ رکھنا ہوگا۔ اذان سن کر میں مسجد کو چلی۔ مصطفےٰ میری جانماز لئے ساتھ تھا۔ یہ جانماز میں نے اپنی میزبان سے مانگے لے لی ہے۔ باب مجیدی کے باہر میں نے امیر مدینہ کے خوبصورت باڈی گارڈ کے دستے کو دیکھا۔ یہ اس وقت امیر کی سواری کیلئے رستے کا انتظام کر رہا تھا۔ میں عورتوں کے جنگلے میں پہونچ گئی۔ مصطفےٰ جانماز بچھا کر باہر چلا گیا۔ یہ حصہ ہر طبقے کی عورتوں سے بھرا ہوا تھا۔ یہاں دو اغوات[1] نگرانی و انتظام کر رہے تھے۔ اگرچہ عورتیں روضے میں بھی نماز پڑھتی ہیں اور آنحضرت صلعم کی قبر پر بھی سلام عرض کرتی ہیں لیکن ان کے لئے مسجد کے صحن میں ایک علٰحدہ جگہ بھی ہے جو خصوصاً جمعہ کے دن انہیں کیلئے مخصوص کر دی جاتی ہے۔ یہاں وہ ظہر کی نماز پڑھتی ہیں پھر ادھر ادھر بیٹھی باتیں کرتی رہتی ہے۔ ان کے بچے جو نماز کے وقت مٹی کے تیلوں کی طرح خاموش بیٹھے رہتے ہیں۔ نماز کے بعد کھیلنے کودنے لگتے ہیں۔

خواجہ سرا مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس مسجد میں ہمیشہ سے پچاس اغوات متعین رہا کرتے تھے کہتے ہیں کہ پہلے پہل سلطان صلاح الدین صلیبی جنگوں کے مشہور بہادر نے مسجدوں میں اغوات مقرر کئے تھے اس زمانے میں جب کوئی آغا

---

[1] اغوات آغا کی جمع ہے۔ خوجوں کو تعظیماً آغا کہتے ہیں۔ اغوات کی مفصل تاریخ قبلہ گاہی صاحب کی تاریخ مزارات حرمین میں ملاحظہ ہو۔ (محسن)

مرجاتا ہے تو کوئی دوسرا اس کی جگہ بھرتی نہیں ہوتا۔ اس لئے اب کوئی تیس یا اس سے بھی کم خوجے یہاں رہ گئے ہیں یہی حالت رہی تو چند سال میں ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے گا۔

۱۲۵ھ ہجری میں ولید ثانی خلیفہ بنی امیہ نے رومیوں کے دستور کے مطابق محلات میں خوجے مقرر کئے تھے۔ یہ طریقہ بہت سے ملکوں میں اب بھی جاری ہے کسی زمانے میں خوجوں کی خوفناک تجارت یونانیوں کے ہاتھوں میں تھی اور وہ اپنے فائدے کیلئے ان ستم رسیدہ بدنصیب خوجوں کو ملکوں ملکوں بھیجا کرتے تھے۔ اگرچہ خلیفہ ولید کے اس عمل کو عربوں نے ابتداء میں سخت نفرت سے دیکھا مگر ان قسمت کے ماروں کو محلات میں متعین کرنے کی رسم باقی رہ ہی گئی۔ امیروں کے ہاں خوجے عورتوں کی عزت و ناموس کے محافظ ہوا کرتے تھے اور محلات کے قابل اعتماد مخبر سمجھے جاتے تھے۔ بعض اوقات وہ اپنی خدمات کے صلے میں بڑی دولت بھی جمع کر لیا کرتے تھے۔ ولید ثانی پر خوجوں کو محلات میں متعین کرنے ہی کا الزام نہیں ہے بلکہ اس نے بعض اور معاملات میں بھی احکام قرآنی کی تعمیل نہیں کی۔ وہ شراب اور عمدہ لباس کا دیوانہ تھا۔ بہترین ریشمی ملبوسات زیب تن کرتا تھا۔ ہر روز نئے نئے قیمتی جواہرات کے مالے پہنتا تھا۔

اسلامی مساوات کا ایک منظر

آج جمعہ کا خطبہ بھی ہے اس لئے نماز دیر تک ہوگی۔ خطبہ ختم ہو گیا اب میں اپنے ارد گرد دیکھ رہی ہوں۔ یہاں میں نے برقع اتار دیا ہے اور اس وقت میرے سامنے انتہادرجے کا موثر منظر ہے۔ یہ وسیع مسجد ہر اسلامی ملک کے نمازیوں سے بھری ہوئی ہے۔ بخارا

و نائیجریا کے اُمرا۔ ہندوستان کے رئیس۔ بڑی بڑی داڑھیوں والے۔ روسی۔ مصر و ٹرکی کے پاشا سب ان مفلس و قلاش حاجیوں کے کندھے سے کندھا بھڑائے کھڑے ہیں جو بیچارے اپنی عمر بھر کی ساری جمع جتھا خرچ کرنے کے بعد اس منزل مقصود تک پہونچے ہیں۔

آس پاس کی عورتیں مجھے غور سے دیکھ رہی ہیں اور طرح طرح کے سوال کر رہی ہیں۔ کوئی میرا خاندان دریافت کر رہی ہے۔ کوئی پوچھ رہی ہے کہ کیا تم اکیلی ہی آئی ہو جب میں ان سے کہتی ہوں کہ میں دور شمال کے ملک کی رہنے والی ہوں تو وہ یہ سمجھتی ہیں کہ میرا وطن ٹرکی ہے۔ اس سے آگے ان کے خیالات نہیں پہونچتے کہ ٹرکی سے بھی آگے اُتّر میں کوئی اور ملک ہے۔ دو جوان ترکی عورتیں آکر مجھ سے باتیں کرنے لگیں مگر میں ان کی بولی نہیں سمجھتی۔ آخر ایک اور عورت بیچ میں آگئی وہ سمجھی کہ میرا گھر لندن میں ہے۔ یہ شام کی رہنے والی ہے۔ اس کا شوہر انگلستان کا سفر کر چکا ہے یہ اس بات سے بڑی خوش ہو رہی ہے کہ میں اتنے دور دراز ملک کی رہنے والی مسلمان ہوں اور میرے ہاتھ چوم کر اظہار محبت کر رہی ہے دوسری عورتوں نے بھی مجھے تماشا بنا لیا ہے۔ چونکہ کچھ کچھ بہت ہونے لگی۔ اس لئے میں نے جلدی سے خوش اخلاقی کے ساتھ ان سے پیچھا چھوڑا لیا۔ مجمع بہت زائد تھا گڑبڑ میں مصطفٰے مجھ سے چھوٹ گیا۔ میں نے اپنی جانماز مسجد کے دروازے پر کفش کن کے پاس رکھوا دی اور جلدی سے گھر پہونچی۔ ابھی سامان کی باندھا بوندھی باقی ہے۔

مسجد کے دروازے پر کفش کن مجھے حیرت ہے کہ یہ بھلا آدمی ہزاروں جوتوں کی پہچان کس طرح رکھتا ہے۔ میں نے دیکھا کہ

یہ جوتے اٹھا اٹھا کر ایک بڑی الماری کے چوڑے چوڑے خانوں میں رکھتا جاتا ہے اور واپسی کے وقت جس کا جوتا اُس کے حوالے کرتا ہے۔ میرا جوتا تو آسانی سے پہچانا جا سکتا ہے۔ اس کی شکل و وضع سب سے الگ ہے اور چمڑا بھی جدا ہے اگر اس کو پڑھنا آتا تو میرے جوتے کے اندر کی عبارت سے یہ اتنا سمجھ لیتا کہ یہ عربی نہیں ہے۔ بغیر ایڑی مشرقی جوتے مجھے تو ایسے ناقابل شناخت معلوم ہوتے ہیں جیسے گلّہ کی بھیڑیں مگر کوئی شکایت نہیں کرتا کہ اس کا جوتا بدل گیا اُس کا کھو گیا مجھے اس خیال سے وحشت ہوتی ہے کہ لندن کی کسی دعوت میں اگر ہمارے کوٹوں پر احتیاط کے ساتھ ٹکٹ نہ لگائے جائیں تو خدا جانے ان کا کیا حشر ہو۔ یہاں جوتوں کے ملنے میں تو بھلے ہی دیر ہو جائے مگر یہ ممکن نہیں کہ یہ ایک سی صورت کے جوتے کسی غیر کے پاؤں میں چلے جائیں۔

مصطفٰی گھر پہنچ گیا وہ کسی قدر پریشان تھا مگر مجھے دیکھ کر خوش ہو گیا۔ اُس نے مجھ سے کہا کہ جو جگہ ملنے کی مقرر کیگئی تھی وہاں تھوڑی دیر راہ دیکھنے کے بعد میری تلاش میں وہ عورتوں کے جنگلے میں گھس گیا۔ یہاں عورتیں جو برقعے اتارے بیٹھی تھیں چاروں طرف سے بے دے کرنے لگیں۔ اور ایک خوجے نے بھی اسے دھتکارا تو یہ الٹے پاؤں واپس آگیا۔ مصطفٰی جیسے بھلے آدمی کیلئے یہ بہت بڑی بات ہوئی۔ مسجد کے دروازے پر کفش کن نے جتا کر میری جا نماز اُس کو دیدی تھی اور میرے گھر چلے جانے کے متعلق بھی اس سے کہہ دیا تھا۔ میں نے مصطفٰی سے کہا کہ جلدی سے کھانا کھا لو۔ میں اس کا انتظار کئے بغیر پہلے ہی کھا چکی تھی جس کیوجہ سے مجھے کچھ لحاظ بھی معلوم ہوا۔ مدینے سے واپسی دل کو تکلیف اب مجھے جدے کے طویل سفر کی فکر ہے۔

میرے کچھ ملاقاتی بھی مجھے رخصت کرنے کیلئے زینے کے نیچے ٹھیرے ہوئے ہیں۔اب میں اپنے میزبان۔ اُن کی بیوی۔ مزوّرا اور دونوں شیوخ سے رخصت ہو رہی ہوں مدینے چھوڑنے سے میرے دل کو تکلیف ہو رہی ہے۔ کیا ان لوگوں سے مجھے پھر بھی کبھی ملنا نصیب ہوگا۔ سید احمد صاحب نے مجھے حجاز کے نایاب ٹکٹ تحفہ دیئے۔ ان کو اس قسم کی چیزیں جمع کرنے کا بڑا شوق ہے۔ میں نے اسٹینلی گبنس کی سال حال کی کیٹلاگ ان کو بھیج دینے کا وعدہ کیا ہے۔ ان کے پاس چار سال قبل کی ہے۔ موٹر آہستہ آہستہ چل رہی ہے۔ ہاتھ ہلا ہلا کر ایک تبہ اور میں ان ملاقاتیوں سے رخصت ہو رہی ہوں جنکو دس دن پہلے جانتی بھی نہ تھی لیکن یہ میرے ساتھ اس قدر مہربانی و عنایت سے پیش آئے ہیں کہ مجھے ان کی یاد برسوں رہے گی۔ مدینہ صرف اپنی مقدس یادگاروں ہی کی وجہ سے نہیں بلکہ اُسی دلچسپی اور اُس اطمینان قلب کی وجہ سے بھی جو مجھے یہاں حاصل ہوا میرے دل پر نقش ہوگیا ہے۔

منزل مساجد عربی حساب سے کوئی آٹھ بجے دن کے ہم مدینے سے نکلے اور گرمی اور دھوپ میں چلتے رہے۔ مغرب سے ذرا قبل مساجد پہونچے یہاں چائے پی کر تازہ دم ہوگئے۔ موٹر میں پانی ڈالا اور وادی و کوہسار میں آگے بڑھے۔

لیٹروں کی کایا پلٹ رستے میں ہم نے یہاں کے مصیبت زدہ رہنے والوں کو جھرّیوں دار ہاتھ بھیک مانگنے کیلئے پھیلائے ہوئے دیکھا معلوم ہوا کہ یہ لیٹرے ہیں پیشتر حاجیوں کا شکار کیا کرتے تھے۔ اب پانسہ پلٹ گیا جن لوگوں کو پہلے یہ بے شرمی کے ساتھ لوٹا کرتے تھے۔ اب شکریہ کے ساتھ ان سے خیرات لیتے ہیں۔

ریگستان میں کھانا

جب پہاڑوں پر تاریکی چھانے لگی ہم ایک کھلی جگہ ٹھیر گئے۔ پانی نہ تھا ہم نے ریت سے تیمّم کرکے نماز پڑھی پھر مرغ کے ٹھنڈے سالن سے کھانا کھایا۔ زمین ہماری میز تھی اور جھلملاتے تارے چراغوں کا کام دے رہے تھے۔

پیاسے مسافر

ہم جنوب کی طرف چلتے رہے۔ رستے میں اونٹوں کے ایک خاموش قافلے پر سے گزرے اور ایسے زائر بھی ہم کو ملے جن سے تکان کے مارے چلا نہیں جا رہا تھا۔ انہوں نے پانی کیلئے اپنے گلاس ہمارے سامنے بڑھائے۔ ہم نے ان کو کچھ پانی دیا آخر مصطفٰے کہنے لگا کہ ہمارے لئے ذرا بھی نہ رہیگا۔

صحرا میں نیند

میری آنکھیں بند ہوئی جا رہی ہیں۔ سر جھکا پڑ رہا ہے۔ اب آگے چلنے کی مجھ میں سکت نہیں ہے۔ موٹر ٹھیرتی ہے۔ زمین پر ہم کمّل بچھاتے ہیں۔ دکھن کی طرف صلیب تارا[1] نظر آرہا ہے۔ کہکشاں میں ایک دنیا دکھائی دے رہی ہے۔ مشتری۔ زحل اور دوسرے تارے جگمگا رہے ہیں۔ میرا سر تکئے پر ٹکتا ہے اور اب میں سو گئی۔

صبح کے وقت ریگستان کا سماں

۲۴ مارچ ۱۹۳۳ء۔ دن نکلے ہم جاگے اور چل کھڑے ہوئے رات کو زور کی شبنم برسی۔ مجھے حیرت ہوئی۔ میرا کمّل بھیگ گیا۔ میرا چہرہ۔ بال۔ تکئے سب بھیگے ہوئے ہیں۔ نور کے تڑکے ریگستان کا منظر بہت ہی بھلا معلوم ہوتا ہے۔ سورج عرب کی پہاڑیوں سے طلوع ہوا۔ وادیوں کے مدھم سایہ کو اس نے گہرے نیلے رنگ میں تبدیل کر دیا اور ریتیلے نشیب و فراز کو سنہری لہریں

---

[1] یہ کوئی سات تارے ہوتے ہیں جن سے صلیب کی سی شکل بنجاتی ہے۔ ہندستان میں اس کو ہرنی تارا کہتے ہیں۔ (محسن)

بنا دیا مگر ان میں تموج نہیں ہے۔

رابغ

دن نکلے ہم رابغ پہونچے۔ چائے پی۔ پاسپورٹ دکھائے اور موٹر میں پٹرول ڈالا ہم نے دو تہائی سفر طے کر لیا۔ اب ہم حدودِ حرم سے باہر ہو گئے۔ ہم جلدی کر رہے ہیں کہ دھوپ تیز ہونے سے پہلے ہمارا سفر ختم ہو جائے صبح کی خنکی باقی نہیں رہی اور اب ہم پھر بے رحم سورج کے ہاتھوں میں ہیں۔

ریگستانوں میں گرمی کا اثر دماغ پر

گرمی کی وجہ سے دماغ مختل ہو گیا ہے۔ مجھے ایک جھیل سی سامنے نظر آ رہی ہے جس میں سے کہیں کہیں چٹان اپنا سر اٹھائے ہوئے ہیں۔ برج دار قلعے اور لمبے لمبے کھجوروں کے درخت دکھائی دے رہے ہیں کبھی کبھی نیلے ابر میں بہتے ہوئے جہازوں کی ایک جھلک دکھائی دے جاتی ہے جو ایک نامعلوم دنیا میں گم ہو جاتے ہیں۔ اس خیالی جھیل میں کبھی کبھی پانی کی لہریں بھی نظر پڑ جاتی ہیں۔ گندمی رنگ کی ریتی میں ہم بڑھے چلے گئے اور سراب ہمارے آگے آگے برابر ناچتا رہا۔ اب ہم بحرِ احمر کے قریب ہوتے جا رہے ہیں۔ کہیں کہیں اُس کے نیلے پانی کی جھلک بھی دکھائی دے جاتی ہے۔ اس وقت یہ تمیز کرنا مشکل ہے کہ سمندر کونسا ہے اور سراب کونسا۔ آخر صحرائے ناپید اکنار میں یہ معلوم ہوا کہ پانی میں سے پریوں کا ایک شہر نمودار ہو گیا اور جدے کے اونچے اونچے مکان اور مینارے دکھائی دینے لگیں۔ اب اصلی جہاز اصلی سمندر میں تیر رہے ہیں۔ باب مدینہ پر پاسپورٹ دینے کیلئے ہم چند منٹ ٹھیرے اور دوپہر کے کچھ بعد بیت البغدادی میں داخل ہو گئے۔

مکہ

حصّۂ اوّل

مکہ

حصۂ اول

۲۵/مارچ :- کل عصر کے بعد ہم مکے روانہ ہوں گے۔ فاصلہ کوئی پینتالیس میل ہے۔ مغرب سے پہلے وہاں پہنچ جائیں گے۔ میرا احرام سامنے نکلا رکھا ہے۔ غسل کرکے میں سفید کرتا پہنوں گی اُس پر نیچی نیچی سفید عبا۔ سر پر سفید قصابہ اس طرح لپیٹوں گی کہ بال نظر نہ آئیں۔ چہرے کے سامنے ایک سوراخ دار حصیر کا ٹکڑا رکھ لوں گی۔ اس حصیر میں سفید کپڑے کا لمبا نقاب ٹکا ہوا ہے جو گھٹنوں تک پہنچتا ہے۔ اس میں سے دکھائی بھی دیتا ہے اور سانس بھی اچھی طرح لے سکتے ہیں۔ ان سب کے اوپر سفید برقع اوڑھ لوں گی جو بالکل ویسا ہی ہے جیسا میں نے مدینہ میں استعمال کیا تھا۔ صرف رنگ کا فرق ہے۔ وہ کالا تھا یہ سفید ہے۔ سیاہ لباس سے مجھے یہ سفید ٹھنڈا معلوم ہو رہا ہے۔ ہاں اپنے ریتے ہوئے ناخن چھپانے کیلئے دستانے بھی پہن لونگی حالت احرام میں ناخن تراشنے کی ممانعت ہے۔

۲۶/مارچ :- بندرگاہ جدہ میں آج صبح آٹھ جہاز آئے تھے۔ یہاں یہ سماں صرف موسم حج ہی میں دکھائی دے جاتا ہے۔ حاجیوں کو عربی کشتیوں میں سوار ہوتے دیکھنے کیلئے میں ایک ملاقاتی کے ساتھ جہازوں کے لنگر انداز ہونے کے مقام پر پہنچی یہ کشتیاں ان کو کنارے پہنچاتی ہیں۔ جس وقت ملاح منزل کے قریب پہنچ جاتے

ہیں تو بادبانوں کو لپیٹنے کیلئے اونچے اونچے مستولوں پر بندر کی طرح چڑھ جاتے ہیں
آج سوڈانی آئے ہیں۔ مدینے جانے سے پہلے میں نے جاویوں کو خوشنما لباس
زیب تن کئے جہازوں سے اترتے دیکھا تھا۔ ان کی عورتیں تیتریوں کی طرح رنگ
برنگ کے کپڑوں سے ملبوس تھیں۔ ایک دفعہ میں نے ایک اور جہاز بھی دیکھا جس
سے نائجیریا کا ایک امیر آیا تھا۔ اس کے ساتھ ملازمین وغیرہ پچاس آدمی تھے۔ اور
اس کے چالیس لڑکوں میں سے تین لڑکے بھی ہمراہ تھے۔

مکے کو روانگی میں نے غسل کرکے احرام باندھا اور عربی حساب سے کوئی نو بجے
(تین بجے شام کو) مکے روانہ ہوئی۔ پنتالیس میل طے کرنے میں ہم
کو دو گھنٹے لگے اور مغرب سے پہلے ہم مکے پہنچ گئے۔ رستہ میں ہم کو حاجیوں کے غول
کے غول ملے جو پیادہ یا گدھوں پر۔ اونٹوں پر اور ان ہڈی توڑ موٹروں میں چلے
جا رہے تھے جن میں سفر کرنا بڑے ہی مضبوط آدمیوں کا کام ہے۔ پندرہ میل ریگستان
میں چلنے کے بعد ہم دامن کوہ میں پہنچ گئے۔ یہاں پرانے ترکی قلعے کے کھنڈر اب تک
موجود ہیں۔ مختلف کاروانسراؤں اور کنوؤں پر سے گزرتے ہوئے جہاں حاجی
تازہ دم ہو لیتے ہیں ہم ان دو ستونوں کے پاس جا پہنچے جو حدود حرم کی علامت ہیں۔
اب ہم حدود حرم میں داخل ہو گئے۔ ان سے آگے سوائے سچے مسلمانوں کے
کوئی نہیں جا سکتا اور اسلام کا اقبال کئے بغیر یہاں سے کبھی کوئی آگے نہیں گیا۔
مکے کو جتنی سڑکیں جاتی ہیں ان میں سب پر اسی قسم کے ستون نصب ہیں۔ یہاں
حاجی بہ آواز بلند یہ نعرے لگاتے ہیں:۔

لبیک۔ اللھم لبیک۔ لبیک لاشریک لک لبیک

مکہ

ان الحمد والنعمة والملك لا شريك لك لبيك

یعنی ہم حاضر ہیں ۔ اے خدا تیرے حکم پر حاضر ہیں ۔ تیرا کوئی شریک نہیں ۔ ہم حاضر ہیں تعریف و نعمت و ملک سب تیرے ہی لئے سزا وار ہیں ۔ تیرا کوئی ساجھی نہیں ۔ ہم حاضر ہیں ۔ حد و دحرم کے اندر کسی جاندار کا مارنا بھی منع ہے ۔ ہم خشک پہاڑیوں اور وادیوں میں سے بڑھے چلے جا رہے ہیں ۔ بدویوں کے اونٹوں کا ایک قافلہ گزر رہا ہے ۔ یہ کچھ سامان تجارت مکہ لے جا رہا ہے ۔ اونٹ بغیر ساربانوں کے بڑی متانت واطمینان کے ساتھ گردن اٹھائے چلے جا رہے ہیں ۔ ان کے مالک مغرب کی نماز پڑھ رہے ہیں ۔

نماز کی تصویر یہ لوگ کعبے کی طرف منہ کرکے کھڑے ہوئے ہیں ۔ جس وقت خدائے پاک کا نام لیتے ہیں ان کے ہاتھ کانوں تک پہنچتے ہیں ۔ پھر ہاتھ باندھ کر سورۂ فاتحہ پڑھتے ہیں ۔ یہ وقتاً فوقتاً اظہار عبودیت کے لئے جھکتے اور اپنی پیشانیاں زمین پر ٹکا دیتے ہیں اور اس وقت تمام دنیا و مافیہا سے تعلق قطع کرکے صرف خدائے لایزال سے عرض حال کرتے ہیں ۔ خدا پر اور پیغمبروں پر ایمان رکھنا ۔ راضی برضا رہنا دنیا میں نیک اعمال کرنا اور موت کی نہ ٹلنے والی گھڑی کا بے خوف و خطر صبر کے ساتھ انتظار کرنا بس یہی سیدھا سادہ مذہب اسلام ہے ۔

ہم پہاڑی سلسلوں اور ریتیلی وادیوں میں چلتے رہے اور گدھوں اور اونٹوں کی قطاروں اور حاجیوں کے قافلے پر سے گزرے ۔

ہمارا ساحل امید اب ہمارے دل میں اشتیاق کی لہریں اٹھ رہی ہیں ۔ اب ہم مقدس شہر سے قریب ہوتے جا رہے ہیں ۔ سامنے تھوڑی

دور ایک پہاڑ آس پاس کے پہاڑوں سے اونچا نظر آرہا ہے۔ یہ جبل نور ہے۔ اس کی مہیب آغوش میں غار حرا یعنی وہ غار واقع ہے جہاں آنحضرت تنہا خاموشی و یاد الہیٰ میں وقت گزارتے تھے یہیں آپ پر پہلی وحی نازل ہوئی تھی اور اسی غار میں آپ کو وہ پیغام الہیٰ پہنچا تھا جس نے دنیا کی تاریخ کو بدل دیا۔ حرم میں داخل ہونے سے پہلے یہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حاجی کی نظر اسلام کے اس گہوارے پر پڑ جائے ہم نے پھر لبیک کے نعرے لگائے۔ حدود حرم میں داخل ہونے کے بعد سے اگرچہ اس دعا (تلبیہ) کا مسلسل و متواتر سلسلہ بندھا ہوا تھا لیکن اس وقت کچھ اور ہی جوش و خروش اور ہیبت پیدا کرنے والے لہجے سے حاجیوں کی زبان سے لبیک کے نعرے نکل رہے تھے۔ ہم کو اپنے دلوں کے جلد جلد دھڑکنے سے یہ یقین ہو گیا کہ ہاں اب ہم بہت جلد ساحل امید پر پہنچنے والے ہیں۔ تمام تفکرات دنیوی کو دل سے نکال کر اور احکام الہیٰ کی تعمیل پر کمربستہ ہو کر ہم اس مقدس شہر میں پہونچے جس میں بجز مصیبت کے زمانے کی یادگاروں کے اور سوائے اس خاک پاک کے جس پر سے اس عظیم الشان پیغمبر کے قدم اطہر گزرے ہیں نہ کوئی ایسی خوبصورتی ہے اور نہ کوئی اور ایسی چیز جو یاد الہیٰ سے انسان کا دھیان ہٹائے جبل نور کی آگے والی پہاڑی کے اوپر سے شہر کے مکانات اور بیچ میں بیت اللہ کی مینار یں دکھائی دے رہی ہیں مکے کی کوئی فصیل نہیں ہے۔ اس کے آس پاس کے پہاڑ اور ریگستان اس کی حفاظت کر رہے ہیں ہم سبز رنگ کے چند بھدے دروازوں پر پہنچے جو بند تھے۔ آہستہ آہستہ دروازے کھلتے ہیں۔ پولیس ہمارے پاسپورٹ دیکھتی ہے۔ ہم محلہ جرول میں سے گزرتے ہیں اور اب مکے پہنچ گئے۔

مکہ

یہ مقدس شہر جو ساڑھے تیرہ سو برس سے اسلام کا مرکز چلا آ رہا ہے اور جو مدت ہائے دراز سے ارض مقدس تصور کیا جا رہا ہے اگلے زمانے میں بھی ان بتوں کی وجہ سے جن کی یہاں پرستش کی جاتی تھی مقدس ترین عبادت گاہوں کا درجہ رکھتا تھا۔ قریش پشتہا پشت سے کعبے کے متولی ہوتے آئے تھے اور کوئی سات سو برس سے یہاں کے سینکڑوں بتوں کے محافظ تھے۔ مکے کا شاہی خاندان جس میں محمدؐ پیدا ہوئے تھے اس بات پر آپ کا جانی دشمن ہو گیا کہ آپ نے بت پرستی چھوڑنے اور خدائے واحد کی عبادت کرنے کیلئے اس کو نصیحت کی تھی۔ مکہ وہ مقام ہے جہاں حضرت ابراہیم اپنے فرزند کی قربانی کرنے کیلئے تیار ہو گئے تھے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں ہاجرہ اپنے چھوٹے بچے کے ساتھ ریگستان میں سرگشتہ و پریشان پھرنے کے بعد اس چشمہ پر پہنچیں جس نے ان کی جانیں بچائیں اور اسماعیل عرب قوم کے مورث اعلیٰ بنے۔

مکے میں میری قیامگاہ

ہماری موٹر لمبے لمبے بازاروں میں چل کر جو دھوپ سے بچاؤ کیلئے بوریے کی ٹیٹوں سے پٹے ہوئے ہیں اور تنگ گلیوں میں سے ہوتے ہوئے جہاں کے مکانات جدے کی طرح اونچے اونچے ہیں بالآخر اس مکان پر ٹھیر گئی جو زمانہ حج میں میرا قیام گاہ رہے گا۔ میرا میزبان اور اس کے دو لڑکے مجھے موٹر سے اتارنے آئے اور ایک سنگین زینے پر چڑھاتے ہوئے ایک بڑے کمرے میں لے گئے۔ اس کے اطراف اور بھی کئی کمرے ہیں۔ دوسری منزل پر میرے ٹھہرنے کا انتظام ہے۔ میرے علاقے کے کمروں کے سامنے ایک کوٹھری ہے جس میں ہو کر بڑے کمرے میں پہنچتے ہیں۔ یہاں کے دستور کے موافق اس میں

دیواروں سے لگاکر دیوان (گدّے) بچھے ہیں۔ ایک بڑی مسہری بھی رکھی ہے جو غالباً میری خاطر سے یہاں لائی گئی ہے توشک پر نہایت خوبصورت گلکاری کا پلنگ پوش پڑا ہے اور مچھردان بھی چھوٹا ہوا ہے۔ افسوس ہے کہ اس مسہری نے کمرے کی مشرقی وضع میں بٹہ لگا دیا ہے۔ اس کمرے میں ایسی عمدہ کھڑکیاں ہیں کہ میں نے ایسی کبھی نہیں دیکھیں۔ چکدار لکڑی کے دروازوں اور جھلملیوں پر بہت خوبصورت نقش و نگار کھدے ہیں کمرے کی اونچی لداؤ کی چھت پر بھی اسی قسم کے کام کا حاشیہ ہے۔ چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں بھی سب منقش ہیں۔ سامنے کوٹھری کے دوسری جانب سنگین گیلری ہے جس میں سے حمام کو جاتے ہیں۔ اس میں پتھر کا فرش ہے جس کے بیچ میں ایک سوراخ ہے۔ پانی کے بڑے بڑے گھڑے رکھے ہوئے ہیں اور سنگ مرمر کی چوکی پر چاندی کے ڈھکنوں کی صراحیاں سلیقے سے دھری ہوئی ہیں ان میں پانی ہمیشہ بہت ٹھنڈا رہتا ہے۔ ایک صراحی ہر روز خصوصیت کے ساتھ آب زمزم سے بھی بھری جاتی ہے۔

میں اپنے رہائشی مکان کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی اور ایسا آرام دہ سامان مہیا کرنے پر اپنے میزبان کا شکریہ ادا کیا۔ میں نے برقع اتار دیا اور کپڑوں کا صندوق کھولا۔ اس میں فرنگی سامان کا سا بکھیڑا نہیں ہے۔ نہ طرح طرح کی ٹوپیاں ہیں نہ وقت بوقت کے لباس اور نہ جوتوں کی قطار۔ احرام کھول کر میں باریک کرتا اور سیاہ عبا پہن لوں گی اور برقع بدل لوں گی۔

گھر والوں سے ملاقات

تھوڑی دیر بعد اس گھر کی عورتیں مجھ سے ملنے آئیں میرے میزبان کی بیوی بہت ہی خوش مزاج عورت ہیں۔ یہ اُن دونوں لڑکوں کی ماں ہیں جنھوں نے میرا سامان وغیرہ اتروایا تھا تین لڑکیاں

بیس سال کے اندر کی ہیں۔ یہ میری میزبان کی بھانجیاں ہیں۔ ان میں سے ایک انتہا درجے کی حسین ہے۔ ایک لڑکا آٹھ برس کا ہے۔ یہ میرے میزبان کی پہلی بیوی کا ہے جس نے اب دوسرا عقد کر لیا ہے اور جدے میں رہتی ہے۔ یہ لڑکا باری باری سے کچھ مہینے یہاں رہتا ہے اور کچھ مہینے جدے میں۔ میرے واسطے سبز چائے آئی جس میں پودینہ اور کچھ خوشبو پڑی ہوئی تھی۔ یہ مجھے بہت مزے دار معلوم ہوئی۔ صلاح یہ ٹھیری کہ اس وقت بھیڑ بھاڑ کم ہوگی رات ہی کو بیت اللہ جا کر عمرہ ختم کر لینا چاہیئے جب تک عمرہ نہ ہو جانے میں سوائے برقعے اور دستانوں کے جامہ احرام اتار نہیں سکتی۔ اسی وقت ایک سینی میں کھانا آیا اور فرش پر بیٹھ کر میں نے اپنی میزبان کے ساتھ کھایا ہاتھ دھونے کے بعد وہ حقہ پینے کھسک گئیں اور میں اس خیال سے کہ ابھی رات کو مجھے بہت سے کام کرنے ہیں کمر سیدھی کرنے کیلئے ذرا لیٹ گئی ہوں مچھر میرے آس پاس تن تن۔ تن تن کر رہے ہیں۔ اب میں مسہری کے اندر پناہ لیتی ہوں۔ لیکن ایک دشمن اس میں بھی آن ہی گھسا چونکہ حالت احرام میں ہیں اسے مار نہیں سکتی اس لئے میں بھی ایک کام کرتی ہوں۔ فلٹ کی شیشی کھولتی ہوں۔ یہ بیش بہا تحفہ مجھے چلتے وقت جدے سے مل گیا ہے۔ اسے اپنے جسم پر مل لیتی ہوں۔ اب اگر مچھر خودکشی کرنا چاہتا ہے تو میری بلا سے اس کا خون میری گردن پر نہ ہوگا۔

بیت اللہ میں حاضری

رات گئے میں اپنی میزبان کے ساتھ بیت اللہ گئی۔ چونکہ وہ حاجی نہیں ہیں اس لئے سیاہ کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ مصطفٰے احرام باندھے ہوئے ہے اور اسی حالت میں جدے سے چلا آرہا ہے۔ میرا مطوف بھی ساتھ ہے۔ مدینے میں جس طرح مزور دعائیں پڑھاتے ہیں یہاں مطوف ہمارا

کرتے ہیں۔ احرام یعنی بغیر سلی ہوئی صرف دو چادریں ہر حاجی چاہے بادشاہ ہو یا فقیر اوڑھتا باندھتا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ خدا کے سامنے سب برابر ہیں اور شاہ و گدا میں کوئی فرق نہیں ہے۔ حاجیوں کو سر کھلا رکھنا پڑتا ہے البتہ دھوپ سے بچنے کیلئے وہ چھتری لگا سکتے ہیں

مطوف مکے میں رہنما کو مطوف کا لقب اس لئے دیا گیا ہے کہ وہ طواف کرنے میں حاجیوں کی مدد کرتا ہے۔ مزوّر اس کو کہتے ہیں جو قبروں پر زیارت کی دعائیں اور سلام پڑھاتا ہے۔ اگرچہ میرا ایک خاص مطوف ہے لیکن بہت سے مطوف ہندی و مراکشی حاجیوں کی جماعتوں کی جماعتیں اپنے ذمے لے لیتے ہیں۔ مطوف بنائے سے نہیں بنتے بلکہ پیدائشی ہوتے ہیں۔ یہ ان کا خاندانی پیشہ ہوتا ہے۔ جوان اور بچے سب مطوفی کر سکتے ہیں۔ ان کی زبان بڑی فصیح قران کی سی ہوتی ہے۔ میں نے ایک لڑکے کو دیکھا اس کی عمر مشکل سے بارہ سال ہوگی وہ حاجیوں کے ایک غول کو طواف کرا رہا تھا اور بلند آواز سے دعائیں پڑھ رہا تھا سعی کرتے وقت یہی لڑکا مسعیٰ کی گلی میں جہاں ٹھٹ کے ٹھٹ تھے ایک مضبوط حاجی کے کندھے پر بیٹھا زور زور سے دعائیں پڑھا رہا تھا اور آگے پیچھے اِدھر اُدھر مڑ مڑ کے دیکھتا جا رہا تھا کہ اس کے آسامی آیا اس کے ساتھ ساتھ دعاؤں کے متبرک الفاظ دہرا رہے ہیں یا نہیں۔ چھوٹی چھوٹی دکانوں کی معمولی روشنی سے بازار اس وقت دھیما دھیما روشن تھا۔ چند منٹ پیدل چلنے کے بعد ہم باب ابراہیم پر پہنچے۔ یہ بہت خوشنما اور منقش دروازہ ہے۔ چند سیڑھیاں چڑھ کر ایک چار دیواری میں داخل ہوئے۔ یہ حرم میں کتوں کو داخل ہونے سے روکنے کیلئے بنائی گئی ہے۔ بیت اللہ کے چالیس دروازے ہیں اور سب کے سب اسی قسم کی دیواروں سے محصور ہیں۔

میں نے جوتا اتار دیا اور نقاب اٹھا دیا۔ اب میں بیت اللہ میں ہوں۔ اسے دیکھ کر

چند لمحوں تک میں ایسی متحیر ہوئی کہ اپنی پرائی کچھ خبر نہ تھی۔

اب ہم ایک بڑے دالان میں سنگ مرمر کے فرش پر چل رہے ہیں۔ اس کی چھت کامل چالیس فیٹ بلند ہے جو ستونوں کی محرابوں پر کھڑی ہے۔ اسی قسم کے دالان چاروں طرف ایک لمبے چوڑے مستطیل صحن کو گھیرے ہوئے ہیں۔ اس مسجد کی وسعت و عظمت مجھے اپنی طرف متوجہ کر رہی ہے مجھے خبر نہ تھی کہ یہ ایسی حیرت انگیز ہوگی۔ خلفا و سلاطین نے دل کھول کے اسلام کی دولت اس کے پیچھے خرچ کی ہے۔ مسجد میں لاکھوں گلاسوں کے چراغ آویزاں ہیں۔ رمضان میں یہ سب روشن کر دیئے جاتے ہیں۔ اس وقت کوئی آدھے جل رہے ہیں مگر روشنی کافی ہے اور صحن کے بیچ میں کعبہ مجھے اچھی طرح نظر آ رہا ہے۔ صحن کے سب طرف سے یہ چوڑی چوڑی سڑکیں کعبے تک گئی ہیں۔ ان کے ادھر ادھر کنکریوں کے فرش پر حاجی پڑے سو رہے ہیں۔

مسلمانوں کی منزل مقصود

ہم سنگ مرمر کے چکنے فرش پر ہو کر مقدس ترین عمارت یعنی بیت اللہ کی جانب بڑھے۔ یہ ایک بڑی سیاہ مکعب عمارت ہے جو سادگی کے ساتھ عظمت و شان سے سر اٹھائے ہوئے ہے۔ مسلمانوں کی یہی وہ منزل مقصود ہے جس کے دیکھنے کی آرزو آرزو میں لاکھوں مر گئے اور لاکھوں نے اس کے دیدار سے جنت کا لطف حاصل کر لیا۔ یہ ملحوظ رہے کہ کعبے کی نسبت مسلمانوں کا یہ عقیدہ کبھی نہیں رہا ہے کہ وہ صفات الوہیت کا حامل ہے۔ مسلمان نماز میں اس کو مخاطب بھی نہیں کرتے۔ پیغمبر صاحب کی بعثت سے قبل بت پرست بھی اس کی پرستش نہیں کیا کرتے تھے۔ وہ لوگ صرف ان بتوں کو پوجتے تھے جو کعبے کے اندر رکھے ہوئے تھے۔ اب

رہا کعبہ کا طواف اس کی توضیح شاعرانہ پیرایہ میں اس طرح کی جا سکتی ہے کہ ایک عاشق اپنے محبوب کی خاطر تن من دھن سب کچھ قربان کر کے اور دل و جان سے اس کا مطیع و فرمان بردار ہو کر اس کے گھر پر سے صدقے ہو رہا ہے۔ بس یہی وہ جذبۂ تسلیم و رضا ہے جس میں مستغرق ہو کر حاجی کعبے کا طواف کرتے ہیں۔

"ایمان صرف یہ نہیں ہے کہ نماز کے وقت مشرق یا مغرب کی طرف منھ کر لیا جائے۔ بلکہ ایمان دار وہ ہے جو خدا پر۔ قیامت پر فرشتوں پر۔ آسمانی کتابوں پر اور پیغمبروں پر اعتقاد رکھتا ہے۔ خدا کی راہ میں قرابت داروں۔ یتیموں۔ مسکینوں۔ مسافروں اور محتاجوں کیلئے روپیہ خرچ کرتا ہے۔ غلام آزاد کرتا ہے۔ نماز پڑھتا ہے۔ زکوٰۃ دیتا ہے۔ وعدہ پورا کرتا ہے۔ مصیبت کے وقت صبر کرتا ہے اور لڑائی میں ثابت قدم رہتا ہے۔ (قرآن)

طواف میں حاجیوں کی بیخودی

کعبہ پر سیاہ غلاف پڑا ہوا ہے جس پر سنہری حروف میں آیات قرآنی کڑھی ہوئی ہیں۔ اس کے گرد حاجی اپنے مطوفوں کے ساتھ ساتھ دعائیں پڑھتے ہوئے تیز قدمی سے چکر لگا رہے ہیں۔ بنی نوع انسان کے اس عظیم الشان مجمع کے جذبات کی تصویر کھینچنا جس کی ایک فرد میں بھی ہوں۔ بڑے پکے انشاپرداز کا کام ہے۔ کیسا مجمع جو ایک محویت کے عالم میں جوش مذہبی سے مدہوش ہو کر دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گیا ہے۔ بہت سے حاجی زار و قطار رو رہے ہیں۔ بہت سے آدمی اس تاروں بھرے آسمان کی طرف جو یہ تماشے سینکڑوں برس سے دیکھتا چلا آ رہا ہے ہاتھ اٹھائے ہوئے ہیں۔ انکی پرنم آنکھوں

پُردرد مناجاتوں اور دعا کے واسطے پھیلے ہوئے واجب الرحم ہاتھوں نے مجھے بھی بیخود کر دیا۔ ایسا اثر مجھ پر عمر بھر کبھی نہیں ہوا۔ مجھ پر وجد کی سی کیفیت طاری ہوگئی اور دوسرے حاجیوں کی طرح میں نے بھی بہ کمال اطاعت سر جھکا دیا اور جذبات شکر و سپاس سے سرشار ہو کر سب کے ساتھ ساتھ طواف کرنے لگی۔

اس مقدس عبادت گاہ کے گرد ہم سات مرتبہ گھومے۔ میرا مطوف صاف اور بلند آواز سے دعائیں پڑھ رہا تھا اور میں اس کے ساتھ ساتھ وہی الفاظ دہراتی جاتی تھی۔ کبھی کبھی ہم ٹھہر بھی جاتے تھے اور کعبے کی طرف ہاتھ اٹھا کر تین مرتبہ اللہ اکبر کہتے تھے۔ اس کے بعد میں نے اس بیضوی پتھر (حجر اسود) کو چوما جو کعبے کے ایک کونے میں چاندی کے حلقے میں جڑا ہوا ہے[1]۔ یہ پتھر عربوں کا کوئی بت نہیں ہے بلکہ وہ ایک شعار (خاص نشان) ہے۔

حجر اسود زبور و انجیل کے نقطۂ نظر سے

"جس پتھر کو راج گیروں نے ناپسند کیا وہی کونے کا سرا ہوا"[2]

(زبور باب ۱۱۸۔ آیت ۲۲)

---

[1]۔ حضرت قبلہ گاہی الحاج مولوی علی شبیر صاحب مرحوم و مغفور نے اپنی کتاب "تاریخ حجر اسود" میں اس کے مفصل حالات کے ساتھ اس کی تعظیم و تقبیل کے متعلق بھی کافی بحث فرمائی ہے۔

[2]۔ اس آیت کے آگے کا فقرہ ملاحظہ ہو:۔ "اس نے لوہے اور تانبے اور مٹی اور چاندی اور سونے کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا"۔ مسلمان علماء اس پر متفق ہیں کہ یہ آیت آنحضرت کے متعلق پیشگوئی ہے۔

اسماعیل کو خارج شدہ (ناپسندیدہ) تصور کیا گیا تھا اور عہد انکے سوتیلے بھائی اسحاق کے اسکے ساتھ باندھا گیا تھا لیکن اُسی ناپسند شدہ یعنی اسماعیل کا نصب کیا ہوا حجر اسود کعبے میں سرے کا پتھر ہو گیا۔ وہی کعبہ جس کی طرف اسماعیل و ہاجرہ دونوں نکال دیے گئے تھے۔ حجر اسود بغیر تراشا ہوا پتھر ہے یعنی:۔

"وہ پتھر بغیر اس کے کہ کوئی ہاتھ سے اُس کو پہاڑ سے کاٹ کر نکالے
آپ سے آپ نکلا۔ (صحیفۂ دانیال باب ۲ آیت ۴۵)

حضرت عیسیٰ نے مذکورہ بالا آیت کا حوالہ اُس وقت دیا تھا جب کہ انہوں نے اسرائیلیوں سے یہ فرمایا تھا:۔

"خدا کی بادشاہت تم سے لے لیجائے گی اور دوسری قوم کو دیجائیگی"

اور اس کے بعد پھر فرمایا:۔

"کیا تم نے توریت میں یہ نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو راج گیروں نے
ناپسند کیا وہی کونے کا سرا ہوا" (انجیل متی آیت ۴۲)

اور پھر آگے فرمایا:۔

"خدا کی بادشاہت تم سے لے لیجائیگی اور ایک قوم کو جو اس کے
میوے لائے دی جائے گی"[۱] (انجیل متی باب ۲۱ آیت ۴۳)

غرض کہ مسلمان حجر اسود کو بت سمجھ کر نہیں چومتے بلکہ اُس قوم کے اخراج کا شعار

۱۔ اس کے آگے کا فقرہ ملاحظہ ہو۔ "جو اُس پر گرے گا چور ہو جائے گا۔ پر جس پر وہ گرے گا اُسے پیس ڈالے گا۔"

تصور کرتے ہیں۔ جس کو واقعات عالم نے آسمانی پیشنگوئی کی بنا پر" سرے کا پتھر ثابت کر دیا[1]

---

[1] حضرت ابراہیم کے دو فرزند تھے اسماعیل و اسحاق۔ اسحاق کے فرزند یعقوب ہیں۔ جن کو اسرائیل بھی کہتے ہیں اور ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلاتی ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم سے انکی نسل کو برکت دینے اور اس میں پیغمبر و امام پیدا کرنے کے بارہ میں جو وعدہ کیا تھا وہ صرف حضرت اسحاق سے متعلق تھا حضرت اسماعیل اور انکی اولاد سے نہ تھا اس اعتبار سے یہ لوگ تمام پیغمبروں کا بنی اسرائیل میں ہونا مختص سمجھتے ہیں اور بنی اسماعیل کو اس شرف کا اہل تصور نہیں کرتے اس قسم کا عقیدہ رکھنے والوں کو قائل کرنے کے لئے توریت و انجیل و دیگر صحائف انبیا میں مختلف پیشنگوئیاں وارد ہیں جن کے مصداق حضرت اسماعیل اُن کی قوم عرب اور ان کی قوم کے سرتاج ہمارے آقا محمد رسول اللہ ہیں۔ ایولن زینب صاحبہ نے مذکورۂ بالا جن چند آیتوں کا حوالہ دیا ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ وہ پتھر جس کو یہود و نصاریٰ نے ناپسند کیا وہ اسماعیل اور ان کی اولاد کے فخر محمدؐ ہیں جو "سرے کا پتھر" یعنی ممتاز ترین ہستی ہوئے اس پتھر کو پہاڑ سے کاٹ کر نہیں نکالا گیا۔ بلکہ وہ بے گھڑا تھا۔ یعنی آنحضرت کی تعلیم و تربیت کسی نے نہیں کی۔ وہ اُمی تھے۔ اس پتھر نے لوہے۔ تانبے۔ مٹی۔ چاندی اور سونے کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ بڑے بڑے طاقتور اور زور دار امیر اُس کے غلاموں کے سامنے ناک گھسنے لگے۔ جو اس پتھر پر گرا چور چور ہو گیا۔ آنحضرت کے دشمنوں کا انجام "انا شانئك هو الابتر" سے ظاہر ہے۔ جس پر وہ گرا اُسے پیس ڈالا کسریٰ و قیصر کی سلطنتوں کا حشر اظہر من الشمس ہے۔ بنی اسرائیل سے بادشاہت چھین کر مدینے کی کھجوریں بیچنے والے عربوں کو دے دی گئی۔

الامجد علی

(مترجم)

صرف مسلمان ہی تاریخی پتھروں کی تعظیم نہیں کرتے۔ بیشمار مثالوں میں سے ایک مثال وہ پتھر ہے جسے حضرت یعقوب نے بطور یادگار نصب کیا تھا اور جس پر شاہان انگلستان کی تاج پوشی کی رسم اب تک کلیسائے ویسٹ منسٹر ابی میں ادا کی جاتی ہے۔ اس پتھر کو اصلی سنگ یعقوب ثابت کرنے کیلئے عجیب عجیب کہانیاں گڑھی گئی ہیں۔

پیغمبر اسلام نے نہایت عاقبت اندیشی کے ساتھ یہ سمجھ لیا تھا کہ مسلمانوں کو ایک مرکز پر لاکر رشتۂ اخوت میں جکڑ دینے میں حج کی کیا اہمیت ہے جب آپ فریضہ حج کی ادائی کیلئے جو اسلام کا ایک رکن ہے تشریف لے گئے تو آپ نے حجر اسود کے سامنے کھڑے ہو کر فرمایا۔

"میں جانتا ہوں تو ایک پتھر ہے۔ نہ تو نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان"

اس کے بعد اس کو چوما۔ حجر اسود مسلمانوں کے نزدیک اسی قسم کی علامت ہے جیسے کہ قومی جھنڈا ہوتا ہے اور اس کی تعظیم بھی زیادہ تر اسی خیال سے کی جاتی ہے[1] بہت سے فرنگی مصنفین حج کی اہمیت کے تصور کرنے میں قاصر رہے ہیں

---

[1]۔ اسلامی روایات سے حجر اسود آغاز طواف کی علامت ہے۔ یہ کعبے کے مشرقی وہ جنوبی گوشے میں نصب ہے۔ طواف اسی کے پاس سے شروع کیا جاتا ہے۔ اور مشرقی جانب سے چلتے ہوئے اس کے پاس جب پہنچ جاتے ہیں تو ایک چکر پورا ہو جاتا ہے۔ لیڈی ایولن کبولڈ صاحبہ نے عیسائیوں کو مطمئن کرنے کیلئے قومی جھنڈے کے طور پر اس کو علامت تصور کیا ہے۔ اگر یہ توجیہہ بھی کی جائے تو مضائقہ نہیں۔

(مترجم)

وہ یہ نہیں سمجھے کہ اس کے ذریعہ سے کیونکر روحانی ترقی ہو سکتی ہے۔ ان کو حج کی صحیح قیمت کا اندازہ کرنے میں ناکامی ہوئی ہے۔ وہ اس تہہ کو نہیں پہونچے کہ حج کے اعتقاد نے تیرہ سو برس سے کروڑوں انسانوں کے دلوں پر کیوں قبضہ کر رکھا ہے۔

مقام ابراہیم طواف کے بعد ہم نے مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز پڑھی۔ یہ ایک چھوٹا سا قبہ ہے جو کعبے کے نقروی دروازے کے سامنے لوہے کے کھموں پر استادہ ہے۔ یہ اُس جگہ کی نشان دہی کر رہا ہے جہاں کھڑے ہو کر ابراہیمؑ نے کعبہ کو جو منہدم ہو گیا تھا دوبارہ تعمیر کیا تھا۔ اس کے بعد ہم کعبے کی طرف لوٹے اور اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے دیوار کعبہ سے لپٹ کر دعا کرنے لگے۔ اس جگہ حاجیوں پر خضوع و خشوع و بیخودی کی کیفیت طاری تھی۔ بعض زار و قطار رو رہے تھے۔

زمزم و سعی صفا و مرہ کعبے سے رخصت ہونے سے پیشتر ہم اس حجرے میں گئے جہاں چشمۂ زمزم اُبل رہا ہے یہ وہی کنواں ہے جس نے ہاجرہ اور ان کے بچے کی جان بچائی تھی۔ ہم نے بھی اس کا کھاری پانی پیا۔ ہاجرہ اس کنوے کو دریافت کرکے اپنے بچے کی طرف دوڑی تھیں اور اس جاں بخش چشمہ پر اُس کو لے گئی تھیں۔

ہر حاجی کا فرض ہے کہ وہ اُسی رستہ پر سے دوڑتا ہوا گزرے جہاں بیقراری کی حالت میں ہاجرہ دوڑی تھیں۔

ہم بیت اللہ کے چوکور صحن کو طے کرکے باب الصفا سے باہر گئے اور اُس گلی میں پہونچے جو المسعیٰ یعنی دوڑنے کی گلی کہلاتی ہے۔ اب ہم بیت اللہ سے باہر

ہیں یہاں پہاڑوں کے دامن میں دو طرفہ مکانات ہیں۔ چند قدم چل کر ہم ان سیڑھیوں کے قریب پہنچ گئے جو ایک چٹانی چبوترے پر چڑھنے کیلئے بنی ہوئی ہیں۔ اس چبوترے کو المروہ کہتے ہیں۔ ان سیڑھیوں پر ہم کھڑے ہوئے اور کعبے کی طرف منھ کر کے جو یہاں سے دکھائی نہیں دے رہا تھا تین مرتبہ تکبیر کہی اور سیڑھیوں سے اتر کر مسعیٰ کی گلی میں کسیقدر تیز قدمی سے چلے اور ایک دوسری پہاڑی کے دامن میں پہونچے۔ یہاں بھی پتھروں کو کھود کر ایک چبوترہ اور سیڑھیاں بنائی ہیں۔ اسے "الصفا" کہتے ہیں۔ یہاں ہم نے پھر کعبے کی طرف منھ کیا تکبیریں کہیں اور پھر واپس ہو کر دوڑے۔ اس دوڑنے کے دوران میں مطوف ہم کو بہ آواز بلند دعائیں پڑھاتے جاتے تھے۔ اس طرح ہم سات دفعہ دوڑے۔ میں تھک کر ہانپتے ہوئے حاجیوں کو دیکھنے کیلئے ٹھہر گئی بعض حاجیوں کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں جو غالباً ان کے دوردراز سفر میں پیدا ہوئے ہیں۔ یہ ذرا ذرا سے پتلے اپنے باپ کے کندھوں پر بیٹھے بڑی متانت کے ساتھ اس عجیب منظر کو دیکھ رہے ہیں اور وہ اپنے والدین کی طرح نہ جھکتے ہیں نہ ڈرتے ہیں۔ بعض بیمار حاجی چارپائیوں پر ہیں۔ چارپائی اٹھانے والے واپس ہونے سے قبل انکی چارپائیاں چند منٹ کیلئے سیڑھیوں پر رکھ دیتے ہیں تاکہ یہ بھی ہاتھ اٹھا کر تکبیریں کہہ لیں۔ اس کے بعد ان کو اٹھا کر دوسرے چکر کیلئے پھر روانہ ہو جاتے ہیں۔ ایک عورت تھک کر گر پڑی ہے۔ اس کا شوہر اس کو اٹھاتا ہے۔ اپنی پیٹھ پر ڈالتا ہے اور پھر دوڑنا شروع کر دیتا ہے۔ میں بہت دور تک اس کو دیکھتی رہی یہاں تک کہ وہ میری نظروں سے غائب ہو گیا۔ میں یہ سوچ رہی ہوں کہ یہ اتنا بوجھ اٹھا کر جو دوڑے گا تو اس کی یہ محنت شاقہ آیا دونوں کے حساب میں شمار ہو گی یا صرف

اس اکیلے کے۔ کہتے ہیں کہ یہ اسی طرح سعی پوری کرے گا لیکن ایک ہی شخص کی سعی سمجھی جائے گی اور اپنے حصے کا وہ پھر دوڑے گا۔ یہاں ہر قوم کے مسلمان عورت مرد دوڑ رہے ہیں اور دعائیں پڑھ رہے ہیں[1]۔ بڑی بڑی زلفوں والے مرد۔ ڈراونی آنکھوں والے پہاڑی جنگجو۔ خوبصورت بالوں والے ترک۔ جوشیلے مراکشی وطرابلسی۔ مخروطی ٹوپیاں پہنی ہوئی بہنی عورتیں غرض ہر طبقے اور ہر درجے کے آدمی اس رسم سعی میں شریک ہوتے ہیں جس کی اہمیت طواف کے بعد ہے۔

اب آدھی رات ہوگئی ہے میں نے عمرہ ختم کرلیا۔ اب گھر جاتی ہوں اور احرام اتار دیتی ہوں۔ اس کی ضرورت اُس وقت پھر ہوگی جب عرفات جاتے وقت میں بیت اللہ میں احرام باندھوں گی۔ اس وقت حج ختم ہونے تک تین دن احرام رہے گا۔ اس گرمی کے موسم میں اُس کے تصور سے میں کسی قدر گھبرا رہی ہوں۔

۲۷ مارچ:۔ تکان کی وجہ سے رات کو خوب نیند آئی۔ اٹھی تو طبیعت ہلکی تھی۔ مجھے دن میں بیت اللہ کے دیکھنے کی بڑی آرزو ہے۔ ارادہ یہ ہے کہ صبح جسقدر جلد ممکن ہو اس کی زیارت کروں۔ اب مجھے مطوف کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے معمولی مسلمانوں عورتوں کے سے سیاہ کپڑے پہن لیے ہیں اور سورج نکلنے کے تین گھنٹے بعد مصطفٰے کو ساتھ لے کر پھر حرم میں آئی ہوں۔ اس وقت بھی طپش کی یہ حالت ہے کہ جب دالان سے نکل کر سنگ مرمر کی سڑکوں پر جو بیت اللہ کے صحن میں ہر طرف

---

[1] بھاری بھرکم مردوں اور عورتوں کے لئے دوڑنا لازم نہیں ہے۔ وہ آہستہ آہستہ چل کر بھی سعی پوری کرسکتے ہیں۔

ہیں میں چلی تو تکلیف ہونے لگی حالانکہ میرے پاؤں میں پائتابے بھی تھے اور میں نے خوشی سے برقع بھی اوڑھ لیا تھا تاکہ دھوپ سے نجات مل جائے۔

سلطان ابن سعود کا کعبے کو غسل دینا

کعبے کے اطراف اس وقت بڑا ہجوم ہے۔ سلطان ابن سعود خود احرام باندھے آئے ہیں اور کعبے کے اندرونی فرش کو زمزم سے دھو رہے ہیں اس کے بعد عطر گلاب دیواروں وغیرہ پر چھڑکیں گے۔ میں چاندی کے ممبر کی سیڑھیوں پر چڑھ کر غسل کعبے کی رسم دیکھنے کی کوشش کرتی ہوں جو عرب کا بہادر جنگی بادشاہ اپنے ہاتھوں سے انجام دے رہا ہے۔ میرے تلوے جلے جا رہے ہیں اس لئے اس کوشش سے دست بردار ہو کر چاہ زمزم دیکھنے جاتی ہوں۔

چشمہ زمزم

چاہ زمزم پر عربی وضع کا ایک کوشک بنا ہوا ہے۔ کنوے کے اطراف منڈیر اور لوہے کا جنگلا ہے۔ زمزم کے حجرے میں پانی کے گھڑے رکھے ہوئے ہیں جن میں سے حاجی گلاس بھر بھر کے لیتے رہتے ہیں۔ ان گھڑوں کو بھرنے کیلئے دو آدمی ہر وقت پانی کھینچتے رہتے ہیں۔ خانگی طور پر بھی بہت سے مکانوں میں آب زمزم کی مانگ دواءً بھی ہوتی رہتی ہے۔

بیت اللہ کے مصلے

بیت اللہ میں کئی مصلے ہیں۔ ان میں سنی چاروں فرقوں کے ملا۔ وعظ و تفسیر بیان کرتے ہیں۔

بیت اللہ کے ملازم

بیت اللہ میں آٹھ سو سے زیادہ ملازم ہیں۔ ان میں ایک سو اغوات ہیں۔ صرف حج کے زمانے میں ان کا کام بڑھ جاتا ہے ورنہ سال کے بڑے حصے میں ان کی نوکری بڑی ہلکی رہتی ہے۔ ان کا فرض ہے۔

بیت اللہ کو صاف رکھیں۔ کوڑا کرکٹ دھبہ نظر نہ آئے یہ ان کبوتروں کو بھی دانا ڈالتے ہیں جو بیت اللہ میں بکثرت ہیں اور جو اس قدر مودب ہیں کہ حرم کو خراب نہیں کرتے۔

مکے کی تجارت زمانۂ حال و گذشتہ میں

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ بغیر حاجیوں کے مکہ کیسا رہ جاتا ہوگا۔ مکے والے کہتے ہیں۔ ہم نہ جوتتے ہیں نہ بوتے ہیں۔ ہماری گزر حاجیوں پر ہے۔ حاجی نہ ہوں تو حجاز بھوکا مرجائے۔ یمن میں باہر بھیجنے کے لئے قہوہ ہوتا ہے مگر حجاز بنجر ہے اور مکہ ایسی وادی میں واقع ہے جو چاروں طرف سے پتھریلی پہاڑیوں سے گھری ہوئی ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہاں ویرانہ ہی ویرانہ ہے تاہم مکہ کسی زمانہ میں تجارت و صنعت و حرفت کا بھی ایسا ہی مرکز تھا جیسا کہ تقدس کا۔ یہاں سے تاجروں کے قافلے یمن کی پیداوار و خوشبوئیات۔ افریقہ کا لوبان، چین کا ریشم، جزائر ہند کے جواہرات اور گرم مسالے ایران و شام و عراق لیجایا کرتے تھے۔ اور وہاں سے واپس ہوتے وقت دمشق کی کمخواب و مخمل، تلواروں کے پھل اور منقش ڈھالیں جن کی رومیوں نے باہر بھیجنے کی ممانعت کردی تھی اونٹوں پر لاد کر لایا کرتے تھے [1]

ساتویں صدی عیسوی میں یونانیوں اور ایرانیوں کے درمیان جو طویل جنگ ہوئی تھی اس نے مکے کی تجارت کو بہت فروغ دیدیا تھا کہ مشرق و بحر روم کے رستوں کا چوراہا تھا۔ قافلوں کی آمد و روانگی مکے والوں کیلئے ایک بڑا اہم واقعہ ہوا کرتا تھا جس سے یہاں کی ساری آبادی کو تعلق رہتا تھا اور چونکہ اس تجارت میں منافع بہت باقاعدہ طور پر تقسیم ہوا کرتا تھا اس لئے غریب سے غریب آدمی بھی اس میں شریک ہو جاتا تھا

---

[1]۔ باوجود ممانعت کے عرب کسی نہ کسی طرح ڈھالوں کو بھی نکال ہی لاتے تھے۔

کچھ نہیں تو آدھا دینار ہی لگا دیتا تھا۔ جس میں پچاس فی صدی اور بعض وقت سو فی صدی نفع ہو جاتا تھا۔ دو دو تین تین ہزار اونٹوں کے قافلے دو تین سو ہتیار بند آدمیوں کی حفاظت میں اپنے ساتھ سونا چاندی چمڑا وغیرہ قیمتی سامان لیجایا کرتے تھے ان قافلوں سے صرف شہر کی اُمیدیں ہی وابستہ نہیں ہوتی تھیں بلکہ ریگستان کے پار میدان والوں اور صحرا کے سرخ پتھروں کے پاس بسنے والوں تک کی جانیں لڑی رہتی تھیں۔

مکے کے سطح نشیبی حصے میں جہاں کعبہ شریف واقع ہے بڑے بڑے تاجر۔ مہاجن۔ مالدار۔ بردہ فروش اور وہ قومیں رہتی تھیں جن میں سے آگے چل کر اسلام کے کئی خلیفہ ہوئے۔ نیز وساۓ قریش۔ محافظان کعبہ حاجیوں کو پانی تقسیم کرنے کی خدمت رکھنے والے سب یہیں سکونت پذیر تھے اور اس مہذب مرکز کے چاروں طرف ڈھلوان گلیوں میں عام لوگ آباد تھے۔ اس کے بعد کوہی سلسلے کے نزدیک نالوں میں پناہ گزینوں اور غلاموں کی آبادی تھی اور امیر امرا کے متوسلین اور پردیسی رہا کرتے تھے۔ یہ سب بڑے منافع کی امید پر تجارت میں روپیہ لگا دیا کرتے تھے کوئی اپنے روپیے کو بیکار نہیں پڑا رہنے دیتا تھا۔ روپیہ سود پر بھی بہت چلایا جاتا تھا۔ یہ لوگ بٹاون کے نرخ پر بھی روپیہ لگاتے تھے فصل ہونے نہ ہونے کا جوا کھیلتے تھے کچے کھجوروں کا سٹہ ہوا کرتا تھا بھیڑ۔ بکری کے گلوں پر۔ مال غنیمت پر اور قافلوں کی روانگی و واپسی پر شرطیں بدی جاتی تھیں۔ وہ غلہ کا اجارہ بھی لے لیتے تھے۔ مصنوعی سامان بھی فروخت کرتے تھے جس سے غریب بدوی کسی آڑتئے کی بے ایمانی کا آسانی سے شکار ہو جایا کرتے تھے۔"

اسٹرابو (Strabo) نے سچ کہا ہے کہ "ہر عرب بیوپاری ہے

اور اکثر چور" لیکن قدیمی رومی عربوں کے بغیر کچھ کر بھی تو نہیں سکتے تھے۔ بادشاہوں۔ پادریوں اور درباریوں کے لباس کیلئے ان کو ریشمی کپڑے کی ضرورت ہوا کرتی تھی۔ روئی کے سوتی کپڑے۔ اور تیل کی بھی بہت مانگ تھی۔ ہورلیں نے اُس دولت کا جو عرب سے لائی گئی تھی اور اُس تجارت کا جس نے عربوں کو مالدار بنا دیا تھا ذکر کیا ہے۔ یہ سامان تعیش رومیوں کو بہت گراں پڑتا تھا۔ پلینی نے اپنا حساب چکاتے وقت اس کی شکایت کی ہے۔

بازار عکاظ۔ عربوں کی معاشرت و مذہب

اُس زمانے میں مضافات مکہ میں ایک بڑا میلا ہوا کرتا تھا جس میں دور دراز ریگستانوں کے خانہ بدوشوں کے علاوہ بہت سے سوداگر بحری سفر طے کر کے یہاں پہنچا کرتے تھے اور اس زمانے کے دنیا کے مشہور تاجر بھی شریک ہوا کرتے تھے۔ یہاں عرب شاعر بھی اکھٹے ہوتے تھے اور مجمع کثیر کے سامنے اپنے اشعار سنا کر خراج تحسین وصول کرتے تھے حقیقت میں وہ دن مکے کی خوشحالی کے تھے کچھ اس وجہ سے نہیں کہ اس زمانے میں یہ خشک اور بنجر مقام نہ تھا بلکہ اس وجہ سے کہ اسکا محل وقوع کاروانوں کی سڑکوں اور قدیم دنیا کی تجارتی شاہراہوں کا مرکز تھا۔ بدنصیبی سے اُن قافلوں کے ساتھ ایران و عراق سے طائفے اور یونان سے لونڈیاں باندیاں بھی اہل مکہ کی دلگی اور وقت گزاری کیلئے آیا کرتی تھیں اور اہل مکہ کی بری عادتوں میں اضافہ کرتی تھیں۔ آس پاس کے ملکوں میں جو بُری رسمیں پھیلی ہوئی تھیں۔ انہوں نے عرب میں اب جڑ پکڑ لی تھی شراب وقمار بازی عام ہو گئی تھی۔ کثیر الازدواجی کی کوئی حد نہ رہی تھی۔ لڑکیاں زندہ دفن کی جانے لگی تھیں کعبے کے تین سو ساٹھ بتوں پر انسان بھینٹ چڑھنے لگے تھے خصوصاً چاند کی تین دیبیوں یعنی

لات (روشن چاند) منات (تاریک چاند) اور عزیٰ (روشن و تاریک چاند) کے نام پر انسانی قربانی کی جاتی تھی۔

"عرب میں دین عیسوی کبھی کبھی کمزور جھرجھری لے لیتا تھا۔ یہودی مذہب کے اثرات اکثر زیادہ شدید اور تکلیف دہ صورتوں میں نمایاں ہو جایا کرتے تھے لیکن بت پرستی و اوہام پرستی کی لہریں چاروں طرف سے اٹھ اٹھ کر زور و شور کے ساتھ کعبے سے ٹکراتی رہتی تھیں جس سے اس بات کا کافی ثبوت ملتا تھا کہ ان عربوں کے دماغوں کو بت پرستی کی زنجیروں نے بری طرح جکڑ رکھا تھا۔ اپنی پانچسو سالہ تبلیغ کے بعد مسیحیت صرف بعض قبائل کے معدودے چند افراد کو عیسائی بنانے میں کامیابی حاصل کر سکی تھی اور اب اس میں لوگوں کو اپنی طرف راغب کر کے تبدیل مذہب کرانے کی قوت نہ رہی تھی (سر ولیم میور)

عربوں کا نجات دلانے والا

انہیں عربوں میں ایک آدمی ایسا پیدا ہوا جو ان کو جہالت و تباہی کے اندھیرے گڑھے میں سے نکال کر مذہب کی روشنی میں لانے والا اور خدائے واحد کا پرستار بنانے والا تھا۔ محمدؐ چھ برس کی عمر میں یتیم و یسیر ہو گئے تھے۔ ان کے دادا عبدالمطلب نے جو قبیلہ قریش کے سردار اور کعبے کے بتوں کے متولی تھے ان کی پرورش کی۔ اس معزز بزرگ نے اس زمانے کے دستور کے مطابق کعبے کے حریص دیوتاؤں پر ایک بیٹے کو قربان کرنے کی منت مانی تھی۔ جب ان کو بارہ بیٹے ہو گئے تو انہوں نے بتوں پر بھینٹ چڑھانے کیلئے اپنے سب سے بڑے بیٹے عبداللہ کا انتخاب کیا۔ جب وہ اپنی منت پوری کرنے کیلئے لڑکے کو لے کر کعبے کی طرف چلے تو کعبے کے ایک کاہن نے ان کو مشورہ دیا کہ عبداللہ

کے بدلے میں ایک سو اونٹ ذبح کردیں۔ اسی وقت سے ریگستان کے قانون میں آدمی کا خون بہا سو اونٹ قرار دئیے گئے۔

عبداللہ کی شادی قبیلہ بنی زہرہ کے ایک سوداگر کی بیٹی آمنہ کے ساتھ ہوئی۔ انہیں زوجین کی قسمت میں آنے والے پیغمبر کے ماں باپ بننا تھا۔ محمدؐ نے اپنے باپ کی صورت بھی نہ دیکھی۔ آپ کی ولادت سے پہلے ہی یثرب کے سفر میں غریب الوطنی کی حالت میں ان کی وفات ہو چکی تھی۔ جوان بیوہ نے وہاں کے امیروں کے دستور کے موافق اپنے بچے کو قبیلہ بنی سعد کی ایک بدوی عورت کے سپرد کیا اور وہ بچہ اس کے پاس پانچ برس رہا کیے کے امیروں کا خیال تھا کہ ریگستان کی صاف ہوا میں بدویوں کے درمیان پرورش پانے سے بچے کی صحت بہت اچھی ہو جاتی ہے اور اس میں مردانہ صفات پیدا ہو جاتے ہیں میرا خیال ہے کہ یہ رسم ابھی تک اُن میں جاری ہے اور فیصل شاہ عراق بھی اپنے بچپن میں بدویوں میں رہ چکا ہے۔

محمدؐ ریگستان سے واپس آنیکے بعد تھوڑے ہی دنوں میں اپنی ماں کے سایہ سے بھی محروم ہو گئے۔ اور پھر کچھ دن بعد اس شفیق دادا کا بھی سایہ اس یتیم یسیر بچے کے سر سے اُٹھ گیا۔ اس بزرگ کی وفات کے بعد آپ کے چچا ابو طالب نے آپکی پرورش اپنے ذمہ لی اور ہر موقع پر وہ آپ کے کفیل و محافظ رہے۔

ابتدائی عمر میں محمدؐ نے ریگستان میں بکریوں کے گلے چرائے۔ جب قوم نے اُن کو "امین" کا لقب دیا ہے اُس وقت وہ ان مالدار قافلوں کے نگران کار ہوتے تھے جو تجارت کی غرض سے شام آتے جاتے تھے۔ پچیس برس کی عمر میں آپنے حضرت خدیجہ سے جو بڑے بڑے کاروانوں کی مالک اور آپ کے قبیلہ کی رشتہ دار تھیں شادی

کی آپکی عمر چالیس سال کے قریب پہنچی تھی کہ آپ کو نبوت عطا ہوئی اور آسمانی آواز نے آپ کو حکم دیا کہ قافلہ انسانی کو قعر مذلت سے نکال۔ آپ نے جس خوبی کے ساتھ نبوت کے مقدس فرض کو انجام دیا وہ تاریخوں سے ثابت ہے۔ آپ نے صرف اپنی ہی قوم کی رہنمائی نہیں کی بلکہ سمندر پار کے کروڑوں آدمیوں کو اس مذہب کا رستہ بتایا جو آج کے دن بھی اسی آب و تاب کے ساتھ ضوفشاں ہے جیسا کہ اس وقت تھا جب پر آسمانی نور نازل ہوا اور جب آپ نے اپنے صحابہ کے سامنے اظہار حق فرمایا۔

مکے میں خانہ داری کا ایک نمونہ

بیت اللہ سے میں واپس آگئی ہوں۔ اب میری میزبان نے مجھے اپنے کمرے میں جو اس مکان کی آخری منزل پر ہے بلایا ہے۔ اس نے اپنے کئی اور ملاقاتیوں کی بھی دعوت کی ہے۔ یہ کمرہ قالینوں سے آراستہ ہے اور ریشمی گدے بچھے ہوئے ہیں۔ یہاں ایک چھوٹے سے پنجرے میں ایک بلبل ہے سب سے بڑے کمرے کے سامنے چھت کی چاندنی ہے۔ یہ اس وقت پھول باغ بنی ہوئی ہے۔ ان میں سے دو ایک طرح کے پھولوں کو میں پہچانتی ہوں۔ باقی کی خبر نہیں۔ یہاں تہہ کئے ہوئے بچھونوں سے معلوم ہو رہا ہے کہ کچھ عورتیں باہر چاندنی پر بھی سوتی ہیں۔ سورج اس باغ کو چند روز میں سکھا دے گا۔ لیکن اس کے بعد یہ لوگ بھی گرمی گزارنے کیلئے اپنے طائف کے مکان میں چلے جائیں گے۔ کئی بیبیاں قالینوں پہ بیٹھی ہیں۔ بڑی بوڑھیاں حقہ پی رہی ہیں۔ دو جوان عورتوں کی گودوں میں بچے بھی ہیں جو ہماری باتوں اور قہقہوں میں مزے سے سو رہے ہیں۔ یہ ملاقاتی عورتیں یہاں آج دن بھر رہیں گی۔ میری میزبان نے

مجھے زنان خانے کے مختلف حصوں سے بھی واقف کرا دیا ہے۔ ایک جگہ تنور ہے جس میں اس بڑے گھرانے کیلئے روٹیاں پکتی ہیں۔ ایک طرف باورچی خانہ ہے جہاں میری میزبان دوسری عورتیں اور چھوکریاں کھانے وغیرہ پکاتی ہیں۔ ایک دھوبی خانہ بھی ہے اس میں بعض چھوکریاں کپڑے دھو رہی ہیں اور میری میزبان کی تین خوبصورت بھانجیاں کپڑوں پر استری کرکر کے تہہ کرتی جا رہی ہیں۔ سینے پرونے اور بیٹھنے اٹھنے کا کمرہ الگ ہے۔ غرض کہ خانہ داری کے سب کام گھر ہی میں ہو جاتے ہیں چھتیں کپڑے سکھانے اور ہوا کھانے کیلئے ہیں۔ موسم بہار میں جب گرمی ہونے لگتی ہے تو سب آدمی ان چھتوں پر ہی سوتے ہیں۔ ہاں بکریوں کا ذکر تو رہ ہی گیا۔ ان کا بھی ایک ڈہالیہ علیحدہ ہے۔ ان کو لوسن گھاس بکثرت کھلائی جاتی ہے جو وادیٔ فاطمہ اور مغرب کی طرف کے میدانوں سے آتی ہے۔ یہ دودھ اور مسکہ دیتی ہیں۔ اگر پرانے کاغذ یا کوئی اور چیز بھی مل جائے تو اس کے چبانے میں بھی ان کو عذر نہیں ہے۔

۲۸ / مارچ :۔ آج سہ پہر کو میں اپنی میزبان اور مصطفے کے ساتھ موٹر میں منیٰ و عرفات میں اپنی جائے قیام دیکھنے کیلئے گئی جہاں تین راتیں گزارنا لازمی ہے مکے سے چلکر ہم شمال کی طرف گئے اور سلطان کے محل پر سے گزرے۔ یہ انہوں نے خود تعمیر کروایا ہے۔ بڑی اچھی سنگین عمارت ہے اسکے دروازے کے سامنے اندر کی جانب بادام وغیرہ کے بہت سے درخت ہیں۔ محل سے آگے بڑھکر ہمکو اونٹوں کی ایک قطار ملی جس پر نجدی حاجی سوار تھے یہ لوگ خوفناک جنگجو بہادر اخوان ہیں۔ ان کی عورتیں شغدفوں میں تھیں جو بہت بڑے بڑے پنجرے تھے اور بوریئے وغیرہ سے اچھی طرح ڈھکے ہوئے تھے۔ البتہ ان میں چھوٹے چھوٹے سوراخ تھے جیسے کہ میرے برقع کی حصیر کی نقاب میں ہیں۔ یہ عورتیں تین چار ہفتوں

سے سفر ہی میں ہیں۔ ان کو ریگستان میں یہاں سے زیادہ ہوا ملنی ہوگی۔ ہم مشرق کی طرف مڑے اور ایک گہرے نالے میں چلنے لگے اس کو سابق شاہ حجاز حسین نے پتھر اڑا اڑا کر صاف کیا تھا۔ مکے والے کہتے ہیں کہ اس نے صرف یہی ایک کام نیکی کا کیا ہے لیکن غالباً یہ بات مبالغہ سے خالی نہیں ہے۔ اس کی صفائی سے پیشتر خصوصاً اونٹوں کیلئے یہ رستہ بڑا خوفناک تھا۔ بہت سے حاجی اس ڈھلوان درے کو پار کرنے میں مر چکے ہیں۔ جن لوگوں نے اس جگہ اپنی جانیں کھوئی ہیں ان میں ایک عباسی خلیفہ منصور بھی ہے۔ نویں صدی عیسوی میں اس نے بغداد آباد کیا تھا۔ اس نے علم وفن کی ترقی میں بھی بہت کوشش کی تھی۔ بغداد کا نام دار السلام اس وجہ سے رکھا گیا تھا کہ ایک نجومی نے یہ پیشنگوئی کی تھی کہ بغداد کا کوئی فرماں روا اس شہر کے اندر نہ مرے گا منصور پہلا خلیفۂ بغداد تھا جس نے اس پیشنگوئی کو صحیح ثابت کیا۔ وہ عین جوانی میں اس درہ میں سے گزرتا ہوا مارا گیا جسے سابق شاہ حجاز نے درست کرایا ہے۔ بڑی حیرت کی بات ہے کہ بغداد کے سنیتس بادشاہ کسی نہ کسی وجہ سے بغداد سے دور کسی دوسری ملک میں سفر کرتے ہوئے مرے اور اس طرح نجومی کی پیشنگوئی پوری ہوگئی۔

منیٰ اس گہرے نالے کو پار کرنے کے بعد تھوڑی دیر میں ہم منیٰ پہنچ گئے۔ یہ ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ حاجی عرفات سے واپس آکر یہاں شیطان کو کنکریاں مارتے ہیں۔ یہاں میں نے حاجیوں کا ہوٹل دیکھا۔ حاجیوں کی کثرت کی وجہ سے اس کا کوئی کمرہ ہمیں نہ مل سکا اور آخر رائے یہ ٹھیری کہ گو موسم بہت گرم ہے۔ لیکن دامن کوہ میں خیمہ لگا لینا چاہیئے۔ ریتیلے میدان میں ایک گلی چلی گئی ہے یہی منیٰ ہے۔

مسجد خیف یہاں مسجد خیف بھی ہے۔ یہ بہت قدیم ہے۔ اس میں سنگین محرابدار

رواقیں ہیں۔ ایک قبہ ہے جو اُس جگہ بنا دیا گیا ہے جہاں آنحضرت نے حجتہ الوداع میں نماز پڑھی تھی۔ یہ مسجد صرف عید الضحیٰ کے موقع پر آباد ہو جاتی ہے۔ تین دن یہاں بڑا ہجوم رہتا ہے اور اس کے دونوں میناروں پر اذان بھی ہوتی ہے۔ ادھر حج ختم ہوا خیمے اکھڑے، مجمع منتشر ہوا اور مسجد سنسان و ویران رہ گئی۔

منیٰ و عرفات کے درمیان راستہ ہماری موٹر شمال و مشرق کی جانب خشک وادی کے بازو بازو چلتی رہی۔ جوں جوں ہم آگے بڑھتے گئے پہاڑ زیادہ ڈھلوان ہوتے گئے اور بلندی بڑھتی گئی۔ ان پہاڑیوں کے نشیبی حصوں میں سبز بھوری خار دار جھاڑیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ اس کے پتوں کو اگر رگڑا جائے تو خوشبو دیتی ہے۔ ایسی جھاڑی کے بیچ میں ایک اور قسم کی بوٹی ہوتی ہے جسے بدوی باشم کہتے ہیں۔ اس میں مرہم کی سی خاصیت ہوتی ہے۔ گرمی کے دنوں میں اس کی چھال میں شگاف کر دیئے جاتے ہیں اور اس کا نرم گوند تھیلیوں میں جمع کر لیا جاتا ہے یہ زخموں کیلئے بہت مفید ہوتا ہے۔ اس کے متعلق یہ روایت مشہور ہے کہ یہ بوٹی حضرت سلیمان کو اُن کی بیوی ملکۂ سبا نے نذر کی تھی۔

حدود حرم کے ستونوں سے گزرنے کے بعد ہم کو ناپید اکنار وادی اور پہاڑیاں نظر آئیں جو اندرون ملک تک چلی گئی ہیں۔ یہاں سے آگے موٹر نہیں چل سکتی تھی اس لئے ہم بائیں جانب مڑے اور جبل عرفات کے دامن تک پہنچے۔ یہ ایک ڈھلوان پہاڑ ہے جس پر جابجا نماز پڑھنے کیلئے چبوترے بنے ہوئے ہیں اور اس کی چوٹی پر ایک سنگین ستون ہے یہی وہ مقام ہے جہاں پیغمبر صاحب نے حجتہ الوداع میں خطبہ پڑھا تھا۔

آنحضرت کا حجتہ الوداع سنہ ۱۰ ہجری میں پیغمبر صاحب نوے ہزار حاجیوں کے

ساتھ مدینے سے مکے روانہ ہوئے تھے۔ یہ سفر خوشی اور رنج کا مجموعہ تھا۔ آپ نے مختلف قبائل کی ایک ایسی قوم کو جو لڑائی جھگڑوں کی وجہ سے منتفرق تھی متحد کر دیا تھا اور بت پرست قوم کو خدائے واحد کی عبادت کا طریقہ سکھا دیا تھا۔ یہ سب کام بیس سال کی مصیبتوں اور قربانیوں کے بعد ہوا تھا۔ دس برس تک تو آپ مکے میں انواع و اقسام کی تکلیفیں اٹھاتے رہے اس کے بعد جب مدینے پہنچے تو وہاں دس برس مسلسل لڑائیوں میں گزرے۔ آپ مسن آدمی تھے اور آپ کو اس کا علم ہو چکا تھا کہ آپ تبلیغ رسالت کا عظیم الشان کام ختم کر چکے ہیں۔

سلطان دوجہاں کی سادہ زندگی

اگرچہ آپ فی الحقیقت اس وقت عرب کے بادشاہ تھے اور گرد و نواح کے سلاطین و حکمراں آپ کی دوستی کی تمنا رکھتے تھے مگر آپ نے شاہانہ شان و شکوہ کبھی اختیار نہ کی۔ وہی سیدھی سادی زندگی گزارتے رہے۔ آپ اپنے گھر میں خود جھاڑو دے لیتے تھے اپنے پھٹے ہوئے جوتوں کی آپ مرمت کر لیتے تھے آپ کی ضرورتوں کے بعد جو روپیہ بچتا وہ آپ شہدائے جنگ کی بیواؤں اور یتیموں کے پیچھے صرف کرتے تھے۔ آپ کے اوقات مقرر تھے۔ دن میں نماز سے فارغ ہو کر وفود سے ملاقات کیا کرتے تھے اور انتظام مملکت کے متعلق گفتگو فرماتے تھے۔ رات کو آپ بہت کم سوتے تھے۔ زیادہ تر عبادت ہی میں مشغول رہتے تھے۔ اکثر آپ کی غذا کھجوریں اور پانی ہوتا تھا۔ دنیا کے خزانوں کی کنجیاں آپ کے قدموں پر تھیں مگر آپ نے انکو ہاتھ نہ لگایا۔

عرفات میں آنحضرت کا خطبہ

اس محترم پیغمبر نے الوداع کے وقت اس انبوہ کثیر کے سامنے جو چند روز قبل بتوں کا پوجنے والا تھا

یہ فرمایا:۔

"لوگو! میری باتیں غور سے سنو۔ نہیں معلوم کہ پھر بھی میں تمہارے ساتھ اس جگہ کبھی موجود ہو سکوں گا یا نہیں۔ جس طرح اس دن اور اس مہینے کی حرمت سب پر واجب ہے اسیطرح تمہاری جانیں اور تمہارا مال قیامت تک ایک دوسرے پر حرام ہے۔ یاد رکھو تم سب کو خدا کے دربار میں حاضر ہو کر اپنے اعمال کا حساب دینا پڑے گا۔ خدا نے میراث میں ہر حقدار کا حق مقرر کر دیا ہے لہذا وارثوں کے بارے میں (اس کے خلاف) کوئی وصیت ناجائز ہے۔

لڑکا ماں باپ کا تصور ہونا چاہیئے۔ بدکار کے حصے میں سنگسار ہونا ہے۔

لوگو! تمہارا حق عورتوں پر اور عورتوں کا حق تم پر ہے۔ تم ان کے ساتھ محبت و مہربانی سے پیش آؤ۔

سود حرام ہے۔ قرض دار صرف اصل رقم ادا کر دے زمانہ جاہلیت کے کشت و خون کے تمام جھگڑے آج کی تاریخ سے میں مٹاتا ہوں اور خون کا انتقام موقوف کرتا ہوں

جو شخص اپنے باپ کے سوا کسی اور کو اگر باپ بتائے یا جو غلام اپنے آقا کے سوا کسی اور کو اپنا آقا قرار دے اس پر خدا کی فرشتوں کی اور تمام بنی آدم کی لعنت۔

جو حقوق تم پر عائد کئے گئے ہیں ان کو پورا کرو۔ گناہوں سے

بچتے رہو اور ہاں اپنے غلاموں کا خیال رکھو۔ دیکھو جو تم خود کھاؤ وہ
اُن کو کھلاؤ جو تم آپ پہنو وہی ان کو پہناؤ۔ اگر وہ کوئی ایسا قصور کریں
جو تم معاف نہ کر سکو تو ان کو اپنے پاس سے علحدہ کر دو۔ وہ خدا کے
بندے ہیں۔ ان کے ساتھ بدسلوکی نہ کرنا۔ غلام جو نماز پڑھتے ہیں تمہارے
بھائی ہیں۔ لوگو! میری باتیں سنو اور سمجھو! سب مسلمان آپس میں
بھائی ہیں اور تم ایک دوسرے کے بھائی ہو۔

ناانصافی کرنے سے اپنے کو بچاؤ۔ جو یہاں موجود ہے
وہ میری باتیں اُس تک پہنچا دے جو اس وقت یہاں نہیں ہے
ممکن ہے جو لوگ اس وقت میری باتیں نہیں سن رہے ہیں ان سننے
والوں سے زیادہ یاد رکھیں۔"

اس خطبہ کے بعد آنحضرت اس مجمع کثیر کو دیکھ کر جس میں سے اکثر اسلام کے دشمن رہ چکے تھے
فرطِ مسرت سے آب دیدہ ہو گئے اور پھر فرمایا:۔

"یا اللہ میں نے اپنا فرض پورا کر دیا اور تیرے احکام کامل طور سے
پہنچا دئیے۔"

تمام حاضرین نے ہم آواز ہو کر عرض کی:۔

"بے شک آپ نے اپنا کام پورا کر دیا۔"

اس کے بعد آپ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور کہا:۔

"خداوندا تو گواہ رہنا۔ خداوندا تو گواہ رہنا۔ خداوندا
تو گواہ رہنا۔"

آنحضرت کی علالت و وفات

پیغمبر صاحب اپنی زندگی کے آخری دنوں میں بالکل ساکن وصامت رہے اور اگرچہ علالت کی وجہ سے ضعف بہت تھا پھر بھی وفات سے تین دن قبل تک امامت فرمائی۔
آخری مرتبہ مسجد میں آپ اس طرح تشریف لائے کہ آپکے ایک طرف علی اور دوسری طرف فضل بن عباس تھے۔ آپ ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر سہارا لئے ہوئے تھے۔ آپ کے چہرے سے مسرت کے آثار نمایاں تھے جس سے تمام صحابؓ کو اطمینان ہو گیا تھا۔ نماز پڑھا چکنے کے بعد آپ نے حاضرین سے فرمایا:۔

"مسلمانو! اگر میں نے کسی کے ساتھ کوئی بُرائی کی ہے تو میں اس وقت تیار ہوں وہ مجھ سے بدلہ لے لے۔ اگر کسی کا قرضہ میرے ذمہ ہے تو جو کچھ میرے پاس ہے وہ حاضر ہے۔"

یہ سن کر مجمع میں سے ایک شخص اٹھا اور تین درم کا مطالبہ کیا جو اُس نے آپ کے حکم سے کسی فقیر کو دیئے تھے۔ یہ قرضہ آپ نے فوراً ادا کر دیا اور فرمایا:۔

"آخرت کی رسوائی سے دنیا کی شرمندگی بہتر ہے۔"

اس کے بعد آپ نے موجودہ مسلمانوں کے لئے اور جو مر چکے تھے ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ فرائض مذہبی کی انجام دہی۔ اور امن وصلح کی زندگی گزارنے کی وصیت کی۔ اور اپنی گفتگو کو اس آیت پر ختم فرمایا:۔

"آخرت کی بھلائی ہم نے ان لوگوں کیلئے رکھی ہے جو اس دنیا میں برتری تلاش نہیں کرتے۔ عاقبت کا میدان متقیوں کے ہاتھ رہیگا۔"

اس دن کے بعد پھر آپ باہر نہیں دکھائی دیئے۔ آپ کی طاقت جلد جلد گھٹتی

چلی گئی اور بارہویں ربیع الاول ۱۱ھ ہجری مطابق ۸/جون ۶۳۲ء کو دوشنبہ
کے دن دوپہر کے وقت آپ کی روح رفیق اعلیٰ کے پاس پہنچ گئی اور اس طرح اُس
زندگی کا جو ابتدا سے انتہا تک مخلوق کی بھلائی اور خالق کی عبادت میں بسر ہوئی
تھی خاتمہ ہوگیا۔

پیغمبر صاحب کی نسبت مسٹر پول کی رائے

ایک انگریز مصنف مسٹر پول پیغمبر صاحب کی نسبت لکھتے ہیں:
"وہ آپ میں شجاعانہ اوصاف کے علاوہ عورتوں کی
سی نرم مزاجی و رحمدلی بھی ایسی تھی کہ آپ کے متعلق
رائے قائم کرتے وقت اس امر کا اندیشہ ہوتا ہے کہ محبت و عقیدت
کے جوش میں آکر اس مقدس ہستی کی نسبت کہیں اندھا دھند رائے
قائم نہ ہو جائے۔"

"وہ شخص جو برسوں تک اپنی قوم کی عداوت کا مقابلہ
کرتا رہا جب وہ ان پر قابو پاتا ہے تو ان کی دستگیری کرنے سے
اپنا ہاتھ نہیں کھینچتا۔ بچوں کے ساتھ ایسا شفیق کہ جب کبھی بچوں کے
غول پر اُس کا گزر ہوا کبھی مسکرائے بغیر اور ان سے محبت کی باتیں
کئے بغیر آگے نہ بڑھا۔ خالص دوستی۔ شریفانہ فیاضی۔ بےخوف
بہادری۔ ایسی صفات ہیں جن سے عیب گوئی بھی تعریف میں
مبدل ہو جاتی ہے۔"

اسلام کی نسبت کارلائل کی حق گوئی

تقریباً سو برس پہلے کارلائل اسلام کی نسبت یہ لکھ گئے ہیں:-

مکہ

”ان بارہ سو برس سے اسلام تمام بنی آدم کے پانچویں حصہ کا مذہب
اور زندگی کا رہنما چلا آرہا ہے۔ علاوہ اور خوبیوں کے یہ دل سے قبول
کیا ہوا مذہب رہا ہے۔ عرب اپنے مذہب پر اعتقاد رکھتے ہیں اور
اسی کے موافق عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ عربوں کیلئے یہ مذہب
گویا اُن کو اندھیرے سے اُجالے میں لانا تھا۔ ملک عرب پہلے
پہل اس مذہب کی بدولت زندہ ہوا۔ ایک غریب خانہ بدوش
ریوڑ چرانے والی قوم جو ابتدائے آفرینش سے ریگستان میں گمنام
پڑی تھی اس میں ایک بہادر پیغمبر ایسے کلام کے ساتھ بھیجا گیا جس پر وہ
ایمان لا سکتی تھی۔ دیکھو جس کو کوئی نہیں جانتا تھا وہ قوم ساری دنیا
میں مشہور ہو گئی۔ چھوٹی سی چیز سارے عالم پر چھا گئی اور ایک صدی
کے اندر اندر عرب کے ایک ہاتھ میں غرناطہ تو دوسرے ہاتھ میں
دلی تھی۔

عرب بڑی شان و شکوہ اور فہم و تدبر کے ساتھ دنیا
کے بڑے حصے پر زمانہائے دراز تک چمکتا رہا ہے۔ عقیدہ بڑی
چیز ہے۔ عقیدہ قوم میں جان ڈال دیتا ہے۔ جونہی کوئی قوم ایمان
لے آتی ہے اس کی تاریخ بارآور روح افزا و عظیم الشان ہو جاتی ہے

یہ عرب! ہادی اُن کا محمدؐ! اور ایک صدی!!

اس میں شک نہیں کہ ایک چنگاری گری۔ صرف ایک چنگاری
ایسی زمین پر جو سیاہ مردہ ریت معلوم ہوتی تھی۔ لیکن دیکھو

وہی ریت بھک سے اڑ جانے والی بارود نکلی۔ اس کے آسمان سے
باتیں کرنے والے شعلوں نے دلّی سے غرناطہ تک منور کر دیا۔"

خلفائے راشدین

پیغمبر صاحب کی وفات کے بعد اُن کے خسر حضرت ابوبکر خلیفۂ اسلام ہوئے۔ یہ پہلے شخص ہیں جن کو یہ رتبہ حاصل ہوا۔ ان کے بعد حضرت عمر۔ حضرت عثمان اور حضرت علی یکے بعد دیگرے خلیفہ ہوئے۔ یہ خلفائے راشدین کہلاتے ہیں۔ خلفائے راشدین نے اپنی بہترین روحانی دنیوی حکومت میں جو نرا ہدانہ مثال قائم کی اور جس دانش و تدبر کا اظہار پہلے دو خلفا نے کیا اُس سے لفظ "خلیفہ" کو چار چاند لگ گئے۔ خلفائے راشدین رعایا کی بہبودی اور سادہ زندگی میں کامل طور پر رسول اللہ کی اتباع کرنے والے تھے۔ اُن کے در تک ہر ستم رسیدہ کی رسائی ہو جاتی تھی۔ وہ ادنیٰ سے ادنیٰ شخص کی داد فریاد کو پہنچتے تھے۔ وہ بغیر کسی جاہ وحشم کے محض اپنے اخلاق کے زور سے لوگوں کے دلوں پر حکومت کیا کرتے تھے۔ خلافت کوئی موروثی خطاب نہ تھا بلکہ عربی قبائل کا پرانا طریقہ تھا کہ جس شخص کو وہ اس خدمت کا سب سے زیادہ اہل سمجھتے تھے اُس کو انتخاب کر کے اپنا شیخ بنا لیتے تھے۔ اس قدیم رسم کا میلان اس وقت تک بھی عربوں کے دلوں میں جڑ پکڑے ہوئے ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ خاندان بنی امیہ کے چودہ حکمرانوں میں صرف چار ایسے تھے جن کے لڑکے ان کے جانشین ہوئے

پیغمبر صاحب کا مقصد عظیم پورا ہو چکا ان کے کارنامے اور ان کی زندگی کوئی پردۂ راز میں نہیں ہے۔ ان کی ذات کے متعلق کوئی پریوں کے افسانے نہیں گھڑے گئے ہیں۔ ان کی ہستی ایک مقنن اور ایک پیغمبر کی حیثیت سے ہر زمانے کیلئے ایک نمونہ ہے۔

حوران بہشتی و نعمات جنت گو اب آپ کی تعلیم میں بہت سے توہمات بھی داخل ہو گئے ہیں تاہم ایسی علامتیں موجود ہیں جن سے توقع کی جا سکتی ہے کہ ایک زبردست انقلاب ہو اور آپ کی صاف اور سادہ تعلیم پھر زندہ ہو جائے۔ قرآن میں بہشت کا جو دلفریب بیان ہے وہ بطور استعارہ و تشبیہ ہے مگر ناواقف مصنفوں نے اسے پیچیدہ بنا دیا ہے۔ اس پر زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ مسلمانوں کی جنت کا تصور نفسانی نہیں ہے۔ لفظ "حوری" پر بہت زور دیا جاتا ہے جو لفظ "حور" کی ایک شکل ہے اس کی جمع مذکر "احوار" ہے اور جمع مونث "حورا" ہے جس کے معنی آنکھ کی انتہائی سفیدی یا انتہائی سیاہی کے ہیں اور مراد اس سے پاکیزہ چیز ہے۔ کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ اس لفظ کو صرف عورتوں ہی کیلئے مخص کر دیا جائے۔ درآنحالیکہ یہ لفظ تمام پاک و شگفتہ چیزوں کیلئے عام اس سے کہ وہ جاندار ہوں یا بے جان استعمال ہوتا ہے۔ آخرت کے ازدواجی تعلقات کا ذکر قرآن میں کہیں اصلی معنوں میں نہیں آیا ہے۔ ملاحظہ ہو سورہ (۴۷) آیت (۱۵)۔

"جو لوگ اپنے تئیں برائیوں سے بچانے والے ہیں ان کے واسطے بطور تمثیل ایسے باغ کا وعدہ کیا گیا ہے جس میں پانی کی ایسی نہریں بہتی ہیں جس کا مزا نہیں بدلتا۔ ایسے دودھ کی نہریں بہہ رہی ہیں جس کا ذائقہ تبدیل نہیں ہوتا جس میں ایسی شراب کی نہریں ہیں جس کے پینے والے مسرور رہوں اور شہد مصفا کی نہریں ہیں۔ اور ہر قسم کے میوے ہیں اور ان کے لئے خدا کی طرف سے سلامتی ہے۔"

مذکورہ بالا بیان سے بہشت کی اصلی نعمتوں کا اظہار نہیں ہوتا بلکہ وہاں ایسی نعمتیں ہوں گی جن کی نسبت پیغمبر صاحب نے فرمایا ہے:۔

"نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہیں نہ کسی کان نے سنی ہیں نہ اُن کا تصور کسی انسان کے دل میں گزر سکتا ہے"

غرض کہ قرآن میں جنت کا بیان ایک استعارہ کے پیرایہ میں کیا گیا ہے تاکہ ہر شخص اُسے سمجھ سکے اور اس کے تصور سے لذت اندوز ہو سکے۔ نیکیوں کے بدلے میں حوروں کا جو ذکر آیا ہے وہ بھی صرف مردوں ہی کیلئے نہیں ہے بلکہ عورتوں کو بھی یہ بدلا ملیگا۔ جیساکہ سورہ (۴۴) آیت (۵۴) میں ہے۔

"اسی طرح ہم بدلا دیں گے اُن کو (مردوں اور عورتوں کو) پاکیزہ اور خوبصورت سے۔"

قرآن کے آیات لوگوں کے فہم اور ادراک کے اعتبار سے وارد ہوئی ہیں اور اُن میں خدا کی عظمت وجلال ورحمت ورافت کی کیفیات بڑی فصاحت کے ساتھ دل ہلا دینے والے فقروں میں ظاہر کی گئی ہیں۔ اللہ اکبر ریگستان کے پیغمبر کی جانفزا وروح پرور زبان میں کیا کیا شاعری موجود ہے:۔

"وہ اللہ ہی ہے جو صبح طلوع کرتا ہے اور آرام کیلئے رات لاتا ہے جس نے چاند سورج تمہارے حساب کرنے کیلئے بنائے ہیں۔ خدا وہ ہے جس نے رات کو تمہارے لئے لباس بنایا سب چیزیں فنا ہو جائیں گی اور صرف صاحب جلال واکرام میرے رب کی ذات باقی رہے گی"

کل من علیھا فان ویبقیٰ وجہ ربك ذوالجلال والاکرام

جبل رحمت پر پانی کے حوض جبل عرفات کو جبل رحمت بھی کہتے ہیں۔ اس پہاڑ کی اُس چوٹی پر جہاں حجتہ الوداع میں آنحضرت کھڑے ہوئے تھے حج کا خطبہ پڑھا جاتا ہے۔ پہاڑوں کا پانی یہاں بڑے بڑے حوضوں میں جمع کر لیا جاتا ہے اور وہ پھر ایک گہری نہر کی صورت میں تقریباً بیس میل کا فاصلہ طے کرتا ہوا مکے تک پہنچتا ہے۔ اس مضبوط کام کی تعمیر کو ایک ہزار برس سے زیادہ مدت گزر گئی مگر آج کی تاریخ تک اس کے ذریعہ شہر کو برابر پانی ملتا ہے۔ یہ اس زمانہ کے کاریگروں کی صناعی کی یادگار اور اس ملکہ کا فیض جاریہ ہے جس نے اسے تعمیر کرایا تھا۔

پہاڑ کے دامن میں ہم نے موٹر چھوڑ دی اور پہلی چڑھائی تک پہنچے۔ یہاں تھوڑی سی صاف کی ہوئی جگہ ہے۔ اس کی نسبت مشہور ہے کہ یہاں حضرت آدم نے نماز پڑھی تھی اور یہ گویا پہلی نماز تھی جو انسان نے ادا کی۔ یہاں بہت سے حاجی آرام کر رہے ہیں اور بہت سے پیچھے سے آتے دکھائی دے رہے ہیں۔

یمنی لوگ پہاڑی یمنی عورتوں مردوں سے پٹی پڑی ہے۔ ان لوگوں کو یہاں تک پہنچنے میں کئی مہینے لگے ہیں اور یہ جنوبی صحرا کے ناپیداکنار ریگستان کو قطع کر کے یہاں تک آئے ہیں۔ ان کی عورتیں بورئیے کی عجیب نکیلی ٹوپیاں پہنے ڈائنیں سی معلوم ہوتی ہیں۔ یمن کے یہ عرب شام وعراق وغیرہ کے عربوں سے بالکل مختلف ہیں۔ ان کے قد پستہ۔ رنگ سیاہ ہوتا ہے اور بنی اسماعیل کے صورت ونقشہ کا

ان میں پتہ نہیں ہے۔ یہ بھی سام کی اولاد ہیں مگر یقنان کی نسل سے ہیں جو خالص عربوں کا جد اعلیٰ تھا۔ لیکن سامی نسل کی وہ علامتیں جو ابراہیم کی اولادیں ہیں ان سے یہ معرا ہیں۔ ان کے سر کے بال چھدرے اور داڑھیاں اس قابل ہی نہیں ہوتیں کہ چھوڑی جائیں۔ میں نے یہاں ان کی بہت سی عورتوں کو دیکھا جو بناؤ سنگھار کئے پہاڑی عورتوں کی طرح بے تکلف چل پھر رہی تھیں۔ یہ موٹر دیکھنے کیلئے پہاڑ سے نیچے اتریں مگر ان کا غول کا غول ڈر کر ہٹ گیا۔ انہوں نے موٹر کبھی نہیں دیکھی اس سے ان کی جھجک نکلنے کے لئے اور یہ سمجھنے کے واسطے کہ یہ کچھ نقصان نہیں پہنچاتی ابھی ایک مدت چاہیئے۔

ہم چڑھتے چڑھتے پہاڑی کی چوٹی پر پہنچے اور اس وقت کہ میں سنگین ستونوں کے پاس کھڑی ہوں مجھے ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ واقعی میں کسی مقدس جگہ ہوں میں عالم خیال میں اس وقت پیغمبر صاحب کا وہ الوداعی خطبہ سن رہی ہوں جو آپ نے تیرہ سو سال قبل ایک آبدیدہ مجمع کو سنایا تھا۔ میں اس وقت ان کروڑوں آدمیوں کا تصور کر رہی ہوں جو حج کی تکمیل کیلئے اس میدان میں خطبہ سننے اکھٹے ہو چکے ہیں۔ یہاں تک پہنچنے کی ہر مسلمان کو آرزو ہوتی ہے۔ لاکھوں یہاں آکر اپنی جانیں قربان کر چکے ہیں۔ بہت سے دین دار موت کو قریب آتا دیکھ کر یہاں پہنچا دیئے جاتے ہیں تا کہ حج کی حالت میں مریں اور اس مقدس زمین میں دفن ہوں۔ میں نے کئی چارپائیاں دیکھیں جن میں بڈھوں اور ضعیفوں کو لٹائے ہوئے طواف وسعی کرا رہے تھے میں نے سنا ہے کہ بعض ایسے حاجی بھی عرفات آئے ہیں جو یہاں سے کبھی واپس نہ ہوں گے۔ ایسے لوگوں کو بہت آسانی سے موت آجاتی ہے جہاں وہ مرتے ہیں وہیں ریتی میں ذرا سا گڑھا کھود کر دفن کر دیئے جاتے ہیں۔

احرام اُن کا کفن ہوجاتا ہے اور وہ خدا کی رحمت میں داخل ہوجاتے ہیں۔ اللہ کریم!!

جبل رحمت پر ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ یہاں کا منظر بھی بہت اچھا تھا۔ غروب ہونے والے سورج نے اس وقت خشک پہاڑوں کو رنگین اور ایک صحرا کو گلابی کر دیا تھا۔

کیا اس زمین میں سوائے پتھر اور ریتی کے اور کچھ نہیں ہے؟ یا اس کی آغوش میں معدنیات کی دولت بھی چھپی ہوئی ہے کسی زمانے میں اوفیر کی سونے کی کانیں دنیا میں بہت مشہور تھیں اور یقیناً وہ خزانے معدوم نہیں ہوئے ہیں۔ غالباً دوسرے اسلامی ممالک میں غیر ملک والوں کی تلاش و تجسس اور پردیسیوں کی زبردستی دخل دہی کی تاریخ یہاں والوں کو اپنے ذرائع کام میں لانے سے روک رہی ہے۔ انہوں نے اپنی زمین کو آزاد اور مقدس شہروں کو محفوظ کر رکھا ہے حجاز کی گزر صدیوں سے حاجیوں پر ہے لیکن حاجیوں کی تعداد اب سال بہ سال کم ہوتی جا رہی ہے۔ کسی زمانے میں دو دو لاکھ بلکہ اس سے بڑھ کر حاجی آیا کرتے تھے لیکن اب اقتصادی کسا د بازاری کی وجہ سے ایک لاکھ بھی بمشکل آتے ہیں اور عرب تکلیف میں مبتلا ہے۔

جدے میں مجھے تیل کے معاملات معلوم ہوئے تھے۔ امریکہ والے اور انگریز دونوں اس کے متعلق سلطان سے مراعات حاصل کرنے میں کوشاں تھے ایک مالدار مسلمان یعنی سابق خدیو مصر (عباس حلمی پاشا) نے ملکی بنک کھولا ہے جس کی شاخ لندن میں ہے۔ اگر تیل کی مراعات منظور ہوگئیں تو وہ کسی عیسائی فرم کو ملیں گی۔ لیکن یہاں والوں کو یقین ہے کہ اسلام کی بہبودی اور مقامات

مقدسہ کے احترام کو یہاں کا طاقتور فرمان روا ملحوظ رکھے گا۔ انشاء اللہ۔ خدا کرے جس طرح اس سرزمین پر برکات آسمانی کا سورج آب وتاب کے ساتھ چمک رہا ہے اسی طرح آفتاب اقبال بھی درخشاں ہوجائے!!

پہاڑ سے نیچے اترنے سے پیشتر میں نے مشرق کی طرف نظر دوڑائی۔ ادھر نخلستان طائف واقع ہے۔ آنحضرت نے جب مکے والوں کو ابتدائے اسلام کی دعوت دی اور خدائے واحد کی عبادت کرنے کیلئے اُن سے کہا تو بہت سے لوگ آپ کے دشمن ہوگئے خصوصاً قبیلہ قریش جو کعبے کے بتوں کا متولی تھا آپ کی مخالفت پر کمربستہ ہوگیا۔ آپ کے چچا ابوطالب آپ کے سب سے بڑے مربی ومحافظ تھے۔ ان کی وفات کے بعد آپ کی جان کے لالے پڑ گئے اور آپ اپنے دشمنوں کے پاس سے چلے جانے پر مجبور ہوگئے اس وقت تک کوئی ستر آدمی آپ پر ایمان لائے تھے آپ نے ان کو حبش میں جہاں کا عیسائی بادشاہ انصاف وفیاضی میں مشہور تھا ہجرت کرنے کا مشورہ دیا لیکن خود آنحضرت وہاں نہ گئے۔ بلکہ آپ طائف کی طرف روانہ ہوئے کہ شائد وہاں کے مزارعین اور کاشتکاروں میں آپ کو ٹھکانا مل جائے لیکن وہ مکے والوں سے بھی بدتر نکلے۔ انکے ہاتھوں سے آپ نے بہت تکلیف اٹھائی اور پھر کچھ دن بعد آپ صرف اپنے ایک وفادار دوست ابوبکر کے ساتھ مدینے چلے گئے اور طائف نے رسول اللہ کو پناہ دینے کا شرف اپنے ہاتھ سے کھو دیا۔

مہاجرین حبش کے خلاف اہل مکہ کا وفد

ستر مہاجرین جنہوں نے حبش میں پناہ لی تھی وہ خوش قسمت نکلے۔ اہل مکہ کا ایک وفد شاہ حبش

کے پاس اس ارادہ سے پہنچا کہ اس قصور پر ان کا اخراج وہاں سے بھی کرا دے کہ انہوں نے اپنا سابق مذہب ترک کر کے ایک نیا مذہب اختیار کر لیا ہے۔ نجاشی حبش کے بادشاہ نے مہاجرین کو طلب کر کے دریافت کیا کہ جو کچھ تمہارے دشمن کہتے ہیں آیا صحیح ہے اور وہ کونسا مذہب ہے جس کی خاطر تم نے اپنا قدیم مذہب ترک کر دیا۔ پناہ گزینوں کے سردار (جعفر طیار) نے جواب دیا۔

شاہ حبش کے سامنے جعفر طیار کی تقریر

"اے بادشاہ ہم جہالت کے گڑھے میں پڑے ہوئے تھے۔ ہم بتوں کو پوجتے تھے۔ مردار کھاتے تھے انسانیت کے ہر کام سے ہم کو نفرت تھی۔ ہمارے پاس کوئی قانون نہ تھا جس کی لاٹھی اس کی بھینس ہوتی تھی۔ خدا نے ہم میں ایک ایسا شخص پیدا کیا جس کی ولادت سے صداقت سے اور دیانت سے ہم واقف تھے۔ اس نے خدائے واحد کی طرف ہم کو بلایا اور بت پرستی کی ممانعت کی۔ اس نے ہم کو تاکید کی کہ سچ بولو۔ وعدہ پورا کرو۔ رحم کرو پڑوسی کا خیال رکھو۔ اس نے بُری بات کہنے سے ہم کو روکا یتیموں کا مال کھانے سے منع کیا۔ گناہوں سے بچنے کی ہدایت کی۔ نماز پڑھنے زکواۃ دینے اور روزہ رکھنے کی نصیحت فرمائی۔ ہم اس پر ایمان لے آئے اور اس کی تعلیم کو قبول کر لیا۔ بس اسی قصور پر ہماری قوم ہماری دشمن ہو گئی اور ہم کو ایذائیں دیں تاکہ ہم خدا کی عبادت چھوڑ کر بتوں کی پرستش کرنے لگیں انہوں نے ہم کو اس قدر ستایا کہ ان میں ہماری گزر مشکل ہو گئی اور آخر آپ کے ملک میں ہم کو پناہ لینی پڑی۔ ہمیں امید

ہے کہ آپ ان کے شر سے ہم کو محفوظ رکھیں گے۔"

پناہ گزینوں کا آپیل بادشاہ نے فوراً منظور کر لیا اور مکے والے اپنا سا منہ لے کر واپس ہو گئے۔

طائف اس وقت اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا اس وجہ سے طائف کے پہچاننے میں مجھے ناکامی ہوئی۔ یہ شہر عرب میں وہی درجہ رکھتا ہے جو ہندوستان میں شملہ۔ سطح سمندر سے یہ چھ ہزار فیٹ بلند ہے۔ پہاڑوں میں یہ ایک شاداب خطہ ہے۔ یہاں پانی کی افراط ہے اور سارے عرب میں صرف یہی ایک ایسا مقام ہے جہاں جاڑوں کے موسم میں برف گرتی ہے اور پانی جم جاتا ہے گرمیوں میں درخت پھل پھول بہار پر آتے ہیں۔ باغوں میں پرندے چہچہے کرتے ہیں اور بندر لوٹ کھسوٹ مچاتے ہیں۔ سلطان اور بہت سے وزیروں کے محلات یہاں ہیں۔ جب مکے کی گرمی ناقابل برداشت ہو جاتی ہے تو بہت سے مکے والے بھی یہاں آجاتے ہیں۔

عربوں کے عیش کا سامان یہ ہے کہ

"سبز درخت ہوں۔ میٹھا پانی ہو اور مہربان دوست"

عبداللہ فلبی کا باغ ۲۹ / مارچ ۲/ ذوالحجہ ۱۳۵۱ھ ۔ آج سورج نکلنے کے ایک گھنٹے بعد موٹر میں حاجی عبداللہ فلبی کے مکان کو گئی۔ یہ شہر کے آخری حصے میں سلطان کے محل کے پاس ہے۔ اگرچہ یہ گھر سوکھی پہاڑیوں سے نزدیک ہے مگر یہاں پانی بہت ہے اور فی الحقیقت یہ ایک پُرفضا باغ ہے۔ اب میں سمجھ گئی کہ وہ اپنے اطراف کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ رکھتے ہوئے اور گوناگوں دلچسپیوں کے باوجود جدے سے دوڑ دوڑ کر مکے کیوں جاتے ہیں۔ اس دلفریب چھوٹے سے

مکان میں انھوں نے پھلواری خود اپنے ہاتھوں سے لگائی ہے۔ جب وہ جدے
آتے ہیں تو ہمیشہ ان کی موٹر پھولوں سے لدی رہتی ہے۔ جدے میں باغ نہیں ہیں
اس لئے وہاں والے پھولوں کی بڑی قدر کرتے ہیں۔ مکہ و جدہ جیسی جگہ رہکر ہی آدمی
سمجھ سکتا ہے کہ خشک اور بے آب و گیاہ مقام کس کو کہتے ہیں جہاں کوئی ایسا درخت
نہیں جس کو درخت کہہ سکیں اور جس کا سایہ بھی پڑتا ہو۔ لہلہاتے سبزے اور درختوں
کے جھنڈ کا تو کیا ذکر ہے ہاں کہیں کہیں نشیبی زمین میں بھورے رنگ کی خاردار جھاڑیاں
موجود ہیں۔ اگر مکے میں سامان ترغیبات ہوتے تو حمیریوں کے بادشاہ اپنے جنگجو
سپاہیوں کو لے کر اس پر چڑھائی کرتے۔ یہاں کی گرمی سردی دونوں بے حد ہیں مکے
میں کسی جگہ کوئی چشمہ بہتا نہیں دکھائی دیتا۔ گھاس کی کوئی پتی آنکھوں کو طراوت
نہیں پہنچاتی۔ شکار کا پتہ نہیں البتہ سوداگر موجود ہیں جو ہر قسم کے دھندے میں الجھے
ہوئے ہیں یہی وجہ ہے کہ عربوں کو بہشت کے خواب میں ہمیشہ سبزہ چراگاہیں بہتا
پانی اور باغ و بہار دکھائی دیتے ہیں۔

قرطبہ کا بادام باغ نفیس ترین مذاق کی بہترین مثال تاج محل کی کیفیت
سب سن چکے ہیں جو ایک مغل بادشاہ نے اپنی ملکہ کی یاد
میں تیار کرایا تھا۔ لیکن خاندان بنی امیہ کے خلیفہ معتمد شاہ لوائل کی یادگار سے بہت
کم لوگ واقف ہوں گے۔ ایک مرتبہ اس کی ملکہ نے پہاڑ کی چوٹیوں پر جمی ہوئی سفید
برف کی تعریف کی تھی اس کے شوہر نے قرطبہ کی ساری پہاڑی کو بادام کے درختوں
سے ڈھک دیا تاکہ موسم بہار میں ملکہ اپنے محل کی کھڑکی میں بیٹھی سفید پھولوں کی دید سے
پہاڑی برف کا لطف اٹھائے۔

ایران و ترکی خوشنما باغوں کیلئے ہمیشہ سے مشہور رہے ہیں جن میں صرف پھول پھلواری ہی دلکش نہیں ہوتی تھی بلکہ فن تعمیر کے لحاظ سے ان کے نقشے بھی عجیب و دلفریب ہوا کرتے تھے ۔

اہل مشرق میں عطر کا شوق

اہل مشرق عطر کے بہت شائق ہوتے ہیں ان کے پاس شیشی میں عطر گلاب یا عطر چنبیلی بھی ہمیشہ رہتا ہے ۔ کہتے ہیں کہ پیغمبر صاحب کو بھی عطر اور پھول بہت پسند تھے ۔

مسٹر فلبی کے باغ کی نگہداشت

اس باغ کی دیکھ بھال دو چھوکریاں کرتی ہیں ۔ ان میں کی ایک سلطان نے ان کو دی ہے ۔ سلطان کے پاس سینکڑوں لونڈی غلام ہیں ۔ شادی ولادت اور دوسری تقاریب میں سلطان ان احکام قرآنی کے بموجب جن میں بردے آزاد کرنے کے ثواب کا ذکر ہے ۔ بعض کو آزاد کر دیتے ہیں لیکن غلام اپنے آرام دہ مسکن کو چھوڑ کر کسی دوسری نئی جگہ جانے سے عموماً انکار کر دیتے ہیں ۔

مکے میں بازار بردہ فروشی

مکے کے ایک بازار میں جو سوق العبید کہلاتا ہے غلاموں کی باقاعدہ خرید و فروخت ہوتی ہے ۔ اس بازار میں مکانوں کے سامنے لمبے لمبے سنگین چبوترے بنے ہیں ۔ ان پر خریداروں کے انتظار میں صبح و شام غلام بیٹھتے ہیں ۔ لونڈی غلام زیادہ تر افریقہ کے رہنے والے ہوتے ہیں ۔ اور ہر عمر کے ہوتے ہیں ۔ لونڈیاں برقعے اوڑھے رہتی ہیں ۔ خریدار دیکھنا چاہے تو برقع اٹھا بھی دیتی ہیں ۔ مکے میں ایسا کوئی گھر مشکل سے ملے گا جس میں لونڈی غلام نہ ہوں ۔ میں جس مکان میں ٹھہری ہوئی ہوں اس میں

بھی لونڈیاں کامل طور پر خوش ہیں۔ ان کے ساتھ گھر والوں کی طرح برتاؤ کیا جاتا ہے ایک کالی بڈھی ان سب کی چودھری ہے اور سب پر حکومت کرتی ہے۔

رسم غلامی عرب میں لڑائیوں اور فتوحات نے غلامی کا طریقہ ایجاد کر دیا تھا۔ تجارت کی غرض سے انسانوں کو چرا کر یا بھگا کر لے جانے کی قرآن میں ممانعت ہے اور جابجا اس بات کی تاکید ہے کہ جب ممکن ہو غلاموں کو آزاد کیا جائے۔ چونکہ لونڈی غلاموں کو آزاد کرنا ثواب کا کام ہے۔ اس لئے ہر مسلمان مرد عورت جس کے پاس لونڈی غلام ہوں مرتے وقت یہ وصیت کر دیتا ہے کہ اتنے غلام آزاد کر دئے جائیں اور اس قدر روپیہ جو ان کے مدد خرچ کیلئے کافی ہو ان کو دے دیا جائے۔

سلطان ابن سعود اور حکومت برطانیہ کے تعاون کا یہ نتیجہ ہو رہا ہے کہ ہر سلطنت اپنے دائرہ اختیار میں انسداد بردہ فروشی کی کوشش کر رہی ہے جس سے کچھ عرصہ میں غلاموں کی تجارت عرب میں خود بخود بند ہو جائے گی۔ سلطان ابن سعود نے نئے غلاموں کی درآمد و فروخت کی ممانعت کر دی ہے

غلامی کی اصلیت کے متعلق میں امیر علی سے بہتر صراحت نہیں کر سکتی اس لئے ان کی کتاب اسپرٹ آف اسلام کی عبارت اس جگہ نقل کر دیتی ہوں۔

> "رسم غلامی نسل انسانی کی ہم عمر ہے۔ تاریخ سے اس کے وجود کا پتہ ہر زمانے اور ہر قوم میں پایا جاتا ہے۔ یہودیوں۔ یونانیوں اور رومیوں نے بھی اس کو جائز ٹھیرا دیا تھا اور ان میں دونوں طرح کی غلامی کا رواج تھا یعنی ایک تو ایسے غلام جو کھیتوں وغیرہ میں

کام کرتے تھے۔ دوسرے وہ جن سے گھریلو کام کاج لیا جاتا تھا۔

دین عیسوی نے غلامی کو رسم و عقیدہ تصور کر کے اس کے خلاف نہ کوئی اعتراض کیا نہ اس کے متعلق کوئی قاعدہ جاری کیا اور نہ اس برائی کو دفع کرنے کیلئے کوئی اصول قائم کئے۔ بلکہ اس امر کی تاکید کی کہ غلام اپنے آقا و مالک کی مرضی کا کامل طور پر تابع رہے۔ دین مسیحی نے غلامی کو ایک مسلمہ دستور بنایا اور اس کے زہریلے اثر کو دور کرتے یا غلاموں کی حالت کی اصلاح کی کوئی کوشش کرنے کے بغیر اس کو جوں کا توں قائم رکھا۔

امریکہ کے گورے عیسائی اپنی اس اولاد کو جو کسی حبشی لونڈی کے ناجائز تعلق سے ہوتی تھی جائز اولاد نہیں سمجھتے تھے۔ ان کے گورے بچے اس حبشن اور اس کی ناجائز اولاد کو فروخت کر سکتے تھے۔

اسلام رنگ و قوم کے فرق کو تسلیم نہیں کرتا۔ اس کی نظر میں سب برابر ہیں نہ محض کہنے کیلئے بلکہ عملاً بھی۔ مسجد میں۔ محل میں، بازار میں۔ مہمان خانے میں بلا کسی حقارت اور بغیر کسی امتیاز کے وہ سب مل جاتے ہیں۔ اسلام کا پہلا موذن ایک حبشی غلام تھا۔ دہلی کا پہلا بادشاہ اور ہندوستان میں اسلامی سلطنت کا بانی ایک غلام تھا۔ غلاموں نے ملکوں پر حکومت کی ہے اور شاہی خاندان قائم کئے ہیں اسلام میں جو آج غلام ہے کل وہ وزیر اعظم ہے۔

قرآن نے غلاموں کی آزادی کے بارے میں تائید کی ہے

اور پیغمبر صاحب نے رسم غلامی کو ایک عارضی رسم تصوّر کرکے یہ تسلیم کیا کہ خیالات میں
ترقی اور حالات میں تبدیلی ہوکر اس رسم کا نیست ونابود ہوجانا یقینی ہے
آنحضرت نے غلاموں کو یہ بھی اجازت دے دی کہ وہ خدمت یا مزدوری
کرکے اپنی قیمت ادا کریں اور آزاد ہوجائیں اور اگر سردست کوئی غلام
محنت مزدوری نہ کرسکتا ہو تو اس کی قیمت بیت المال سے پیشگی ادا
کردی جائے۔ اس کے بعد بھی یہ سمجھنا کہ غلاموں کا جو تصور انگریزوں
میں ہے اس کے مماثل کوئی چیز اسلامی قانون میں بھی ہے بالکل
لغو وبے معنی ہوگا۔"

۳۰ / مارچ :- دوپہر کے وقت گرمی کے مارے جب بیت اللہ میں حاجی
اشاغفیل ہوجاتے ہیں اور میری کھڑکی کے نیچے بھی ساری دنیا اونگنے لگتی ہے
اس وقت میں بھی عموماً سوجانے کا انتظام کرلیتی ہوں۔ ایسے میں ایک سناٹا چھا
جاتا ہے ہاں کان لگا کر سننے سے اونٹوں کے پاؤں کی دھیمی دھیمی آواز سنائی دیتی
ہے۔ جن کی لمبی لمبی قطاریں اناج سے لدی ہوئی ادھر سے اُدھر گزرتی رہتی ہیں۔

بدویوں کا گیت اور اُن کی سادہ زندگی

آج ایک بدوی لڑکا ریگستان کا گیت گا رہا ہے۔ اُس کی
آواز بڑی پاٹ دار اور سریلی ہے اور وہ ایک صحرائی
گیت عجیب درد انگیز اور اداسی پیدا کرنے والے انداز
میں گا رہا ہے جس میں آزادی اور اُس وسیع بیابان کا ذکر ہے جو اس کو میراث میں ملا
ہے جہاں وقت کی گنتی نہیں ہوتی جہاں اس کی ضرورتیں بہت ہی مختصر ہوتی ہیں۔
اُس کی اونٹنی کا دودھ اس کی غذا ہے۔ اس کے اون سے لباس اور خیمہ اس کی

عورت بن دیتی ہے۔ اس کی مینگنیاں ایندھن کا کام دے دیتی ہیں ۔وہ تڑاقے کی گرمی اور کڑاکے کے جاڑے کو خوب جانتا ہے۔ بھوک اور پیاس اس پر اپنا مہیب سایہ ڈالتے رہتے ہیں۔ اُس کو کسی دوسرے قبیلہ سے خون کا انتقام لینے کی بھی فکر ہے بہت سے دشمن اس کی بھی تاک میں ہیں مگر اس کو پرواہ نہیں ۔ وہ اپنی آزادی کو جان سے زیادہ عزیز سمجھتا ہے۔ اس کی نظر میں انقلابات دینوی کوئی چیز نہیں سلطنتیں ٹکرا ٹکرا کر برباد ہو جائیں مگر اس کے سنسان بیابان میں اس کی آواز باز گشت نہیں سنائی دیتی۔ اس کا قانون وہی ریگستان کا پرانا قانون ہے۔ پردیسی کے ساتھ مہماں نوازی دوست کے ساتھ نان و نمک میں شرکت، مصیبت کا مقابلہ صبر کے ساتھ اور دشمن کے ساتھ عداوت۔

جادو کی چھڑی سے خشک زمین سبزہ زار بن گئی

بدوی صدیوں سے اپنے آبا و اجداد کی معاشرت کی جو اس جھلسے ہوئے صحرا میں رہتے تھے پیروی کرتے رہے ہیں لیکن اب جادو کی چھڑی سے یہ خشک زمین سبزہ اگاہ بن جاتی ہے۔

قدرت نے ابن سعود کو جب عرب کا چہرہ بدل دینے کیلئے مسلط کیا اُس سے قبل تک بدوی زندگی بسر کرنے کیلئے قزاقانہ حملے کیا کرتے تھے۔ مال غنیمت اُن کا خدا تھا۔ اُن میں نہ ایمان تھا نہ مذہب۔ اب وہ سلطان کے حسن تدبر کی بدولت بہت سے مقامات پر زراعت کر رہے ہیں۔ سلطان نے ازراہ مہربانی اپنے ملک کی معاشی ضرورتوں کے لحاظ سے یہاں کے ہونہار باشندوں کو مکان بنانے اور کنویں کھودنے کیلئے زرتقاوی دے دیا ہے۔ اب جہاں کہیں

کوئی اچھا چشمہ نکل آتا ہے وہاں زراعتی منڈی قائم ہو جاتی ہے ہر گاؤں میں ج نیا بسایا جاتا ہے لکھنا پڑھنا سکھانے اور مذہبی تعلیم دینے کیلئے ایک معلم بھیج دیا جاتا ہے۔ یہی صحرائی جنگجو نوآبادیوں کے رہنے والے مشہور و معروف ''اخوان'' ہیں یعنی موحدین بھائی جو سعودی عرب سلطنت کے پشت پناہ ہیں اور جن کو موحدوں کے بادشاہ عبدالعزیز ابن سعود نے جو شائد محمدؐ کے زمانے کے بعد سب سے بڑا عرب (سلطان) ہے تیار کیا ہے۔

ابن سعود کی نسبت ایک تجربہ کار انگریز کے خیالات

مسٹر کینتھ ولیمس جنہوں نے پندرہ سال مشرق وسطی میں گزارے ہیں اس ممتاز حکمراں کی نسبت لکھتے ہیں:۔

''عرب کا اتحاد ایک سیاسی رمز ہے جس کو ابن سعود سے بہتر کوئی نہیں جانتا۔ اس میں شک نہیں کہ عربوں کی گذشتہ عظمت کی یادگار جبکہ وہ تہذیب و شائستگی کے علم بردار تھے اس وقت بھی قائم ہے اور کبھی فنا نہیں ہوسکتی تاہم جب بعض عرب دمشق و بغداد کے خلفائے بنی امیہ و بنی عباس کی شان و شوکت یاد کرتے ہیں، جن کے زمانے میں اگرچہ اسلام کی شہرت بھی ہوئی مگر وہ اسلام پر تباہی بھی لائے وہابی فرمان روا خلفائے راشدین کے جلال و جبروت کو پیش نظر رکھتا ہے جو مدینے میں بیٹھے دنیا پر حکومت کیا کرتے تھے۔ علاوہ بریں وہابی اپنے کو عرب ہی رکھنا چاہتے ہیں اور اپنے آپ کو آزاد ریگستان کے اصلی سپوت ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ مزید برآں اس دستور کے سوا

کوئی اور مکتہ دستور مملکت ایسا نہیں ہے جس میں وہابی اپنے آپ کو
نمبر دو پر رکھنے میں قناعت کر سکیں"

ریگستان کے لڑائی جھگڑے جو عربوں کی سرشت میں صدیوں سے جاگزین ہیں ممکن ہے اب بھی اٹھ کھڑے ہوں۔ بات یہ ہے کہ وہ کاشتکار تو اب بنے ہیں ورنہ سپاہی جنم کے ہیں۔ ان کی دعاؤں میں بھی جو وہ سلطان کیلئے کرتے ہیں ایک جوش دلانے والا فقرہ ہے جس سے ان کی طبیعت کے اصلی جوہر معلوم ہوتے ہیں اور وہ جنگ و جدل اور تاخت و تاراج کے زمانہ کی اپنی زندگی کو یاد کر کرکے اس طرح نعرے بھرا کرتے ہیں :-

"اے عبد العزیز !! یاد رکھو ہماری خاصیت پانی کی سی ہے جو
جاری رہے تو اچھا رہتا ہے۔ رک جائے تو خراب ہو جاتا ہے"

حضرت خدیجہ سہ پہر کو ہم اپنی میزبان اور مطوف کے ساتھ قبرستان معلیٰ میں حضرت خدیجہ اور پیغمبر صاحب کے دوسرے قرابت داروں کی قبریں دیکھنے گئے۔ خدیجہ پیغمبر صاحب کی سب سے پہلی بیوی تھیں۔ انہوں نے مرتے دم تک پچیس سال پیغمبر صاحب کا ساتھ دیا اور ان کی موجودگی میں پیغمبر صاحب نے کوئی اور عقد نہ کیا یہ سب سے پہلے ایمان لائی تھیں۔ جس وقت ساری خدائی یہاں تک کہ رشتہ دار تک پیغمبر صاحب کے دشمن تھے یہ ہر طرح اُن کی دل جوئی اور مدد کرتی تھیں پیغمبر صاحب کی عادت تھی کہ وہ یاد الٰہی کیلئے پہاڑ پر غار حرا میں چلے جایا کرتے تھے۔ ایک دن انہوں نے کوئی خواب دیکھا جس کے نتیجے سے وہ ناواقف تھے۔ وہ سمجھے ان کو کچھ ہو گیا ہے۔ وہ کانپتے ہوئے گھر آئے اور خدیجہ سے

کمل اڑھا دینے کیلئے کہا۔ خدیجہ نے اپنی عبا اڑھا دی اور آپ کو تسلی دینے لگیں کہ:۔

"خدا ہمارا محافظ ہے۔ آپ سچ بولتے ہیں۔ سب کے ساتھ نیکی کرتے ہیں۔ وہ آپ کو کسی بیماری میں مبتلا نہ کرے گا۔ کیا ہوا؟ کیا آپ کوئی چیز دیکھ کر ڈر گئے؟"

جب پیغمبر صاحب نے ان سے وہ واقعہ جو غار میں پیش آیا تھا بیان کیا تو وہ کہنے لگیں:۔

"آپ مطمئن رہیے اور خوش ہوئیے۔ آپ اس امت کے پیغمبر ہوں گے۔ جو آپ کو دکھائی دیا وہ کوئی جن نہیں بلکہ فرشتہ تھا۔"

اس کے بعد پیغمبر صاحب پھر اُس غار میں جانے لگے اور مراقبے اور تصور الٰہی کو جاری رکھا اس طرح رمضان کا پورا مہینہ گزر گیا۔ ایک مرتبہ پھر ایک عجیب ہستی آپ کو نظر آئی۔ جس نے ایک ریشمی کپڑا آپ کو دکھایا اور اس پر کچھ عبارت لکھی تھی۔ اُسے پڑھنے کیلئے کہا۔ آپ بے پڑھے تھے مگر دفعتاً آپ کی روح منور ہو گئی اور آپ کو وہ عبارت معلوم ہو گئی:۔

"پڑھ خدا کے نام سے جس نے تمام چیزوں کو پیدا کیا۔ جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے بنایا۔ پڑھ۔ تیرا خدا سب سے زیادہ رحم والا ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے سکھایا اور انسان کو وہ چیزیں بتلائیں جن کا اُس کو علم نہ تھا۔"

اس خواب سے بیدار ہونے کے بعد آپ خوفزدہ ہوئے۔ سجدے میں گر پڑے اور بہت دیر تک دنیا و مافیہا سے بے خبر رہے۔ گھر واپس آکر آپ کانپتے ہوئے

لیٹ گئے آپ کو جاڑا سا معلوم ہو رہا تھا۔ خدیجہ یہ حالت دیکھ کر ڈر گئیں اور کمل اڑھا دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پیغمبر صاحب اٹھے اور فرمایا:۔

"مجھے حکم ہوا ہے کہ میں لوگوں کو خدا کی طرف بلاؤں مگر میری باتوں کا کون یقین کرے گا"

خدیجہ نے جواب دیا:۔

"میں یقین کرتی ہوں"

اس کے بعد آپ ایک زبردست نصب العین کے ساتھ نکلے اور اس سچائی کی نسبت جو آپ پر ظاہر ہوئی تھی بالاعلان و بے خطر وعظ کہنے لگے۔ باوجود تنہائی و بیکسی کے آپ باطل پرستی کے ناقابل فتح قلعے کو مسخر کرنے سے مایوس نہ ہوئے۔ آپ صبر و استقلال کے ساتھ طعنہ دینے والوں اور دشمنی کرنے والوں کا منھ تکتے رہے یہاں تک کہ آپ نے عظمت و جلال کا وہ منظر دکھا دیا جو لوگوں کی تعریف و ہمدردی حاصل کئے بغیر نہیں رہ سکتا"

افسوس ہے کہ خدیجہ جو آپ سے کئی برس بڑی تھیں آپ کی آخری فتح نہ دیکھ سکیں۔ پینسٹھ برس کی عمر میں مکے میں انہوں نے وفات پائی۔ پیغمبر صاحب ان کی قبر پر زار زار روئے اور تمام عمر ان کا غم کرتے رہے حتیٰ کہ آپ کی چہیتی بیوی عائشہ بھی خدیجہ کی یاد آپ کے دل سے نہ مٹا سکیں۔ خدیجہ کی وفات کے بہت برس بعد ایک مرتبہ آپ نے حضرت عمر سے فرمایا کہ۔ "خدیجہ میرا بہترین خزانہ تھیں" حضرت فاطمہ ان مبارک والدین کی صاحبزادی ہیں۔

قبرستان معلیٰ قبروں کا انہدام وہابیوں نے دوسری قبروں کے ساتھ خدیجہ کی قبر

بھی منہدم کردی ہے[1]۔ قبرستان معلی جہاں کسی زمانے میں خوشنما قبے گنبد اور مزارات دکھائی دیتے تھے جو خوش عقیدہ لوگوں نے بزرگوں کی قبروں پر بنا دیئے تھے اب وہ ہو کا میدان ہے۔ یہ موحد چاہتے ہیں کہ سینکڑوں برس کی مدت میں جو توہمات اسلام میں پیدا ہو گئے ہیں ان کو دور کر کے اسلام کو اسی حالت پر لے آئیں جس کی قرآن میں تعلیم دی گئی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس بارے میں وہ حق پر ہیں لیکن اس قدر خوشنمائی کے معدوم ہو جانے پر کوئی شخص افسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

عرب میں پیر پرستی و قبر پرستی

عرب میں نہ درویشوں کی آؤ بھگت ہوتی ہے نہ بزرگوں کی قبروں کو جاہل مسلمان پوجتے ہیں نہ گنڈے تعویذ فروخت ہوتے ہیں۔ وہاں صرف اللہ ہی کی عبادت ہوتی ہے۔

جب نجد کا طاقتور بادشاہ ابن سعود حجاز پر مسلط ہوا اور اس نے کمزور شاہ حسین کو جو فرنگیوں کے ہاتھ میں کٹ پتلی بنا ہوا تھا سمندر کی طرف ڈھکیل دیا تو اس نے ملک کو بہت سی برائیوں سے پاک کر دیا اور حرمین تک پہنچنے کیلئے حاجیوں کے رستے میں امن قائم کر دیا۔ اس کے سپاہیوں نے شاہ حسین کے زرین چتر کو ٹھکرا کر بازار میں پھینک دیا تھا جو کئی دن تک خاک دھول میں پڑا رہا اور بعد میں چند آنے میں کسی کے ہاتھ بیچ دیا۔ کہتے ہیں کہ سپاہیوں نے اس کی دستار زرافشار بھی کتے

---

[1] حضرت خدیجہ کی قبر کا گنبد منہدم ہوا ہے۔ قبر موجود ہے جس کے سرہانے پائینتی اور بازو میں تراشیدہ پتھروں کی چار سلیں نصب ہیں۔

(مزارات حرمین مولفہ حضرت شبیر)

کے سر پر باندھ کر بازار میں چھوڑ دیا تھا۔

وہابی فوج کا داخلہ ۱۹۲۴ء میں سلطان ابن سعود کی فوج کا مکے میں داخلہ بغیر خوں ریزی کی ویسی ہی فتح تھی جیسے کہ تیرہ سو برس قبل پیغمبر صاحب مکے میں داخل ہوئے تھے۔ ابن سعود نے اپنی فوج کو سختی سے حکم دے دیا تھا کہ بلد الامین میں۔ جبر و تعدی کی کوئی خفیف سے خفیف حرکت بھی نہ کریں چنانچہ ابن سعود کے سپاہی مکے میں داخل ہوئے۔ مگر کس طرح۔ کیا فتح مند فوج کی طرح؟ نہیں۔ بلکہ جس طرح مسلمان حج کیلئے مکے میں آتے ہیں۔ ہر سپاہی حالت احرام میں ایک چادر باندھے ایک اوڑھے تھا۔ جب وہ طواف وسعی سے فارغ ہوئے تو انہوں نے گلی کوچوں میں ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ کسی کو کوئی تکلیف نہیں پہنچائی جائے گی۔ اس کے تھوڑی دیر بعد ابن سعود آئے۔ کس طرح؟ وہی احرام باندھے ہوئے۔ فاتحانہ انداز سے اکڑ تکڑ کے ساتھ قدم اٹھاتے ہوئے نہیں بلکہ جس طرح کوئی دیندار مسلمان عاجزی و خاکساری کے ساتھ مکے میں آتا ہے۔

جب مدینہ و جدہ فتح ہو گئے اور سارا ملک حجاز بزور فتح ابن سعود کا ہو گیا تو انہوں نے تمام ممالک اسلامی میں اعلان شائع کیا کہ ان کا اصل مقصد حج کی راہ کھول دینا اور آئندہ انتظامات پر غور کرنے کیلئے ایک موتمر اسلامی کا قائم کرنا ہے۔ یہ واقعہ کہ بعد میں وہ خود حجاز کے بادشاہ ہو گئے ان کے سابقہ وعدے کی خلاف ورزی نہ تھی اور یہ حقیقت بہت جلد سب پر آشکارا ہو گئی کہ۔

اسلام کی ارض مقدس کی حفاظت کیلئے کوئی شخص ابن سعود سے زیادہ موزوں نہیں ہے۔

ابن سعود کی فیاضی سلطان کی فیاضی کی کوئی حد نہیں ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی چیز اس کو رنجیدہ نہیں ہوتی کہ اس کی جود وعطا کے مقابلہ میں اس کی آمدنی کے ذرائع ہمیشہ ناکافی ہوتے ہیں۔ اس کا محل سب کے واسطے کھلا ہوا ہے۔ بدوی بھی اس سے باتیں کرتے ہیں تو اچھی طرح آنکھیں ملا کر اور صرف عبدالعزیز کے نام سے اُس کو مخاطب کر کے۔

۱۹۲۵ء میں ایک مرتبہ سلطان اپنے مکے کے محل کی کھڑکی میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک بدوی آیا اور اُن کے سامنے کھڑے ہو کر کہنے لگا۔

"ارے عبدالعزیز!! میں یہاں بھوکا مر رہا ہوں اور تو اطمینان سے بیٹھا ہوا ہے"

سلطان نے اس سے کہا "یہاں آؤ اور مجھ سے کہو کہ تم کیوں بھوکے مر رہے ہو" بدوی محل میں داخل ہوا اور کہا کہ رات کو میں مکے آیا اور رباط میں گیا۔ وہاں کے عہدہ داروں نے کہا کہ تم کو بہت دیر ہو گئی اب تمہیں دینے کیلئے کچھ نہیں ہے۔ ابن سعود غصے میں کھڑے ہو گئے اور مہتمم رباط اور اس کے ماتحتوں کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ جب وہ آئے اُن سے سلطان نے پوچھا کہ اگر اس شخص کو دیر ہو گئی تھی اور کھانا نہیں بچا تھا تو کھجوریں اور روٹی کیوں نہ دیدی؟ اس کے بعد بہ نظر عبرت تاکہ آئندہ کسی شخص کو خواہ کتنی ہی دیر کیوں نہ ہو جائے کھانا دینے سے انکار نہ کیا جائے اہالیان رباط کو پندرہ دن کے لئے معطل کر دیا[1]

---

[1] ۔ ماخوذ از لکچر ہز اکسلنسی شیخ حافظ وہبہ

ابن سعود کی سادگی و اخلاق

سلطان نے اپنے لباس وطرز معاشرت میں بھی انتہا درجے کی سادگی کی مثال قائم کی ہے۔ وہ ادنیٰ سے ادنیٰ مہمان کی تعظیم وسلام کیلئے بھی اسی اخلاق ومحبت سے اٹھتے ہیں جیسے کسی بڑے قبیلہ کے شیخ کے واسطے۔ ان کے دسترخوان پر سب کی تواضع کی جاتی ہے۔

یادگار فتح کا جشن منانے پر ابن سعود کی توبہ

فتوحات عرب کی یادگار میں سلطان کے جشن منانے پر جب علمائے نجد نے اعتراض کیا اور اس رسم کو فرنگیوں کی بدعت قرار دیتے ہوئے آئندہ کیلئے اس کی موقوفی کی استدعا کی تو سلطان نے چونکہ یہ معاملہ ان کی ذات سے متعلق تھا علما کے فتوے کے سامنے گردن جھکادی اور اپنی غلطی کا اعتراف کرکے اس طرح توبہ کی۔

"اے میرے پروردگار! میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔ اگر تو مجھے معاف نہ کرے اور مجھ پر رحم نہ فرمائے تو بیشک میں نقصان اٹھانے والوں میں ہو جاؤں گا۔"[1]

علما کی ناجائز فرمائش اور ابن سعود کا انکار

لیکن انہی علما نے جب بے تار کی پیام رسانی کی تنصیب اور موٹررانی کی مخالفت کی تو ابن سعود نے ان کی تحریک قطعی نامنظور کی اور جواب دیا کہ قرآن مجید میں کوئی ایسے احکام نہیں ہیں جن سے علمی ایجادات ورسل رسائل کی ترقیات میں رکاوٹ پیدا کرنے کی تائید ہوتی ہو۔ غرض اب بے تار کی پیام رسانی کا جال اس عرب

---

[1] یہ قرآن شریف کی آیت ہے۔

سلطنت کے دور دراز ریگستانوں میں پھیلا ہوا ہے اور مکہ و ریاض اس کے بڑے اسٹیشن ہیں۔ ان کے قیام میں سلطان کو ایسی رعایا کی مخالفت پر غالب آنا پڑا جو بے تار کی پیام رسانی کو جادو تصور کرتی تھی اور اس کا موجد شیطان کو سمجھتی تھی۔

عربوں کی گذشتہ ترقی

جب ہارون الرشید نے عربوں کی معراج تہذیب کے زمانے میں شارلمین شاہ روم کو ایک عجیب وغریب گھڑی بطور تحفہ بھیجی اور شارلمین کے درباری امرا نے جس وقت عرب سواروں کو شاہ روم کے سامنے وہ گھڑی پیش کرتے دیکھا تو وہ اس کو جادو سمجھے اور اس کے اثر سے ڈر گئے! دیکھئے زمانہ کس طرح بدل جاتا ہے۔ وہ عرب جو کسی وقت علم وفن کے علم بردار تھے آج وہ اس کے نتائج کے سمجھنے سے بھی قاصر ہیں۔

عہد سعودی کی سب سے بڑی برکت

غالباً کامل امن وقطعی امان جس کا حجاز میں دور دورہ ہے سلطان ابن سعود کی فیاض حکومت کی سب سے بڑی برکتیں ہیں۔ یہ بالکل سچ ہے کہ سلطان عبدالعزیز ابن سعود اپنی شان وشکوہ کیلئے حکومت نہیں کرتے بلکہ شوکت اسلام کیلئے۔

مکے کی گرمی اور گھٹس

۳۱/ مارچ:۔ میری میزبان میری موٹر کا لطف اٹھانا چاہتی ہیں اس لئے ہم نے آج نماز عصر کے بعد ٹھنڈے وقت چلنے کا انتظام کیا ہے۔ میں نے مصطفٰے سے کہہ دیا ہے کہ اگر ہو سکے تو پہاڑوں میں چلیں۔ غالباً وہاں ٹھنڈی ہوا ہو گی۔ مکہ اپنی پہاڑیوں کے بیچ میں آباد ہے جن کی بلندی چھ سو سے دو ہزار فیٹ تک ہے۔ اسی وجہ سے یہاں بڑی گرمی اور گھٹس ہوتی ہے۔

مکہ مذاہب عالم کا گہوارہ ہے تاہم تاریخوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دھوپ سے جھلسی ہوئی زمین دنیا کے مذاہب کا گہوارہ ہے۔

عربوں کی روایت ہے کہ حضرت آدم نے کعبہ بنایا تھا۔ اس کے منہدم ہوجانے کے بعد خدا کے حکم سے حضرت ابراہیم نے اس کی تعمیر کی۔ طلوع شائستگی و تہذیب کے وقت انسانی قدم اس ویران گڑھے پر چلے جو آتش فشاں پتھروں سے بھرا پڑا ہے جہاں کوئی درخت یا گھاس کی پتی تک نہیں اور جو اب بھی ایک بڑے مذہب کا مرجع ہے۔ لاکھوں مرد و عورت دور دور سے یہاں آتے ہیں۔ تمام اسلامی ممالک کے باشندے خواہ وہ چینی ہوں یا مراکشی مکے کو اپنا اصلی مرکز اور اپنی تمناؤں کی انتہائی امید گاہ تصور کرتے ہیں۔

تنصیب حجر اسود کی نسبت آنحضرت کا فیصلہ کہتے ہیں کہ آنحضرت کے لڑکپن میں بعثت سے قبل کعبے کی تعمیر کی ضرورت لاحق ہوئی۔ سامان تعمیر فراہم کیا گیا اور قریش نے اس کا انتظام اپنے ذمہ لیا۔ دوران تعمیر میں یہ بحث پیدا ہوئی کہ دیوار کعبہ میں حجر اسود کو نصب کرنے کا فخر کس قبیلہ کو حاصل ہونا چاہیئے۔ یہ جھگڑا اتنا بڑھا کہ قبائل کے کٹ مرنے اور خاندانوں کے تباہ ہوجانے کا اندیشہ ہوگیا اتنے میں ایک تجربہ کار بڈھا اٹھا اور کہا کہ کل سب سے پہلے جو شخص کعبے کی طرف آتا ہوا دکھائی دے اس کا تصفیہ اس کے سپرد کیا جائے۔ اس بات کو سب نے مان لیا۔ صبح سب لوگ اشتیاق سے منتظر تھے کہ دیکھیں کون آتا ہے۔ اتنے میں ایک لڑکا "محمدؐ" جو الامین کے لقب سے مکے میں مشہور تھا آیا۔ اسے دیکھ کر سب مطمئن ہوگئے۔ اس نے اپنا کمل بچھایا۔ حجر اسود کو اس میں رکھا اور ہر قبیلے کے سردار کو

کا کونا پکڑنے کیلئے بلایا اور اس طرح حجر اسود کو لیکر اس لڑکے نے خود اپنے ہاتھ سے اس کی جگہ رکھ دیا۔ اس ترکیب سے ایک فتنۂ عظیم جو خون خرابے پر ختم ہونے والا تھا آسانی سے مٹ گیا۔

کوہ ابو قبیس شہر سے باہر ایک پہاڑی ہے اسے جبل ابو قبیس کہتے ہیں۔ مصطفٰے ہمیں ترغیب دے رہا ہے کہ اس کی زیارت ضرور کرو۔ ہم موٹر میں بیٹھکر باب الصفا کی طرف چند ہی قدم چلے تھے کہ خلاف امید اتر کر پہاڑی پر چڑھنا پڑا۔ اس کے سوا کوئی اور رستہ اوپر جانے کا ہے بھی نہیں۔ میری میزبان بھاری بھرکم عورت ہیں مگر اس مسجد کے دیکھنے کیلئے مستعد ہیں غالباً وہاں ٹھنڈی ہوا اور اچھا منظر ہوگا۔ ہم چھوٹی چھوٹی سیڑھیوں پر سے مکانوں کے درمیان میں ہوتے ہوئے جو اس پہاڑ پر جا بجا بنے ہوئے ہیں چڑھے اور بالآخر ایک کھلی جگہ میں پہنچے۔

مسجد بلال یہیں مسجد بلال ہے۔ یہ اُس حبشی غلام کے نام سے موسوم ہے جسے ابوبکر نے آزاد کرایا تھا۔ اس کے بعد وہ اپنی دلکش آواز کی وجہ سے اسلام کا پہلا موذن مقرر ہوا۔ غریب بلال پر مسلمان ہو جانے کے جرم میں اُس کا مالک بڑا ظلم کیا کرتا تھا اور اپنے سابقہ مذہب پر پلٹ جانے کیلئے اس کو ہر قسم کی تکلیف دیا کرتا تھا۔ بلال اس بات پر رضا مند نہیں ہوتے تھے۔ اگر ابوبکر اس کو اس ظالم کی زنجیروں سے نہ چھڑاتے تو یہ تکلیفوں کے مارے مر جاتے۔ بلال کی ابتدائی زندگی اگرچہ بڑی تکلیف کی تھی لیکن ان کا بڑھاپا اچھی طرح گزرا۔ وہ برسوں تک مسلمانوں کو مدینے میں اس خوبصورت مینار پر سے نماز کیلئے بلاتے رہے جو مسجد نبوی میں ان کے نام سے مشہور ہے۔

جبل ابو قُبیس کا منظر جبل ابوقبیس کی چوٹی پر ہوا بھی اچھی ہے اور منظر بھی دلکش ہے۔ ہم نے نیچے دیکھا۔ مکے کی وادی کے بیچ میں حرم ہے۔ بائیں جانب بڑا نالا ہے جس پر بعض بہترین نئے مکان بنے ہوئے ہیں۔ مکہ ہمارے سامنے بسا ہوا ہے۔ ہوائے جانفزا آرہی ہے۔ ہم یہاں بیٹھے سیر کر رہے ہیں یہی وہ پہاڑ ہے جہاں بیٹھ کر مکے والوں نے ہجرت کے سات برس بعد پیغمبر صاحب کو عمرہ کرتے دیکھا ہے۔ اس موقع پر اگرچہ قریش اور مسلمانوں کے درمیان ایک عارضی صلح ہوگئی تھی۔ مگر قریش نے مسلمان رشتہ داروں اور آنحضرت کے ساتھ والوں سے بات تک کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ انہوں نے (الحاظ شرائط صلح) تین دن کے لئے مسلمانوں کے واسطے شہر خالی کر دیا تھا اور اس پہاڑ پر سے ان کو بیت اللہ میں عمرہ کے مناسک ادا کرتے دیکھا تھا۔ مہاجرین نے جو کئی سال ہوئے یہاں سے جلاوطن ہوگئے تھے جب اپنے گھروں کو جن میں وہ بچپن میں رہا کرتے تھے خالی اور اپنے شہر کو ویران دیکھا ہوگا تو ان کو کس قدر بھیانک منظر معلوم ہوا ہوگا اور ان کے دلوں پر کیا گزری ہوگی۔

مسلمان شرائط صلح کی سختی سے پابندی کر کے اپنے رشتہ داروں اور قدیمی دوستوں سے ایک لفظ کہے بغیر تین دن بعد مدینے واپس چلے گئے۔

فتح مکہ۔ دشمنوں کیا تھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ پیغمبر صاحب فاتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے۔ باغی شہر اب ان کے رحم و کرم رحمتہ اللعالمین کا سلوک پر تھا لیکن پیغمبر صاحب نے سالہا سال تک جو تکلیفیں ان لوگوں کے ہاتھ سے اٹھائی تھیں اُن کو دل سے بھلا دیا۔ اور ان لوگوں کو جو

آپ کے ساتھ بیحد رحمی سے پیش آئے تھے اور جو آپ کی جان کے درپے تھے سب کو معاف کر دیا۔ صرف چار مجرم جو سخت ظالم تھے قتل کئے گئے۔ اس کے بعد تمام شہر کو معافی دیدی گئی۔ نہ کوئی گھر لٹا نہ کسی عورت کی بے حرمتی ہوئی۔ مسلمانوں نے ان تکالیف کے بدلے میں جو خود انہوں نے ان کے رشتہ داروں نے اور انکے ہم مذہبوں نے زمانہ گزشتہ میں اٹھائی تھیں عجیب وغریب تحمل و برداشت سے کام لیا۔ غالباً تاریخیں ایسی کوئی مثال پیش نہیں کرسکتیں کہ کبھی کوئی فاتح اس طرح خاموشی کے ساتھ بغیر کسی خوں ریزی کے کسی مفتوحہ شہر میں داخل ہوا ہو۔

مسجد بلال اب مسجد نہیں ہے

مسجد بلال کو اب وہابی حکومت نے اس خوف سے کہ مبادا اس کی پرستش کسی ولی کی یادگار کے طور پر کی جانے لگے بند کرا دیا ہے۔ مسجد کے پیچھے قہوہ خانہ ہے جس میں پانی کے بڑے بڑے گھڑے رکھے ہوئے ہیں۔ مکے والوں کے لئے یہ جگہ تفریح گاہ ہے یہاں وہ تبدیل آب وہوا اور سیر کیلئے آجاتے ہیں۔ ہم نے اس مسجد میں بہت سے حاجیوں کو چائے وقہوہ پیتے اور سوتے دیکھا۔

دلوں میں حرکت پیدا کرنے والی آواز

اس وقت مغربی پہاڑیوں کے پیچھے سورج ڈوب رہا ہے اس لئے بیت اللہ میں نماز کے واسطے بلانے کے لئے دلوں میں حرکت پیدا کر دینے والی آواز نیچے سے سنائی دی:۔ اللہ اکبر! اللہ اکبر۔ اللہ اکبر اللہ اکبر۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ... یہ بجلی اسلام کی زبردست دنیا سے اور زمین کے چھوروں سے دوڑتی ہے اور بے شمار نمازیوں کے دلوں سے دعا کی ایک لہر اٹھ کر خدا کی طرف

رخ کرتی ہے۔ ریگستانوں کے ڈیروں میں سے، گمنام و پوشیدہ سبزہ زاروں میں سے، آباد شہروں میں سے، شمال کی طرف۔ جنوب کی طرف۔ مشرق کی طرف مغرب کی طرف یہ مقدس آواز بلند ہوتی ہے اور اونچی اونچی میناروں پر سے ایک دھیمی آواز باز گشت بن کر زمین پر گرتی ہے۔

"دوآؤ نماز کے واسطے۔ دوڑو نماز کیلئے۔ اللہ بہت بڑا ہے"

شیخ سنوسی جبل ابو قبیس پر سے مجھے ایک چھوٹا سا مکان دکھایا گیا۔ یہ سنوسی اعظم کا مسکن ہے۔ اٹلی نے جب طرابلس پر حملہ کیا تھا تو انہوں نے اس سے جنگ کی تھی۔ جب اٹلی جنگ عظیم میں متحدین کے ساتھ ہوگیا تو شیخ سنوسی نے انگلستان کو بھی اپنے دشمنوں میں شمار کرلیا اور حدود مصر میں ہم پر حملہ کیا۔ بعد میں وہ اپنا ملک چھوڑ دینے پر مجبور ہوئے اور ایک تحت البحر کشتی میں بیٹھ کر ٹرکی چلے گئے۔ صلح کے بعد انہوں نے مکے جانے کا ارادہ کیا لیکن برطانوی عہدہ داروں نے نہر سوئز میں ہو کر سفر کرنے سے ان کو منع کر دیا اس لئے وہ شامی سبزہ زار جوف و حائل کے رستے سے مکے گئے اور وہاں سکونت اختیار کرلی۔ ریگستان کے اس سردار کو جو کھلے میدان اور درختوں کے بیچ میں رہنے کا عادی تھا جبل ابو قبیس نے ضرور اپنی طرف راغب کیا ہوگا۔ یہاں انہوں نے اپنی زندگی کے آخری ایام صلح و امن کے ساتھ گزار دیئے اور تھوڑا عرصہ ہوا کہ وفات پائی۔

کوہ ابو قبیس سے محلہ جرول کو سورج غروب ہو چکا ہے۔ عرب کی تھوڑی ہی دیر رہنے والی شفق بھی ختم ہوگئی۔ ہم ڈھلوان رستے سے اتر رہے ہیں اور دم گھونٹ دینے والی آبادی کا رخ کر رہے ہیں۔

ملکہ

حصہ دوم

مکہ

حصۂ دوم

یکم اپریل ۱۹۳۳ء: جب سے میں مکے آئی ہوں یہ پہلا موقعہ ہے کہ آج صبح مجھے کچھ گھنٹوں کی فرصت ملی ہے۔ سب لوگ عرفات جانے کی تیاری کر رہے ہیں اس لئے کسی ملاقاتی کے آنے کی بھی امید نہیں ہے۔ اب موقع ہے کہ "حرم" یعنی زنانخانے اور عرب میں عورتوں کی معاشرت کے بارہ میں جس کی نسبت (یورپ میں) سخت غلط فہمیاں ہوتی ہیں چند سطریں لکھ دوں۔

حرم کے معنی لفظ حرم مشتق ہے "محرم" سے جس کے معنی محترم یا حرام کے ہیں اور اصطلاحاً اُس حصۂ مکان پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جو عورتوں کے رہنے سہنے کیلئے مخصوص ہوتا ہے۔ زنانخانہ محترم جگہ تو ضرور ہوتی ہے مگر جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے قید خانہ سے اس کو کیا نسبت۔ عام خیال کے مطابق وہاں نہ بیویوں کا گلہ رہتا ہے نہ بدچلن عورتوں کے غول۔

مختلف اقوام میں عورتوں کی حالت پردے کو اسلامی ایجاد سمجھنا بھی غلطی ہے۔ یونانی اپنی انتہائی شائستگی کے زمانہ میں عورتوں کو گھروں میں قید رکھا کرتے تھے۔ اُن کے کسی قسم کے حقوق نہ تھے یہاں تک کہ حق وراثت بھی عورتوں کو حاصل نہ تھا۔

یونان کے علاقہ اسپارٹا کے رہنے والے اکثر اپنی ایسی عورتوں کو ہلاک

کر دیا کرتے تھے جن کے تندرست بچے پیدا ہونے کی امید نہیں ہوتی تھی۔ جس کا
نتیجہ یہ ہوا تھا کہ مردوں کے مقابلے میں عورتوں کی تعداد اس قدر گھٹ گئی تھی کہ ایک
ایک عورت کے کئی کئی شوہر ہونے لگے تھے۔

روم میں عورتوں کے رہنے کے حصے علیحدہ ہوتے تھے۔ مردوں کو ان
کی موت وحیات کا کامل اختیار رہتا اور وہ ان کے ساتھ غلاموں کا سا برتاؤ کیا
کرتے تھے۔

ایران میں شادی کا کوئی مسلمہ قانون نہ تھا اور اگر کوئی تھا بھی تو اس پر
عمل نہیں ہوتا تھا۔

عرب میں پیغمبر صاحب پیغمبر صاحب کی بعثت سے پیشتر عرب کے شہروں اور
قصبوں میں عورتوں کی حالت انتہا درجے کی گری
سے قبل عورتوں کی حالت ہوئی تھی۔ عورتیں خاندانی جائداد منقولہ یعنی مال و اسباب
کا جزو لاینفک سمجھی جاتی تھیں اور شوہر کے مرنے پر اُس کے بیٹوں کے درمیان تقسیم
کر دی جاتی تھیں۔

عرب کے خانہ بدوش قبیلے رومیوں۔ یونانیوں اور ایرانیوں کے سے
پست اخلاقی اصول سے محفوظ تھے۔ ان میں عورتوں کو زیادہ آزادی حاصل تھی
وہ لڑنے والوں کے ساتھ میدان جنگ میں جایا کرتی تھیں۔ مردوں کو جوش دلا دلا
کر لڑنے مرنے پر آمادہ کرتی تھیں۔ جس طرح ان کے مردوں کیلئے بہادری و فیاضی
بہترین صفات تھے اسی طرح ان کے لئے عصمت وعفت بڑے جوہر تھے۔
ان کی حالت یونانی عورتوں کی سی نہیں تھی جن کو پیرن مورخ "مصیبت زدہ مخلوق"

کہتا ہے۔ عربوں میں اگر کسی قبیلہ کی کسی عورت کی توہین کردی جاتی تو تمام جزیرہ نما میں ایک سرے سے دوسرے تک آگ لگ جایا کرتی تھی۔

پردے کا رواج بہت قدیم ہے اور یہ اُس وحشیانہ زمانے کے بعد ہی شروع ہو گیا جب عورت و مرد جانوروں کی طرح رہا کرتے تھے۔ جوں جوں تہذیب بڑھتی گئی مرد عورتوں کا خیال کرنے لگے۔ ان کو بچوں کی ماں ماننے لگے اور یہ سمجھنے لگے کہ ان کی آغوش پر اُس نسل کی قسمت کا دارومدار ہے جو ہنوز وجود میں نہیں آئی اس لئے ان کی حفاظت وہ خبرگیری کرنی چاہیئے۔ لیکن عورتوں کی بدنصیبی تھی کہ اُس وقت بھی مردوں نے ان کو شہریت کے حقوق نہ دئیے اور وہ گھٹتے گھٹتے محض اسباب خانہ داری رہ گئیں۔

پیغمبر صاحب نے عورتوں کے درجے کو بہت بلند کردیا

محمد صلعم نے "عورتوں کی عزت" کو اپنے مذہب کی ضروری تعلیم قرار دیا آپ نے اُن کو ایسے حقوق عطا کئے جو اس سے قبل ان کو کبھی نصیب نہیں ہوئے تھے۔

آپ نے قانونی و اخلاقی حقوق و اختیارات عمل میں لانے کیلئے عورتوں کو کامل مساوات کے ساتھ مردوں کے برابر جگہ دے دی۔ اسلام کے ابتدائی زمانے میں عورتیں فقہ کی شرحیں لکھتی تھیں۔ اپنی غریب بہنوں کی تعلیم کیلئے انہوں نے کالج قائم کئے تھے۔ عورتیں میدان جنگ میں فوجوں کی کمانڈری تک کرتی تھیں۔ اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے ان زنجیروں کو توڑ کر پھینک دیا جن میں آغاز تاریخ انسانیت سے عورتیں جکڑی ہوئی تھیں۔ اسلام نے ان کی وہ وقعت قائم کی اور ان کو وہ حقوق عطا کئے جو انگلستان میں ان کو سینکڑوں برس بعد تک نہیں

دیئے گئے۔

میں اس حقیقت کو آشکار کرتی ہوں کہ اسلام میں عورتوں کو حق ہے کہ کسی جائداد پر وہ بلا شرکت غیرے قابضانہ و مالکانہ حقوق حاصل کرلیں۔ خواہ وہ کتخدا ہوں یا ناکتخدا ان کو اپنی جائداد پر کامل اختیار حاصل ہے جس طرح چاہیں وہ اسے رکھیں یا نکال دیں۔

بچوں کی نگہداشت کے بارے میں ماں مجاز ہے کہ وہ اپنے بچے کو سات برس تک اور بچی کو سن بلوغ کو پہونچنے تک اپنے پاس رکھے اور اس کا یہ حق کسی وقت بھی زائل نہیں ہوتا خواہ مرد اس کو طلاق بھی دیدے۔

حقوق زوجیت وغیرہ کے اعتبار سے عورت مستحق ہے کہ اس کو شوہر کے رشتہ داروں سے علیحدہ کسی مناسب مکان میں رکھا جائے اور اس کے مصارف شوہر کی آمدنی اور زوجین کی حیثیت کے لحاظ سے ادا کئے جائیں۔ اگر شوہر اپنی زوجہ کی خبرگیری نہ کرے تو زوجہ کو اس پر دعوے کا حق ہے۔ عورت کو یہ بھی حق ہے کہ اگر اُس کے شوہر کی اور بھی بیویاں ہوں تو وہ مساوات کے برتاؤ کے متعلق دعویٰ کرسکتی ہے۔ مہر جو دلہن کا حق ہوتا ہے اُس کی ادائی از روئے شرع شوہر پر واجب ہے اگر شادی کے وقت زر مہر کا کوئی تعین نہ بھی ہو تو بھی عورت کو اس قدر مہر دلایا جاسکتا ہے جو عموماً اس کے خاندان کی عورتوں کا ہو۔

بیوہ کا دعویٰ مہر قرضے کی حیثیت رکھتا ہے اور قبل تقسیم ترکہ اُس کے شوہر کی جائداد سے ادا کیا جاتا ہے۔ جب کوئی اپنی بیوی کو طلاق دیدے تو اُس کو کم سے کم تین مہینے کا نفقہ دینا پڑتا ہے اگر اس مدت میں وہ حاملہ ثابت ہو تو شوہر پر

واجب ہے کہ وہ اُس عورت اور بچے کا نفقہ لڑکا ہونے کی صورت میں سات برس تک اور لڑکی پیدا ہونے کی صورت میں چودہ برس تک ادا کرتا رہے۔

ریگستان کے پیغمبر اعظم نے عورتوں کے مدارج کو جس قدر بلند فرمایا ہے اُس کا ذکر تمام غیر متعصب مصنفون نے اپنی کتابوں میں کیا ہے۔ یہ کہنا صریح بہتان ہے کہ اسلام نے عورتوں کا درجہ گھٹا دیا یا یہ کہ اسلام کو عورتوں کے ذی روح ہونے سے انکار ہے۔

سیاسیات میں عورتوں کا حصہ

اسلام کی ابتدائی صدیوں میں بہت سی عورتیں بڑے بڑے مرتبے رکھتیں تھیں اپنے زمانے کی سیاسیات میں انہوں نے زبردست حصہ لیا ہے اور پشتہا پشت تک اپنا نام روشن چھوڑ گئی ہیں۔ پیغمبر صاحب کی پرنواسی سکینہ بنت حسینؑ نہایت ذہین و فہیم بی بی تھیں ان کی نسبت بیرن مورخ کہتا ہے کہ وہ خود بڑے پایہ کی عالم تھیں اور بڑے بڑے علما سے تبادلہ خیالات کیا کرتی تھیں۔

ملکہ خزروم

سب سے پہلی عورت جو دربار کیا کرتی تھی اور جس کا پتہ تاریخ سے لگتا ہے وہ عہد عباسیہ میں خلیفہ مہدی کی ملکہ خزروم تھی۔ وہ مہمات سلطنت میں بہت دخیل تھی۔ ہر اہم معاملہ میں اس سے مشورہ لیا جاتا تھا۔ اسی کی رائے سے اس کے شوہر نے حاجیوں کے واسطے مکے کی شاہراہ تیار کرائی تھی جس میں جابجا کاروان سرائیں اور کنوئیں تھے۔ یہ ملکہ اپنے خیرات و مبرات کے کاموں کی وجہ سے بھی بہت مشہور رہے۔ اس کے آستانہ پر نامی گرامی علما، شعرا و والیاں ملک حاضر ہوا کرتے تھے۔ اپنے لڑکے کی خلافت کے ابتدائی

زمانہ میں چند سال تک وہ انتظام سلطنت وحکمرانی میں شریک تھی۔

ملکہ زبیدہ ہارون الرشید کی ملکہ زبیدہ نے اپنے زمانہ میں سیاسیات میں بڑا حصہ لیا اور اپنے پیچھے ہمیشہ رہنے والی نیکی نہر زبیدہ کی صورت میں چھوڑ گئی جب وہ حج کو آئی تھی تو اُس نے دیکھا کہ مکہ معظمہ میں پانی کی بڑی تکلیف ہے اس نے یہ نہر تعمیر کرائی جس کے ذریعہ سے شہر میں بافراط پانی آگیا۔

فخرالنساء شیخہ شیدا پانچویں صدی ہجری میں شیخہ شیدا بغداد کی جامع مسجد میں کثیر التعداد حاضرین کے سامنے علم وکلام و شاعری وادب پر بڑے بلیغ خطبے دیا کرتی تھی جن کی وجہ سے اس کا خطاب فخرالنسا تھا۔

مسلمان عورتوں کی نسبت ایک انگریز خاتون کے خیالات ۱۷۱۷ء میں انگریزی سفیر متعینہ قسطنطنیہ کی بیوی لیڈی میری واٹلی مونٹیگو نے اپنی بہن کو یہ خط لکھا تھا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ حرم (زنانخانے) کی نسبت تم نے جو رائے قائم کی ہے وہ لائق مصنف ڈیومونٹ کی تصنیفات پر مبنی ہے جو اس سے جس قدر ناواقف تھا اسی قدر اپنی معلومات پر اس کو بھروسہ بھی تھا۔ یہ بڑے مزے کی بات ہے کہ ڈیومونٹ اور اس کے بحری سفرناموں کے مرتب کرنے والے ترکی عورتوں کی دردناک قید پر آنسو بہاتے ہیں حالانکہ وہ غالباً دنیا بھر کی عورتوں سے زیادہ آزاد ہیں۔ اور دنیا بھر میں صرف وہی عورتیں ایسی ہیں جو فکروں سے آزاد رہ کر پرسکون عیش وآرام کی زندگی

بسر کرتی ہیں۔ ان کا وقت آپس میں ملاقات کرنے میں۔ نہانے میں انتظام خانہ داری میں یا اور خوش گوار مشغلے یعنی روپیہ صرف کرنے میں اور لباس وغیرہ کی جدید وضع اور نئی تراش خراش کی ایجاد میں گزرتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ان کو نمایاں طور پر ہم سے زیادہ آزادی حاصل ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اُن کیلئے عام سیرگاہیں موجود نہیں ہیں مگر حمام کیلئے جانا ان کے واسطے بڑا مسرت بخش ہوتا ہے۔

پردے کی نسبت مسٹر پکتھال کی رائے

ہندوستان میں جس قسم کے پردے کا رواج ہے وہ اسلامی تعلیم پر مبنی نہیں ہے بلکہ یہ زرتشتیوں۔ ایرانیوں اور رومیوں کی ایجاد ہے۔ مسٹر پکتھال نے اپنے رسالہ دی کلچرل سائڈ آف اسلام میں اس رواج پر سخت افسوس کیا ہے وہ فرماتے ہیں:۔

"جب تک پردے کا رواج بڑے بڑے گھروں کی عورتوں میں تھا جن کے لئے محلات میں ورزش کے واسطے کافی جگہ اور دلگی کے مختلف سامان رہا کرتے تھے اُس وقت تک یہ پردہ نہ تو عورتوں کے لئے بے رحمی تھا اور نہ اس سے ان کو کوئی نقصان پہنچا کرتا تھا۔ اور اسلامی نقطۂ نظر سے اس زمانہ کا پردہ قابل اعتراض نہ تھا۔

اُس زمانے کا پردہ ہر طبقے کی عورتوں کیلئے نہیں ہوتا جب سے یہ تمام طبقوں میں رائج ہوگیا جیسا کہ آجکل ہندوستان میں ہے اُس وقت سے البتہ یہ مذموم رسم ہوگئی جس کو شرع شریف ہرگز جائز نہیں رکھتی۔ مصر۔ ٹرکی۔ شام اور عرب میں مسلمان

عورتوں کی حالت بہ مقابلہ ہندوستانی عورتوں کے ہمیشہ اچھی رہی ہے۔

مسلمان عورتوں میں تعلیم کی کمی

مسلمان عورتوں کے بڑے حصے میں جو تعلیم کی کمی پائی جاتی ہے یہ بھی پیغمبر صاحب کے صریح احکام کے بالکل خلاف ہے۔ میں ۱۹۱۴ء کے موسم بہار میں دمشق گئی تھی وہاں کے گورنر اور ان کی بیوی نے شہر سے باہر پہاڑیوں کے درمیان اپنے محل میں میری دعوت کی تھی۔ میڈم عاصمہ صاحبہ (اہلیہ گورنر) بہت لائق خاتون ہیں وہ چار زبانوں میں بے تکلف گفتگو کر سکتی ہیں ان کے بعض مضامین رسالہ "انیسویں صدی اور اس کے بعد" میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان کے شوہر ان کی رائے صائب اور معاملہ فہمی کی بہت قدر کرتے ہیں اور اہم معاملات کا تصفیہ بغیر اُن سے مشورہ لئے نہیں کرتے۔ وہ اپنے چاروں بچوں کی تعلیم کا خود انتظام کرتی ہیں انہوں نے دمشق میں ایک شفاخانہ اور بعض دوسرے خیراتی ادارے بھی قائم کئے ہیں ان کی زندگی بڑی مصروفیت و دلچسپی کی زندگی ہے۔

عرب میں مسلمان عورتوں کی حالت

مکے کے ایک گھرانے میں مہمان ہونے کا مجھے بہت اچھی طرح موقع ملا ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے زنانخانوں کے متعلق جو غلط خیال ابھی تک اہل یورپ کے دلوں میں بیٹھا ہوا ہے میں اُس کی تردید کردوں۔ صرف اسی ایک مکان میں نہیں بلکہ عرب میں جتنے زنانخانے میں نے دیکھے اُن میں اپنے میزبانوں کی صرف ایک ایک ہی بیوی دیکھی۔ ان عورتوں کی زندگی عیاشی کی زندگی سے کوسوں دور ہے وہ عورتیں

خانہ داری کے کام دھندوں میں الجھی رہتی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ خوشی و مسرت کی زندگی بھی گزارتی ہیں۔ وہ اپنی ملاقاتی عورتوں کی دعوتیں کرتی ہیں۔ رسم رسوم۔ تقاریب عید تہواروں کے موقعوں پر لطف اٹھاتی ہیں وہاں یورپ کی طرح اکیلی بدنصیب بڈھیاں الگ رہتی بھی مجھے نظر نہ آئیں۔ زیادہ تر طریقہ یہی ہے کہ سب چھوٹے بڑے مل کر ہی رہتے ہیں۔ خوشی کی کلکاریاں اور مسرت و قناعت کی لہریں جو اُن کے زنانخانوں سے اٹھتی ہیں اُن پر میں رائے قائم کرتی ہوں کہ:۔

"دنیا میں بہتر سے بہتر حالت جو ہو سکتی ہے وہ اُن کی ہے"

کیا عربوں میں محبت نہیں ہوتی ہز اکسلنسی شیخ حافظ وہبہ نے نیر اینڈ مڈل ایسٹ ایسوسی ایشن کے ایک جلسے میں فرمایا تھا۔

"بعض لوگوں کا جنہوں نے عرب کی سیر نہیں کی خیال ہے کہ عرب یا بدوی کا دل پتھر کا ہوتا ہے۔ اُس میں جنگ و جدال اور کشت وخون کے سوا کسی اور چیز کی سمائی کیلئے گنجائش ہی نہیں ہوتی محبت اس میں داخل ہوتے ہوئے ڈرتی ہے" لیکن یہ حالت نہیں"

ایک ملکہ کی وفات پر وزیر ممدوح نے جو سلطان ابن سعود کے گہرے دوست بھی ہیں یہ بھی کہا تھا کہ سلطان اپنی ملکہ جوہرہ سے **سلطان ابن سعود کا غم** بیحد محبت کرتے تھے۔ اُن کا انتقال ۱۹۱۸ء کے انفلوئنزا میں ہوا اور باوجودیکہ ملکہ کو مرے ہوئے اتنے برس ہو گئے مگر آجتک سلطان ان کو بھولے نہیں اور بغیر روئے ہوئے کبھی اُن کا ذکر نہیں کرتے تھے۔ شاہی محل واقع ریاض میں ابھی تک ملکہ مرحومہ کے کمرے سب کے سب ویسے ہی آراستہ

ہیں جیسے کہ انکی زندگی میں رہا کرتے تھے اور یہ مرحومہ کی یاد کی عجیب و غریب شکر گزاری ہے۔ اس کے علاوہ ملکہ کی یاد کا اندازہ اُس زبردست محبت سے بھی ہوتا ہے جو سلطان کو مرحومہ کے دونوں بیٹوں محمدؐ اور خالد کے ساتھ ہے۔ اگر عرب کے دل میں سچی اور دائمی محبت کے لئے جگہ نہیں ہے تو یہ سمجھو پھر اُس میں کسی چیز کیلئے جگہ ہے ہی نہیں۔ عورتوں کے حاکمانہ اثرات کی کہانیوں سے عربوں کی تاریخیں بھری پڑی ہیں۔

شغدف وشبری آج مکہ حاجیوں اور اونٹوں سے پٹا پڑا ہے۔ سب منٰے جانے کی تیاری کر رہے ہیں ہزارہا شغدف قطار در قطار سڑکوں اور گلیوں میں رکھے ہوئے ہیں۔ رستہ چلنا دشوار ہو گیا ہے۔ شغدف اونٹوں پر باندھنے کیلئے تیار ہیں۔ یہ دو چار پائیاں ہوتی ہیں جن پر لکڑیوں کو جھکا کر باندھ دیتے ہیں اوپر دھوپ کے بچاؤ کیلئے ٹاٹ اور شطرنجی وغیرہ تان دیتے ہیں۔ اس طرح شغدف تابوت نما بن جاتا ہے۔ اس کو اٹھا کر اونٹ کی پیٹھ پر موٹی رسیوں سے کس دیتے ہیں۔ ایک شغدف اِدھر ایک اُدھر رہتا ہے۔ اس کے اندر پانی کی صراحیاں اور دوسری ضروری چیزیں رکھنے کیلئے تھلیاں لٹکی رہتی ہیں۔ ان میں مساوی وزن کے دو آدمی بیٹھتے ہیں اور اُترتے چڑھتے وقت توازن کا خیال رکھتے ہیں ورنہ شغدف کے الٹ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ میں نے دو بیچارے حاجیوں کو دیکھا کہ وہ شغدف میں سے گر پڑے تھے ان کا احرام کھل گیا تھا وہ زمین پر مادر زاد ننگے پڑے ہوئے تھے۔ لوگ ان کو دیکھ کر ہنس رہے تھے۔

بمقابلہ شبری[1] کے شغدف زیادہ بھدا ہوتا ہے اور زیادہ تر اس میں غریب حاجی بیٹھتے ہیں سلطان نے آج شہر میں موٹریں چلانے کی ممانعت کر دی ہے سڑکوں پر بڑا مجمع ہے اور بغیر شغدف کی ٹکر کھائے چلنا ناممکن ہے۔ آج صبح میں اپنے کمرے میں بیٹھی اونٹوں کے لدھنے کا تماشا دیکھتی رہی۔ شور و غوغا مچ رہا تھا۔ اونٹ بڑا رہے تھے۔ اونٹ جب شغدف سمیت اٹھتے تھے شغدف ڈھیلے پڑ جاتے تھے سواریوں کو بڑا ہچکولا لگتا تھا اور شغدف دوبارہ درست کرنے پڑتے تھے[2]

بعض شناساؤں سے ملاقات

منیٰ روانہ ہونے سے قبل بیت اللہ میں آج میکلینز کے پاشا سے میری ملاقات ہوئی وہ ننگے سر احرام باندھے ہوئے تھے بحر احمر میں ان کو میں نے جب دیکھا تھا اُس وقت کچھ اور ہی مُشتبہ صورت تھی۔

مولانا شیخ احمد السعید صاحب مدنی سے بھی ملاقات ہوئی اور دو ایک

---

[1] شبری یا شبریہ بچوں کے پالنے کی شکل کی ہوتی ہے۔ اس کی لمبائی چوڑائی کوئی سوا گز ہوتی ہے، بجز خاص اور خانگی شبری کے عموماً یہ آرام دہ نہیں ہوتی۔ اس کا کرایہ بھی بمقابلہ شغدف کے کم ہوتا ہے۔ اس کی سواریاں بیٹھی کی بیٹھی ہی رہتی ہیں وہ سو نہیں سکتیں اِس میں پاؤں پھیلانے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ شغدف میں مزے سے پاؤں پھیلائے سوتے چلے جاتے ہیں۔ شبری میں زیادہ تر غریب حاجی بیٹھتے ہیں۔ (مترجم)

[2] بیٹھے ہوئے اونٹ پر شغدف باندھا جاتا ہے بندھنے کے بعد فوراً ہی اونٹ کھڑا ہو جاتا ہے۔ (مترجم)

اور شناسا بھی ملے یہ سب تیز رفتار سانڈنیوں پر منیٰ جارہے تھے۔

مکے کا نیا شفاخانہ چند سال ہوئے سلطان نے یہاں ایک شفاخانہ قائم کیا ہے۔ سہ پہر کو میں اُسے دیکھنے پیدل گئی۔ مصطفے میرے ساتھ تھا۔ ہم بازاروں، گلیوں اور پیچیدہ راستوں میں ہوکر ایک پرانی محراب کے پاس پہونچے۔ یہاں علاقہ توبہ کا رہنے والا ایک شخص بیتل کی چھوٹی سی چکی میں قہوہ دل رہا تھا۔ احرام باندھے عرب قہوہ پی رہے تھے اور سپاہیوں کی نگاہ بچا کر حقے کے کش لگا رہے تھے۔

جب سلطان ابن سعود نے اس ملک کو فتح کیا تھا اُس وقت سوائے قدیم طریقے کے علاج کے یہاں اور کچھ نہ تھا۔ نیا شفاخانہ شہر کے آخر کونے پر بنا ہے۔ اس کے اطراف چمن اور مختلف قسم کے سایہ دار درخت ہیں شفاخانہ کی عمارت کے چاروں طرف وسیع برآمدہ ہے۔ صدر ناظم طبابت میرے منتظر تھے۔ ان کو فرانسسی زبان آتی ہے انہوں نے اپنے بعض ماتحت ڈاکٹروں اور سرجنوں سے میرا تعارف کرایا۔ ان میں سے کئی پیرس و قسطنطنیہ میں تعلیم پا چکے ہیں۔ یہاں ہر چیز صاف اور مکمل شکل میں نظر آتی ہے جس قابلیت کے ساتھ شفاخانہ چلایا جا رہا ہے اُس پر مجھے بہت تعجب ہوا۔ میں نے باورچی خانہ اور آپریشن کا کمرہ دیکھا وارڈ میں اونٹوں پر سے گرے ہوئے دست و پا شکستہ دو ایک بدنصیب حاجیوں سے گفتگو بھی کی۔ برسوں تک روپیہ جمع کر کے سفر دراز طے کرنے کے بعد اس طرح حج سے ان کا محروم ہو جانا قیامت ہے۔ تاہم نیت بھی حساب میں آتی ہے۔ مگر تقدیر جو دکھائے سو لاچار دیکھنا۔

شفاخانے والوں نے مجھ سے کہا کہ منیٰ و عرفات سے واپسی کے بعد بیماروں کی تعداد میں بہت اضافہ ہو جائے گا۔ قلت رقم کی وجہ سے شفاخانے کا ایک حصہ ابھی ناتمام بھی ہے۔ ایک دوسرے آپریشن روم کی بھی سخت ضرورت ہے۔ جو کچھ سہولتیں مجھے سلطان اور ان کے اہل ملک نے بہم پہنچائی ہیں۔ اُن کے شکریہ میں ایک چھوٹا سا عطیہ میں نے ناظم صاحب طبابت کے سامنے پیش کیا اور اس وقتیہ عطیہ پر انہوں نے میرا بہت شکریہ ادا کیا۔

شفاخانوں کے موجد مسلمان ہیں

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ مسلمان طبیبوں نے ہی سب سے پہلے ایسے شفاخانے ایجاد کئے تھے جن میں بیماریوں کی نوعیت کے اعتبار سے مریضوں کو جدا جدا وارڈوں میں رکھا جاتا تھا۔ جہاں صفائی اور تازہ ہوا علاج کا ایک ضروری جزو ہوا کرتی تھی اور بیماروں کے آرام و آسائش کا خصوصیت کے ساتھ اہتمام کیا جاتا تھا۔

چیچک کے ٹیکہ کیلئے فرنگی ترکوں کے ممنون ہیں

اہل یورپ چیچک کے ٹیکہ کے استعمال میں بھی ترکوں کے مرہون منت ہیں اٹھارویں صدی میں یہ وبا انگلستان میں اس شدت سے پھیلی تھی کہ وہاں کی تقریباً ایک تہائی آبادی کا صفایا کر دیا تھا۔ ۱۷۱۷ء میں جب مسٹر واٹلی مانٹیگو قسطنطنیہ میں تھے اُن کی بیوی لیڈی میری اس ٹیکہ کی اس قدر معتقد تھی کہ انہوں نے اپنے چھوٹے لڑکے کو بھی ٹیکہ لگوا دیا تھا۔ اُس زمانے میں خاتون صاحبہ موصوفہ نے اپنی دوست مس سارہ چسویل کو چیچک کے ٹیکہ کے متعلق اپنے تجربات کی کیفیت اس طرح تحریر کی تھی:-

" موجودہ پریشانی (چیچک) کے متعلق میں تم سے ایک ایسی بات بیان کروں گی کہ تم بھی یہاں موجود ہونے کی آرزو کرنے لگو گی ۔ یہ چیچک جو ہمارے ہاں اس قدر عام اور مہلک ہے وہ یہاں ٹیکہ کی ایجاد کی وجہ سے مطلقاً بے ضرر ہے۔

یہاں بڈھی عورتوں کا ایک گروہ ہے جن کا پیشہ یہ ہے کہ وہ ستمبر کے مہینے میں جب خزاں کا آغاز ہوتا ہے اور شدت کی گرمی کم ہو جاتی ہے تو ٹیکہ لگاتی پھرتی ہیں۔ یہاں والے آپس میں دریافت کر لیتے ہیں کہ تمہارے یہاں کوئی ٹیکہ نکلوانا چاہتا ہے اور پندرہ سولہ آدمی مل کر سب ایک جگہ اکھٹے ہو جاتے ہیں وہاں ایک بڈھی عورت اخروٹ کے چھلکے کے اندر چیچک کا اعلیٰ قسم کا مادہ لئے ہوئے آتی ہے اور ہر ایک سے پوچھتی ہے کہ تم کون سی رگ کھلوانا چاہتے ہو جس رگ میں ٹیکہ نکلوانا منظور ہوتا ہے اُس میں وہ ایک موٹی سوئی سے کہرونچا دے دیتی ہے جس میں معمولی خراش سے زیادہ تکلیف نہیں ہوتی اور پھر اس کہرونچے پر وہ خشخاش برابر چیچک کا مادہ لگا دیتی ہے اور اوپر سے اخروٹ کے چھلکے کا ٹکڑا اوندھا رکھ کر پٹی باندھ دیتی ہے۔ اس طرح چار پانچ رگوں میں وہ خراش کر دیتی ہے۔ یونانیوں کو خبط ہے کہ وہ عموماً ایک تو پیشانی کے بیچ کی رگ کھلواتے ہیں۔ دونوں بازوؤں کی ایک ایک رگ اور ایک رگ سینہ کی، اس طرح وہ اپنے جسم پر صلیب کی علامت

بنوادیتے ہیں مگراس میں نقصان یہ ہے کہ ان سب زخموں کے ذرا ذرا سے نشان باقی رہ جاتے ہیں۔ اور یہ ان کی اوہام پرستی کا نتیجہ ہے بچے ٹیکہ نکلوانے کے بعد دن بھر مزے سے کھیلتے پھرتے ہیں۔ آٹھ روز تک ان کو مطلق تکلیف نہیں ہوتی اس کے بعد بخار آتا ہے اور دو تین دن بعد وہ بستر پر پڑ جاتے ہیں۔ کبھی کبھی ان کے چہروں پر پچیس تیس دانے چیچک کے بھی نکل آتے ہیں مگر وہ ایسے کہ اُن کے نشان کبھی باقی نہیں رہتے۔ آٹھ دن میں وہ بالکل بھلے چنگے ہو جاتے ہیں۔

جن مقامات پر ٹیکہ لگایا جاتا ہے وہاں زخم سے پڑ جاتے ہیں اور ٹیکہ کے زور کے دنوں میں ان میں سے کچھ آلائش نکلتی رہتی ہے اس میں مطلق شبہ نہیں کہ چیچک کا یہ تیر بہدف علاج ہے۔ یہاں ہر سال ہزاروں آدمیوں کو ٹیکہ نکالا جاتا ہے فرانسیسی سفیر کا بیان ہے کہ دوسرے ملکوں میں جس طرح پانی سے علاج کیا جاتا ہے یہاں دلگی اور تماشے کیلئے ٹیکہ نکلوا لیتے ہیں۔ ہم نے آج تک نہیں سنا کہ اس ٹیکہ سے کوئی مرا ہو۔ تم یقین مانو کہ مجھے اس کے بے ضرر ہونے کا کامل یقین ہے۔ چنانچہ میرا ارادہ اپنے چھوٹے لڑکے کو بھی ٹیکہ نکلوانے کا ہے۔

ٹیکہ کا طریقہ انگلستان میں رائج کرنے کیلئے خواہ کتنی ہی تکلیف کیوں نہ اٹھانی پڑے بلحاظ حب الوطنی میں اُس کے لئے تیار ہوں اس بارہ میں اپنے ہاں کے بعض ڈاکٹروں کو بھی میں خصوصیت کے ساتھ لکھوں گی بشرطیکہ مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ وہ بنی نوع انسان

کی بھلائی کی خاطر اس قدر درد اپنے دل میں رکھتے ہیں کہ اپنی آمدنی
کے اتنے بڑے ذریعہ کو برباد کردینے کیلئے تیار ہوجائیں گے مگر چیچک
ان کے لئے ضرورت سے زیادہ فائدہ بخش ہے اس لئے وہ اُس
جرات کو بھی پوری طرح ظاہر نہیں کرسکتے جو اس مہلک مرض کا
قلع وقمع کردینے کیلئے اُن کو کام میں لانی پڑے گی۔ اگر میں زندہ رہی
تو انگلستان آکر ڈاکٹروں کے ساتھ بہادری سے جنگ کرونگی۔ ...."

جب لیڈی میری لندن واپس گئیں تو انھوں نے اپنی تجویز کو عمل میں لانا شروع کیا اور ڈاکٹر میٹلینڈ نے ان کی زیر سرپرستی ٹیکے نکالنے کا ارادہ کیا۔ پادری صاحبوں نے اس "کافرانہ رسم" کے جاری کرنے پر ان کے خلاف زور و شور سے وعظ کئے اور ڈاکٹری پیشہ اشخاص نے گالیوں کا جھاڑ باندھ دیا۔ مگر لیڈی میری اس مخالفت سے ڈری نہیں اور چیچک کے موسم میں اور اس کے بعد بھی وہ برابر اپنی دھن میں لگی رہیں۔ خوش قسمتی سے مشہور ڈاکٹر رچرڈ میڈ نے بھی ان کی تائید کی یہاں تک کہ اُن کی کوشش بارآور ہوگئی اور ۱۷۲۱ء میں جب کہ لندن میں چیچک پھیلنے کا خطرہ تھا ڈاکٹر موصوف نے ٹیکہ کے عمل کے متعلق ایک رسالہ شائع کیا جو اس قدر مقبول ہوا کہ ایک سال کے اندر سات مرتبہ طبع کرانا پڑا۔ ۱۷۲۱ء میں لیڈی میری کو اجازت ہوگئی کہ اولاً وہ سات ملزمین مستوجب سزائے موت پر ہاتھ صاف کریں۔ ڈاکٹر میڈ نے ان کو ٹیکہ نکالا اور ساتوں کے ساتوں اچھے ہوگئے۔ آئندہ سال شاہی خاندان کے دو افراد نے کامیابی کے ساتھ ٹیکہ نکلوایا۔ اس کے بعد بہت سے حلقوں میں اس کا رواج ہوگیا اور لیڈی میری کو ہزارہا انگریزوں کی جان بچانے

یہ ہر جن کا سال کے سال صفایا ہوتا تھا مبارک باد دی گئی۔

مکے میں امراض دماغی کا شفا خانہ

مکے میں امراض جسمانی کے اس شفا خانے کے علاوہ ایک شفا خانہ امراض دماغی کا بھی ہے عربوں میں جنون ہمیشہ سے خاص توجہ کی چیز رہی ہے۔ جس زمانے میں یورپ والے جنون کو کسی گناہ کی سزا تصور کرتے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ مریض کے جسم میں کوئی خبیث ارواح حلول کر گئی ہے۔ عرب اُس وقت بھی اس کو بیماری سمجھتے تھے۔

ایک انگریز بادشاہ کے جنون کا علاج

کچھ زمانہ گزرا کہ ایک انگریز بادشاہ کو عارضہ مراق ونسیان لاحق ہوگیا تھا اُس کے طبیبوں نے اس بلا سے نجات دلانے کیلئے یہ علاج کیا کہ اُسے زمین پر ڈال کر خوب پیٹا۔

شمالی افریقہ کے مجذوب

شمالی افریقہ میں دیوانوں کو جاہل لوگ مجذوب تصور کرتے ہیں۔ یعنی اُن کا دماغ تو آسمان کی طرف جذب کر لیا گیا ہے اور زندگی کے دن پورے کرنے کیلئے ان کا جسم زمین پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ مجذوب اگر ایذا دہندہ نہ ہو تو وہ مزے سے اِدھر اُدھر پھرتا رہتا ہے اور اللہ کے لال اُس کو کھلاتے پلاتے بھی ہیں۔

دو خوبصورت شبریاں

شفا خانے سے جب میں واپس ہو رہی تھی رستے میں میں نے دو بہت خوبصورت شبریاں دیکھیں یہ ایک بڑے گھر کے سامنے رکھی ہوئی تھیں ان پر قرمزی رنگ کے زرین غلاف چڑھے تھے میں نے ان کے پردوں کو ہٹا کر جھانکا اندر اطلس کے نرم نرم گدی تکئے

لگے ہوئے تھے۔ مجھے اُن لوگوں پر رشک آیا جو کل ان میں بیٹھ کر منیٰ و عرفات جائینگے۔

ہمارے ہاں مہمانوں کا ہجوم

میری میزبان آج بڑی مصروف ہیں اور کام کاج سے تھک کر پست ہوگئی ہیں ان کا مکان اس وقت ملاقاتیو اور رشتہ داروں سے بھرا ہوا ہے۔ گیارہ کل آئے تھے آج نو اور آگئے ہیں۔ جب میں اپنی میزبان کے کمرے میں اوپر کی منزل پر گئی تو دیکھا کہ گدیوں اور فرش پر عورتیں بچھے پڑے ہیں بہت سے سو بھی رہے ہیں بعض مردوں کو بھی میں نے اُن کمروں میں سے نکلتے دیکھا جن میں میرے میزبان صاحب اور اُن کے لڑکے رہتے ہیں۔ غرض کہ چچا پھپیاں بھتیجے۔ بھتیجیاں بھانجے بھانجیاں باوا آدم کے زمانے کے رشتہ دار تک سب کے سب جدے۔ مدینے۔ ینبوع اور حجاز کے دوسرے شہروں سے حج کے دنوں کیلئے اُن پر آنازل ہوئے ہیں۔ مصطفےٰ جو نیچے کہیں سوتا ہے کہہ رہا ہے کہ اس کی جگہ بھی نئے لوگوں سے گھر گئی ہے۔ مکہ اب حاجیوں سے بھر گیا ہے۔ جن میں ایک میں بھی ہوں۔ اور غالباً ان سب میں ایک میں ہی ایسی خوش قسمت ہوں کہ آج کی رات پورے کا پورا کمرہ میرے قبضے میں رہا۔ کل اس وقت تک سب عرفات چلے جائیں گے اور شہر ہُو کا میدان ہوجائیگا۔

۳/اپریل۔ ساری رات اونٹ لدتے رہے۔ ان کے بڑانے اور شور وفغاں کی آوازیں کسی وقت موقوف نہ ہوئیں۔ نیند کا کیا ذکر ہے۔ عام شور و غل اور جوش و خروش کے علاوہ اشتیاق و امید کے جذبہ نے بھی نیند اُڑا دی ہے۔

طواف حجر اسود پر حاجیوں کا ہجوم

میں صبح اٹھی اور حج سے قبل طواف کرنے کیلئے بیٹھے ہوئے اونٹوں کی بیچ میں سے

بیت اللہ گئی۔ ابھی اندھیرا ہے۔ دن نکلنے میں ایک گھنٹہ ہے۔ میں اور میرا مطوف حرم میں داخل ہوئے اور میں طواف کرنے والوں کے ساتھ کعبے کے گرد گھومنے لگی اس وقت بہت سے آدمی حالت بیہوشی میں چلا چلا کر دعائیں مانگ رہے ہیں۔

طواف ختم کر کے میں ایک عجیب سماں دیکھنے کیلئے سیڑھی پر ٹک گئی۔ جس طاق میں مقدس پتھر (حجر اسود) نصب ہے دو سپاہی چھڑیاں اور کوڑے لئے اس کی حفاظت کر رہے ہیں۔ حاجی اس کو چومنے کیلئے دیوانہ وار جھپٹ رہے ہیں۔ لڑے مر رہے ہیں۔ جنگ ہو رہی ہے۔ سپاہی انتظام قائم رکھنے کیلئے اِدھر اُدھر ہاتھ پھینک رہے ہیں۔ اتنے میں میری ایک ملاقاتی بی بی میرے پاس آگئیں۔ اور ہم یہ دھینگا مشتی بہت دیر تک دیکھتے رہے۔ میں کہنے لگی کہ اس پتھر کو چومنے کیلئے میری ہمت تو کبھی نہیں پڑ سکتی۔ وہ بولیں کہ کیوں؟ میرا ارادہ تو اسے چومنے کا ہے۔ میں نے کہا نہیں نہیں ایسی کوشش ہرگز مت کرو۔ اسی وقت ایک لمبا آدمی آیا جس کو انہوں نے بھائی بھائی کہہ کر پکارا اور مجھ سے ملاقات کرائی۔ اس نیک بخت بی بی نے میرا ہاتھ پکڑا اور حجر اسود کی طرف مجھے لے چلی۔ ان کے بھائی نے بھی منع کیا مگر انہوں نے نہ سنا میں نے زیادہ انکار کرنا بھی مناسب نہ سمجھا۔ غرض کہ ہم دونوں ان کے بھائی اور مطوف کی حفاظت میں مجمع کو چیرتے پھاڑتے حجر اسود کی طرف بڑھے۔ وہاں تک پہنچنا غیر ممکن تھا۔ مدہوش بدویوں نے جو اس کے چومنے کی تمنا میں دیوانے ہو گئے تھے ہمیں ایک طرف ڈھکیل دیا اور میں شکر کرتی ہوئی صحیح سالم واپس ہو گئی۔ میری ملاقاتی بی بی کا بھائی ایک اور بی بی کو جو اس دھکا پیلی سے تکلیف اٹھا چکی تھیں ہمارے پاس یہ کہتا ہوا لایا۔

"میں نے پہلے ہی تم سے کہا تھا"

ہم پھر بیٹھ گئے اور حاجیوں کی حالت دیکھتے رہے۔ جوش مذہبی زوروں پر تھا۔ بیخودی و خود فراموشی انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ اب تمام شور و غل اور دعاؤں پر غالب آ کر اذان سنائی دے رہی ہے بیت اللہ کے ہر مینار پر سے آواز آسمان کی طرف چڑھ رہی ہے دن نکل رہا ہے۔ اب بے ہوش حاجیوں پر سکون نازل ہوتا ہے شور و غوغا تھم جاتا ہے اور سب نماز میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

عظیم الشان مجمع کی یکساں حرکت اور عجیب خاموشی جو نماز کے وقت اس پر چھا جاتی ہے خصوصاً جبکہ نمازیوں کی پیشانیاں زمین پر ٹک جاتی ہیں تصور و تخیل کو شدت کے ساتھ اپنی طرف مائل کرتی ہے۔ پھر جب کہ ہزاروں نمازی ایک ساتھ کھڑے ہو جاتے ہیں تو اُن کے کپڑوں کی سرسراہٹ اور کھڑکھڑاہٹ اُس خاموشی کو توڑ دیتی ہے مگر یہ کیفیت ہوا کے جھونکے کی طرح۔ ادھر آتی ہے اُدھر چلی جاتی ہے

حصول علم کے بارہ میں آنحضرت کا ارشاد

پیغمبر صاحب کا ارشاد ہے:-

"علم حاصل کرو خواہ ملک چین میں ہی کیوں نہ ملے۔ حصول علم تمام مسلمان مردوں اور عورتوں پر فرض ہے۔"

ایک عالم طبعیات کو انگریزوں نے جادوگر و مسلمان سمجھا

تیرہویں صدی عیسوی میں جب اڈورڈ سوم تخت انگلستان پر متمکن ہوا تھا۔ راجر بیکن ماہر کیمیا نے دریائے علم میں غوطہ زنی کر کے بھاپ کی قوت دریافت کی مگر اس کو اکسفورڈ جیسے علم کے مرکز میں ان مضامین پر لکچر

دینے کی ممانعت کر دی گئی اور اس کو خانقاہ میں بیٹھنے والے عہدہ داروں کی نگرانی میں رکھنے کیلئے پیرس میں جلاوطن کر دیا گیا۔ راجر بیکن عجائبات قدرت کے سائنٹیفک اسباب بیان کرنے میں بڑا جری تھا جب وہ اپنا نظریہ بیان کرنے کیلئے تیار ہوا تو لوگوں نے یہ سمجھا کہ اب شیطان کے گلے کی رسی کھول دی جا رہی ہے اور ایک عالمگیر آواز بلند ہوئی :۔

"اس جادوگر کو گرا دو اس محمدی کو اٹھا کر پٹک دو۔"

اس زمانے میں اسلام ہی علم کا سرچشمہ اور کیمیا و ہیئت۔ الجبرا اور ان دوسرے علموں کا گھر سمجھا جاتا تھا جن کو جاہل خطرناک چیز اور کالا جادو کہتے تھے۔ یہ بیان کرنا لطف سے خالی نہ ہوگا کہ اس کے بعد راجر بیکن کو دنیا میں آوارہ پھرنے اور مزید علم حاصل کرنے کیلئے رہا کر دیا گیا۔ اور بارود کی ایجاد اور دوربین کے اصول دریافت کرنے کا سہرا اسی بیکن کے سر باندھا گیا جو عام طور سے فرائر بیکن (درویش بیکن) کے نام سے مشہور رہے۔ لیکن یہ محض اسپین کی مسلم یونیورسٹیوں کا طفیل تھا کہ اس نے علم حاصل کیا۔

مسلم یونیورسٹیوں کا فیض عام

انہیں یونیورسٹیوں کی تعلیم کا یہ بھی نتیجہ تھا کہ کولمبس نے یہ دریافت کیا کہ دنیا گول ہے۔ اگرچہ بعد میں (از راہ تعصب) اسے اس حقیقت کے انکار پر مجبور کیا گیا۔ چنانچہ اس سے اس نے انکار کر دیا۔ اس زمانے میں مسلمانوں کی دونوں جگہ کی یونیورسٹیاں یعنی بنی امیہ کی یونیورسٹی اسپین میں اور بنی عباس کی بغداد میں عیسائیوں اور یہودی طالب علموں کو بڑی خوشی سے اپنے ہاں داخل کر لیتی تھیں اور سرکار سے ان کو وظیفہ دیا جاتا تھا

اور جنوبی یورپ و مشرقی ممالک کے سینکڑوں آدمی بائبل اور تعصب کی زنجیروں سے آزاد ہو جانے کیلئے اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے تھے۔

اسلام کا برتاؤ غیر مذہب والوں کے ساتھ

اسلام نے غیر مذہب والوں کے معتقدات میں کبھی دست اندازی نہیں کی اُس نے اپنے خلاف عقیدہ رکھنے والوں کا دم گھوٹنے اور کفر کو نیست و نابود کردینے کیلئے نہ کسی کو پھانسی دی۔ نہ سزائیں دینے کے شکنجے ایجاد کئے۔ نہ سولیاں تیار کیں۔ قرآن کے الفاظ صاف ہیں:۔

"دین میں کوئی جبر نہ ہونا چاہیئے"

اور پھر ایک جگہ یہ وارد ہوا ہے:۔

"بیشک مسلمان۔ یہودی۔ عیسائی اور صابی جو خدا و قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو بدلا دے گا نہ اُن کو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے"

مسلمان حضرت عیسیٰ کا بھی احترام کرتے ہیں

مسلمان جس نقطۂ نظر سے محمدؐ کی تعظیم کرتے ہیں اوسی خیال سے عیسیٰ کو بھی پیغمبر سمجھ کر قابل احترام سمجھتے ہیں مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ دمشق میں میری بھچری بہن بائبل پڑھ رہی تھی ایک شیخ نے اُس کے ہاتھ سے بڑے ادب کے ساتھ بائبل لے کر پیشانی سے لگائی اور اُس کو چوما۔ یہ کیفیت دیکھ کر میری بہن کو بڑا تعجب ہوا۔ پیغمبر عرب نے فرمایا ہے:۔

"میں تم کو کسی نئے مذہب کی تعلیم دینے نہیں آیا

ہوں بلکہ اُس مذہب کی جس کی تعلیم مجھ سے پیشتر تم کو توریت و
انجیل میں دی جا چکی ہے۔ ہمارا تمہارا خدا ایک ہی ہے۔

(قرآن سورہ ۲۹ آیت ۱۲۱)

اسلام و مسیحیت کا فرق پہلے جو لکیر تھی اب وہ خندق ہو گئی

جب ابتدائی مسلمانوں نے حبش کے عیسائیوں کے پاس پناہ لی تھی تو (حبش کے بادشاہ) نجاشی نے مہاجرین کے سردار جعفر (طیار) سے پوچھا تھا کہ تمہارے مذہب کے کیا اصول ہیں جعفر نے قرآن کی اُنیسویں سورۃ یعنی سورۂ مریم زبانی پڑھی۔ جب وہ اس آیت پر پہونچے کہ:-

"وہ عیسیٰ نے کہا کہ بیشک میں خدا کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے
کتاب دی ہے اور پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ سلام ہو مجھ پر۔ سلام ہو
اُس دن پر جب کہ میں پیدا ہوا اُس دن پر جب کہ مروں گا اور اس دن
پر جب میں زندہ کیا جاوں گا۔"

تو حبش کے پادری متعجب ہو کر پوچھنے لگے کہ حقیقت میں عیسیٰ کی حیثیت محمد کی تعلیم کے موافق کیا ہے۔

جعفر نے جواب دیا اسلام خیال کرتا ہے کہ وہ خدا کے بندے اور اس کے رسول تھے۔ نجاشی نے زمین پر اپنی چھڑی سے ایک لکیر کھینچی اور خوشی سے کہا کہ بیشک تمہارے اور ہمارے مذہب میں اس چھوٹی سی لکیر سے زیادہ فرق نہیں ہے۔

افسوس غلط فہمی میں صدیاں گذر گئیں اور وہ خفیف سی لکیر بڑھتے بڑھتے اب ایک ناقابل عبور خندق ہو گئی۔

ایک گرجے کے متعلق حضرت عمر کا عمل

جب حضرت عمر نے بیت المقدس فتح کیا تو وہ بڑے پادری کے ساتھ گھوڑے پر سوار دوستانہ طور پر مختلف امور کی نسبت گفتگو کرتے ہوئے شہر میں سے گزرے جس وقت وہ کینسہ آقامہ دیکھ رہے تھے نماز کا وقت ہوگیا (پادری صاحب نے وہیں نماز پڑھ لینے کیلئے ان سے کہا) مگر انھوں نے اس بنا پر وہاں نماز پڑھنے سے انکار کردیا کہ اگر میں یہاں نماز پڑھوں گا تو آگے چل کر مسلمان میرے اس عمل کی نظیر دے کر ہمارے معاہدہ کی خلاف ورزی کرنے لگیں گے۔ اس دن سے حضرت عیسیٰ کی قبر مقدس کا کلیسا ہمیشہ عیسائیوں کی عبادت گاہ رہا ہے۔ مسلمانوں نے اس میں تمام مسیحی فرقوں کو آزادی کے ساتھ داخلہ کی اجازت دے رکھی ہے اور دوسرے فرقوں کو یہاں سے خارج کرکے بلاشرکت غیرے کسی ایک ہی فرقے کو اس گرجے کا پٹہ دار نہیں بنا دیا ہے۔

حاکم بامر اللہ کی ایک دیوانی حرکت صلیبی لڑائی کا سبب

مسلمان۔ یہودی و عیسائی برسوں تک ہنسی خوشی سے مل کر رہے ہیں عیسائیوں کو کبھی تکلیف نہیں دی گئی۔ بجز اُس زمانے کے جب کہ مصر کے دیوانے بادشاہ حاکم بامر اللہ نے شام فتح کرکے بہت سے عیسائی راہبوں کو جو صحرائے اردن کے غاروں میں رہا کرتے تھے قتل کرا دیا تھا اور قبر شریف کے کلیسا میں عبادت ممنوع اور زیارت موقوف کرا دی تھی۔ اسی ظلم کی خبر تھی جو یورپ میں پہونچی اور صلیبی لڑائیاں شروع ہوئیں لیکن قبل اس کے کہ مجاہدین صلیب کی فوجیں شام پہونچیں مصری حملہ آور یہاں سے واپس ہوچکے

تھے اور سابقہ حالت قائم ہو گئی تھی۔

صلیبی فوجوں کے اغراض جہاد

پہلی صلیبی فوجیں ایک دیوانی حرکت پر مشتعل ہو کر حقیقت پر غور کئے بغیر اندھا دھند نکل کھڑی ہوئی تھیں۔ ان فوجوں نے ایسے دریا میں غوطہ لگایا جس کی تہہ سے وہ واقف نہ تھیں۔ اس لشکر میں اگرچہ بہت سے لوگ مذہبی نشہ سے سرشار ہو کر مقامات مقدسہ کو مسلمانوں کے ہاتھوں سے نجات دلانے کیلئے آئے تھے لیکن اکثر و بیشتر اشخاص کے آنے کے وجوہ مورخین ایسے بتاتے ہیں جو خلق اللہ کی بھلائی سے کوسوں دور ہیں۔ سرداران لشکر ملک وجاہ کی تلاش میں تھے۔ عام لوگ مال غنیمت پر تاک لگائے ہوئے تھے پادری صاحبان مزید آؤ بھگت کے خواہاں تھے۔ راہب اپنے اس نئے عہد کی آڑ میں جو انہوں نے صلیب کی خدمت انجام دینے کیلئے کیا تھا اپنے تمام سابقہ عہدو اقوال اور قسموں کو جو وہ خدا سے کر چکے تھے بے دھڑک توڑ دینا چاہتے تھے۔ البتہ چند سیدھے سادھے لوگ ارض مقدس کو رہائی دلانے کیلئے بھی ساتھ ہو گئے تھے

مجاہدین صلیب کے ظالمانہ حرکات

اس زبردست فوج نے مجاہدین کو جمع کرنے کیلئے یورپ سے کوچ کیا۔ فرانس۔ جرمنی۔ اٹلی اور بہت سے دوسرے ملکوں سے موقع طلب لوگ جوق درجوق جانباز بہادروں کے ساتھ شریک ہوتے چلے گئے لیکن یہ چڑھائی کرنے والے راستہ بھر مہماں نوازی کا بدلا لوٹ مار اور قتل وغارت سے دیتے گئے۔ ان جہاد کرنے والوں کے ہم مذہب عیسائی بھی ظلم وستم کے اکثر اسی طرح شکار ہوئے جیسے کہ

یہودی بمقام کولون آرچ بشپ کی چنیں وچناں کرنے کے باوجود یہودی عورت مرد بچے سب کے سب بڑی بے رحمی کے ساتھ حلال کر دیئے گئے۔ ہنگری کے بادشاہ کو اس ناخدا ترس بے درد فوج کی تاخت وتاراج سے اپنے شہروں اور دیہاتوں کو بچانے کیلئے لڑنا پڑا۔ ہاں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ ٹڈی دل زیادہ تر جاہل اور غیر مہذب افراد پر مشتمل تھا۔

موت اور بے ٹھکانے مزار سنہ ۱۰۹۶ء کے مبارک سال میں انواع واقسام کی غیر متوقعہ صعوبتیں جھیلنے۔ وسطی یورپ کے ناپید اکنار جنگلوں میں سے ہو کر گزرنے برفیلے پہاڑوں اور طوفانی سمندروں کو عبور کرنے کے بعد اس غیر منظم فوج میں سے جو بچے وہ بالاخر ایک بہادر دشمن سے لڑنے کیلئے ایشیائے کوچک کے ساحل پر لنگر انداز ہوئے اور وہاں ان کو موت نصیب ہوئی اور بے ٹھکانے مزار۔

صلیبی فوجوں کا ایک دوسرا سیلاب اس کے بعد یورپ سے صلیبی فوجوں کا سیلاب چلا اور طاقتور لشکر کی لہروں کا تانتا بندھ گیا جس کی کمان بڑے بڑے نامور اور بے شمار بہادر کرتے تھے۔

مجاہدین صلیب کی فتوحات یہ مجاہدین کچھ عرصے میں اپنی بے شمار فوج کی وجہ سے انطاکیہ اور بعض دوسرے مشہور شہروں کے تسخیر کرنے۔ اور ملک کو ویران کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور بتاریخ ۱۵/جولائی ۱۰۹۹ء پانچ ہفتوں کے محاصرے کے بعد تین بڑے مذہبوں کا مقدس شہر بیت المقدس عیسائی فوجوں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا گیا جنہوں

نے خون آشامی کے دیوانی جذبے میں اپنے استاد (خداوند عیسیٰ مسیح) کی تعلیم کو بھلا دیا۔

بیت المقدس میں عیسائیوں کے وحشیانہ مظالم

یہاں والے شامی عیسائی تو تھے نہیں جنہوں نے اپنی جان بخشی (مجاہدین صلیب سے) کرالی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جس دن عیسائیوں نے بیت المقدس فتح کیا اُس روز یہاں کے ستر ہزار باشندوں کا قتل عام ہوا۔ عیسائی بھی مسلمانوں کے ساتھ بلا امتیاز قتل کر دیئے گئے۔ فاتحین نے لاشوں کے پیٹ تک چیر چیر کر اس شبہ میں دیکھے کہ کہیں یہ سونا تو نہیں نگل گئے۔ عورتیں بچے سب پاؤں کے نیچے کچل ڈالے گئے اور یہودی جنہوں نے اپنی عبادت گاہ میں پناہ لی تھی سب کے سب ایک دم زندہ جلا دیئے گئے۔ تقدس مآب پوپ کا نائب بھی اس فتح میں شریک تھا۔

بیت المقدس کے امن کا مقابلہ یورپ کی بدامنی سے

مسلمانوں کے زمانے میں بیت المقدس بڑا عظیم الشان شہر تھا۔ اس کے بازار بڑے وسیع تھے۔ سڑکوں پر پتھر کا فرش تھا بہت سے بازاروں کی چھتیں پٹی ہوئی تھیں یہاں زائروں اور باشندوں کو ہر قسم کا سامان ملتا تھا صلیبی لڑائیوں سے پیشتر بیت المقدس علماء و فضلا کا معدن تھا جس کی وجہ سے ہر سمجھ دار آدمی کا دل اس طرف کھنچتا تھا۔ زائروں کی جان و مال یہاں محفوظ رہتی تھی حالانکہ اس زمانہ میں یورپ میں جان و مال کی حفاظت عنقا تھی۔ یہاں تک کہ روم جانے والے زائر بھی آتے جاتے لوٹے جاتے تھے۔

جنگ کے دیوتا کا انتقام

ایک صدی بھی گزرنے نہیں پائی تھی کہ انتقام

کے دیوتا نے فاتحین بیت المقدس کی خبر لی۔جب امالرک کا جانشین بالڈون ڈی بوئلن بالڈون چہارم کے نام سے بیت المقدس کا بادشاہ ہوا وہ جذام میں مبتلا ہو کر مر گیا۔

سلطان نورالدین کی شرافت

اس وقت وہاں شورش و خلفشار مچا ہوا تھا۔یہ موقع تھا کہ سلطان نورالدین بادشاہ دمشق اس وقت فلسطین پر حملہ کر دے لیکن اس نے دشمن کی مصیبت سے فائدہ اٹھانا اپنی شان کے خلاف سمجھا اور یہ کہا کہ:۔

"ایسے لوگوں کی مصیبت سے فائدہ اٹھانا جو اپنے آقا کے غم میں رو رہے ہیں بے دردی کی بات ہے۔ان بدنصیبوں پر حملہ کرنا جو اپنا بچاؤ نہیں کرسکتے میرے نام کو بٹہ لگا دے گا"

فتح کا بادشاہ سلطان صلاح الدین

سلطان مصر نورالدین کا جانشین صلاح الدین ہوا جس زمانہ میں سسلی والوں نے اپنی فوجیں اسکندریہ میں آتار دی تھیں یہ ان کو شکست دیکر اپنی فوجی قابلیت دکھا چکا تھا۔بیت المقدس کو واپس لینے اور ارض مقدس کو حملہ آوروں سے پاک کرنے کی وجہ سے صلاح الدین "فتح کا بادشاہ" کہلاتا ہے۔

عیسائیوں کی عہد شکنی اور صلاح الدین کا ایفائے عہد

فریق مخالف کی مسلسل عہد شکنیوں اور معاہدات کی صریحی خلاف ورزیوں کے باوجود صلاح الدین عمر بھر کبھی اپنی بات سے نہیں ٹلا۔بلکہ دشمن کے ساتھ شریفانہ برتاؤ کرنے میں ہمیشہ وہ اپنی وضع کا پابند رہا جس کا نباہنا واقعات کے

بکہ

کے لحاظ سے بہت دشوار تھا۔

(صلاح الدین پرنس آف شولری مولفہ سی۔ روزبالٹ)

دشمن بھی صلاح الدین کے معترف ہیں

صلیبی مجاہدین کے سرداروں نے بھی اُس اوصاف حمیدہ کا اعتراف کیا ہے اور اس کو کافر سمجھنے کے باوجود بہادروں کے زمرہ میں شامل کیا ہے۔

صلاح الدین کی بے مثیل بیدار مغزی

سلطان نے سلطنت وجہاد دونوں کے فرائض بڑی خوبی کے ساتھ انجام دیئے اور کبھی پہلوتھی نہ کی۔ وہ متمرد عہدہ داروں کے ساتھ حلم سے کام لیتا تھا اور سلطنت کا مدبرانہ انتظام کرتا تھا۔ کتابُ "صلاح الدین پرنس آف شولری" کے مطالعہ سے واضح ہے کہ اس زمانہ میں بادشاہ تمام امور میں رعایا کیلئے باپ کی بجائے ہوا کرتا تھا اور تمام معاملات کا قطعی فیصلہ اسی کے پاس ہوتا تھا۔ صلاح الدین اپنی مشکل ترین مہمات کیساتھ ساتھ اُن لوگوں کے مقدمات بھی بطور جج کے فیصل کیا کرتا تھا جو بطور خاص کسی معاملہ کو اس کے ملاحظہ میں پیش کرنا چاہتے تھے۔ جس زمانہ میں کہ جنگ کی گھٹائیں اس پر چھائی ہوئی تھیں اور فکر اس کے اذیت رسیدہ دل کو گھن کی طرح کھائے جا رہی تھی اس وقت بھی وہ ان لوگوں کی فریاد کو پہونچتا تھا جو ذیلی عہدہ داروں کی تجویز سے ناراض ہوتے تھے۔

حضرت ابوبکر کا مقولہ ہے کہ:۔

"حاکم عادل زمین پر خدا کا سایہ ہے۔ جو شخص خدا کے احکام کی

تعمیل کرتا ہے قیامت کے دن خدا اس کو اپنے عرش کے سایہ میں جگہ دے گا۔"

سلطان کے دربار میں جو مظلوم دادخواہی کیلئے آتے خواہ وہ کیسے ہی ادنیٰ درجے کے کیوں نہ ہوتے وہ کبھی ان کو ٹال کر رخصت نہ کرتا۔ اس کے دربار میں بڑے سے بڑے اور طاقتور سے طاقتور اشخاص بھی اپنی جوابدہی پر گھمنڈ نہیں کر سکتے تھے۔

صلاح الدین کی انصاف پروری کی ایک عجیب مثال

ایک مرتبہ عمر الکلاری نامی کوئی سوداگر ایک مصدقہ دستاویز کی بناء پر دمشق کی عدالت میں رجوع ہوا اور درخواست کی کہ "میرا مقدمہ سلطان کے خلاف ہے۔ یہ انصاف کی جگہ ہے جہاں چھوٹے بڑے سب برابر ہیں"۔
قاضی نے اس کا استغاثہ نمبر پر لینے سے قبل شہادت پیش کردہ پر احتیاط سے غور کیا اور حاکم عادل کی حیثیت سے الزام منسوبہ کی تحقیقات کھلی عدالت میں کرنا ضروری سمجھا۔ عمر کا مقدمہ صریحاً صلاح الدین کے خلاف تھا۔ واقعات مقدمہ یہ تھے کہ ایک غلام جس کے پاس عمر نے کوئی بڑی رقم رکھوائی تھی وہ رقم لیکر فرار ہوگیا تھا۔ چند روز بعد عمر کو معلوم ہوا کہ وہ غلام مرگیا اور مال مسروقہ اب سلطان کے قبضے میں ہے۔ سوداگر نے دعویٰ کیا اور تائیدی شہادت پیش کی۔ قاضی نے یہ خیال کر کے کہ فریق ثانی کی عدم موجودگی میں دعویٰ کی سماعت مناسب نہیں سلطان کے نام اطلاع نامہ جاری کیا۔ سلطان کو بڑی حیرت ہوئی اور باوجودیکہ اُس کو یقین تھا کہ دعویٰ محض لغو ہے مگر قانون کی تعمیل میں حاضر عدالت ہو کر اصالتاً"

سکہ

جواب دہی کیلئے تیار ہو گیا۔ تاریخ پیشی مقرر ہوئی۔ کارروائی کا آغاز ہوا۔ الزامات منسوبہ پڑھے گئے اور سلطان اعظم نے یہ جواب دعویٰ پیش کیا:۔

"یہ غلام میرا مملوک تھا اور آزاد ہونے تک وہ میرا غلام رہا اس کا انتقال ہو گیا اُس کے متروکہ کے اس کے ورثا مالک ہو گئے۔"

سلطان کے بیان سے عمرو با ہنیں اور کہنے لگا:۔

"میرے پاس ایک دستاویز ہے جس سے میرے دعویٰ کی صداقت کا ثبوت ملتا ہے۔ لیجئے براہ کرم اسے ملاحظہ فرمائیے۔"

قاضی نے باآواز بلند دستاویز پڑھی اور شہادت پیش شدہ کی بنا پر عمر کا دعویٰ صحیح معلوم ہوا۔ سلطان بھی جواب دہی کیلئے اچھی طرح تیار ہو کر آیا تھا اس نے دستاویز کی تاریخ دریافت کی۔ جب قاضی نے تاریخ بتائی، سلطان نے جواب دیا:۔

"میرے پاس اس امر کے ثابت کرنے کیلئے کئی گواہ ہیں کہ اس تاریخ متوفی غلام میرے پاس قاہرہ میں موجود تھا۔ تاریخ مذکورہ سے ایک سال قبل میں نے اس کو دوسرے آٹھ غلاموں کے ساتھ خریدا تھا عرصے تک وہ میرے پاس رہا یہاں تک کہ میں نے اس کو آزاد کر دیا۔"

سلطان کے بیان کی تائید میں گواہ پیش ہوئے۔ بادی النظر میں وہ مقدمہ غلط فہمی پر مبنی تھا۔ جب مدعی نے سچائی کے ساتھ تمام باتیں بیان کر دیں تو ثابت ہوا کہ وہ دستاویز غلط تھی جو مدعی نے بے سوچے سمجھے عدالت میں پیش کر دی تھی چنانچہ مدعی کا دعویٰ خارج ہو گیا۔ سلطان کی فیاضی کی کوئی حد نہ تھی اُس نے اس خیال سے کہ مدعی کو یہ خوف نہ ہو کہ اس کی طرف سے میرے دل میں کوئی

خلش ہے کہ مدعی کو خلعت اور خرچہ عدالت دیا۔

صلاح الدین کا سلوک عیسائیوں سے جب صلاح الدین نے بیت المقدس فتح کیا ہے اس وقت تک عیسائیوں کے ہاتھ سے یہاں کے بے پناہ باشندوں کا قتل عام مسلمانوں کی فوجوں کو اچھی طرح یاد تھا مگر سلطان نے ان کو بدلا لینے کی ممانعت کردی اور عیسائیوں کو مہلت دیدی کہ وہ معہ اپنے زادراہ کے شہر سے نکل جائیں۔ اگرچہ سلطان کے اس رحیمانہ حکم کی تقلید تمام امیروں نے نہیں کی بعض نے شہر کے باہر پناہ گیروں کو لوٹ بھی لیا اور ان کے ساتھ بدسلوکی بھی کی مگر فصیل کے اندر ایسی کوئی شہادت نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ شہر میں کسی عیسائی کو کچھ تکلیف پہونچائی گئی تھی۔ بلکہ گلی کوچوں میں پہرہ مقرر تھا کہ اطاعت کے شرائط جس قدر ممکن ہو رحمدلی کے ساتھ پورے کئے جائیں۔ دشمن کے ساتھ جس فراخ حوصلگی سے اس موقع پر عنایت اور جس طرح اس کی حفاظت وخبرگری کیگئی اُس سے مسلمانوں کی عجیب وغریب قوت تحمل ظاہر ہوتی ہے۔ جو گزشتہ غضبناک وحیب قتل عاموں کے مقابلہ میں درحقیقت بڑی حیرت انگیز تھی۔

رچرڈ شیر دل کا گناہ عظیم مگر اس کے دو سال بعد ہی دوسری صلیبی جنگ کی شکل میں یورپ سے تازہ دم فوجیں پھر اُس بدنصیب ملک پر نازل ہوئیں اور عکہ کا محاصرہ کرلیا جو دو برس بعد اس سمجھوتے کے ساتھ عیسائیوں کے حوالہ کردیا گیا کہ "محصورین کی جان وآبرو کا احترام کیا جائے گا۔ فاتحین کو ماہانہ تین اقساط میں دو لاکھ اشرفیاں ادا کی جائیں گی۔ تا ادائی زرِ

تاوان دو سو سردار اور تمام اسیران جنگ فاتحین کے پاس لبطور یرغمال کے رہیں گے۔ یہ شرائط صلاح الدین کے اس سلوک کے مقابلہ میں جو اس نے فتح بیت المقدس کے وقت عیسائیوں سے کیا تھا بہت سخت تھیں اور سلطان احتجاج کے خلاف قائم کی گئی تھیں اور وہ اس مقام سے جہاں مدافعتی فوجیں لئے پڑا تھا نامنظوری شرائط کا خط بھی بھیجنے والا تھا کہ فرنگیوں کے پھریرے عکہ کی دیوارو پر لہرانے لگے۔ اس وقت رچرڈ شاہ انگلستان جس کو اس کے شیر کے سے بالوں اور بہادری کی وجہ سے ''شیر دل'' کہا جاتا ہے ایک ایسے گناہ عظیم کا مرتکب ہوا جس کو وہ تمام شاعر اور قومی بھاٹ بھی جنہوں نے اس کو اپنا ہیرو بنایا تھا کبھی مٹا نہ سکے۔'' جس وقت یرغمال کے دو سو بہادر اور اشرفیوں کی دو قسطیں وصول ہوگئیں تو انگریز بادشاہ نے عکہ کے تین ہزار مسلمان قیدیوں کو بے خبری ولاعلمی میں قتل کرا دیا۔ کہتے ہیں کہ رچرڈ عسقلان پر چڑھائی کرنے والا تھا اس لئے ان قیدیوں کو اپنے پیچھے چھوڑ آنا خلاف احتیاط سمجھتا تھا۔ اگرچہ عسقلان فتح ہوگیا مگر رچرڈ کو بیت المقدس میں داخل ہونا نصیب نہ ہوا چنانچہ اکتوبر ۱۱۹۲ء میں وہ شاہ فرانس کی طرح جہاز میں بیٹھ کر یورپ چلا گیا اور جاتے جاتے یہ پیغام دے گیا کہ:۔

''تین سال بعد واپس آکر ارض مقدس فتح کروں گا۔''

صلاح الدین نے جو ہر حالت میں پورا بہادر تھا یہ جواب دیا کہ:۔

'' اگر مجھے اپنی سلطنت ہارنی ہوگی تو شاہ انگلستان کے سوا مجھے اور کوئی بہادر ایسا نظر نہیں آتا جس کے ہاتھ یہ ہاری جائے . . .''

صلاح الدین کی علالت اور وفات

صلاح الدین کو ارضِ مقدس پر اسلام کی فوقیت دوبارہ قائم کرنے کی بڑی بھاری قیمت ادا کرنی پڑی۔ اگرچہ اس کی عمر اس وقت پچپن ہی سال تھی مگر وہ بیمار تھا اور اس کے قویٰ مضمحل ہو گئے تھے۔ دمشق واپس ہونے پر جہاں بڑی دھوم دھام سے اس کا خیر مقدم ہونے والا تھا وہ اس قدر کمزور ہو گیا تھا کہ دعوتوں اور جلسوں میں شریک نہ ہو سکا البتہ اپنی رعایا کی درخواست پر اس نے ایک دربارِ عام کیا اور حاجیوں کے قافلے کو جو مکے جا رہا تھا پہونچانے کیلئے گیا۔ اس وقت اس کو بڑا صدمہ ہوا کہ اول تو (جنگ وغیرہ کی وجہ سے) حج کرنے کی اس کو کبھی توفیق نہ ہوئی اور اب جنگ ختم ہوئی تو اس کی بیماری نے سفرِ حج ناممکن کر دیا۔ فروری کے مہینے میں جب کہ جاڑا کڑاکے کا تھا وہ حاجیوں کو پہنچا کر واپس آ رہا تھا اُس پر سردی کا ایسا شدید حملہ ہوا کہ اس کا ضعیف جسم اُسے برداشت نہ کر سکا۔ اور ۴/مارچ ۱۱۹۳ء کو اس کی روح پر فتوح واصلِ بحق ہو گئی۔

سلطان مسجد اقصیٰ کی ملحقہ خانقاہ میں آسودہ ہے اس کی لوحِ مزار پر اس کے وفادار وزیر قاضی الفضل نے جس کو سلطان سے بڑی محبت تھی اور جنگ کے پر آشوب زمانے میں جو سلطان کا ساتھ دے چکا تھا۔ یہ عبارت کندہ کرا دی ہے:۔

> "اے پروردگار۔ اس کی روح کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور اس کے واسطے جنت کے دروازے کھول دے یہی اس کی آخری فتح ہے اور اِسی کی اُس کو بڑی آرزو تھی"

مجاہدین صلیب کے جھوٹے حلف

حاملان صلیب کے حملہ فلسطین کو ان کے بہت سے ظالمانہ وسفاکانہ کاموں نے داغ لگا دیا۔ لیکن ان کے حلفیہ معاہدوں کی مسلسل ومتواتر خلاف ورزی کا الزام اُن پادری صاحبوں کے سر ہے جنہوں نے صلیب کے نام پر تلوار چلانے والوں کو یہ باور کرا دیا تھا کہ غیر مذہب والوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا جائے وہ کوئی معاہدہ ہی نہیں ہے۔ اور اس طرح شجاعان فرنگ نے سلطان کے ساتھ بڑی بڑی قسمیں کھا کھا کر اور حلف اٹھا اٹھا کر جو عہد کئے تھے اُن کو توڑ دینے کا فتویٰ دیدیا تھا ان ناقابل ذکر بے رحمانہ افعال کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا بھر میں مسلمانوں نے عام طور پر عیسائیوں کے خلاف بہت ہی بری رائیں قائم کرلیں اور اُن کی طرف سے سخت نفرت ان کے دلوں میں بیٹھ گئی۔

مسلمانوں کو عیسائیوں سے مضحکہ خیز نفرت

اسی کا کرشمہ تھا کہ جب ابراہیم پاشا والی مصر نے شام پر قبضہ کیا تو دمشق سے ایک وفد اس کے پاس یہ شکایت لے کر آیا کہ بے ادب عیسائیوں نے اب گھوڑوں پر سوار ہونا شروع کر دیا ہے۔ ابراہیم پاشا نے اس تکلیف دہ شکایت کو بڑی توجہ سے سنا اور کامل غور کرنے کیلئے ایک رات کی مہلت چاہی دوسرے دن بڑی متانت کے ساتھ اُس نے وفد کو یہ جواب دیدیا کہ جس قدر اونچی سواری پر مسلمان بیٹھتے ہیں اتنی اونچی سواری پر عیسائیوں کا چڑھنا اگر مسلمانوں کی ذلت ہے تو آئندہ سے دمشق کے مسلمان اونٹوں پر سوار ہوا کریں اس طرح اس نے دمشق والوں کی سادہ لوحی کا فیصلہ کر دیا۔

۱۴/اپریل ۱۹۳۳ء م ۸/ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ

منیٰ جانے کی تیاری آج صبح ہر شخص خوش اور بشاش نظر آ رہا ہے۔ زنانخانے کی تمام لڑکیاں مجھے آج کی صبح کی مبارک باد دینے آئی ہیں۔ یہ صاف سفید کپڑے پہنے ہوئی ہیں۔ مسکراتی ہوئی چھوکریوں نے مجھے روز سے دوگنا گرم پانی لاکر (غسل کیلئے) دیا ہے۔ چونکہ ہم دوپہر کے بعد روانہ ہوں گے اس لئے میں نے ان لوگوں سے کہہ دیا ہے کہ عین وقت کے وقت میں احرام باندھوں گی۔ خوش قسمتی سے آج ذرا ٹھنڈک بھی ہے۔ صرف اسی ایک گھروالوں کیلئے تین اونٹ کملوں۔ برتنوں اور سامان خور و نوش سے بھر کر آگے جا چکے ہیں۔ میرے اونٹ پر توشک تکئے۔ کمل اور منیٰ کے مکان کی چھت پر سونے کا سامان ہے۔ اچھے مکان کی تلاش کے بعد آخر اس مشکل کو یوں حل کیا گیا کہ منیٰ میں رات کسی مکان کی چھت پر گزاروں۔ ڈیرہ بھی ملنا ناممکن تھا۔ کوئی ایک ہزار سے زیادہ خیمے نصب ہو چکے ہیں میرے میزبان نے چھوٹے چھوٹے دو مکان کرایہ پر لے لئے ہیں ایک اپنے ہاں کی عورتوں کیلئے۔ اس کی چھت پر میں سوؤں گی۔ دوسرا مکان اپنے اور اپنے لڑکوں اور دوستوں کیلئے۔ میں نے اپنے کمرے میں تنہا کھانا کھایا اور اور میں احرام باندھنے ہی کو تھی کہ دروازہ کھلا اور عورتوں کے ایک غول نے اندر آنے کیلئے مجھ سے اجازت چاہی یہ اس مکان کی رہنے والیاں تھیں۔ ان کے ساتھ مہمان عورتیں بھی حج کیلئے آئی ہیں شریک ہوگئی تھیں۔ یہ سب کی سب کپڑے بدلے۔ عبائیں پہنے برقعے اوڑھے منیٰ چلنے کیلئے تیار تھیں میں انہیں رنجیدہ کرنا نہیں چاہتی تھی اس لئے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے میں نے ان کا

خیر مقدم کیا اور ساتھ ساتھ اس ہڑبونگ میں اپنی تیاری میں لگی رہی مصطفٰی کی ماں بھی ان کے ساتھ ہے۔ یہ جدے سے کل ہی آئی ہے۔ میں نے بے سوچے سمجھے اسے اپنے ساتھ موٹر میں عرفات لے جانے کا وعدہ بھی کر لیا ہے۔ اس کے سامان میں حقہ بھی ہے جس کی صورت مجھے زہر معلوم ہوتی ہے۔ اس بے ڈول حقے کے قد و قامت سے قطع نظر کرکے میں اس ملک کے قانون کی خلاف ورزی بھی نہیں کرنا چاہتی جس کی رو سے تمباکو نوشی منع ہے غضب یہ کہ حقے بھی دو دو ہیں ایک اس کا ایک اس کے بیٹے مصطفٰی کا۔ بڈھی سے اس معاملہ میں بحث کرنا بھی بیکار ہے وہ بھی اپنے بیٹے کی طرح اس کو جدا کرنے سے صاف انکار کر دے گی میں نے اس خوف سے کہ آٹے کے ساتھ کہیں گھن نہ پس جائے ان کو یہ ترغیب دی کہ ان کا کچھ سامان جو پیچھے آرہا ہے اس میں یہ قابل نفرت حقے بھی رکھ دیں۔ اس میں شک نہیں ہے کہ بغیر حقے کے ان کا سفر بے لطف رہے گا۔

سلیمان ڈرائیور کی کایا پلٹ

جب حج کی آخری منزل کیلئے میں موٹر میں سوار ہونے کے لئے نیچے اتری میں سمجھ رہی تھی کہ نارنجی کوٹ پہنے بڑا عمامہ باندھے میرا ڈرائیور سلیمان بیٹھا ہوگا۔ دیکھتی کیا ہوں کہ اس میں تو کمر سے توال لپیٹے ننگے سر کوئی جوان آدمی بیٹھا ہوا ہے۔ میں یہ کہتی ہوئی کہ میرا ڈرائیور کہاں گیا اُلٹے پاؤں لوٹی۔ اس کا جواب گھر کے لڑکوں نے جو مجھے واپس جاتے دیکھ رہے تھے شور اور قہقہوں سے دیا اور سلیمان بھی جس کی کایا پلٹ ہو گئی تھی مسکرانے لگا۔ سچ ہے ایک نور صورت ہزار نور کپڑا۔ سلیمان جو اب تک ایک متین صورت کا آدمی تھا اور ایک ذلیل فورڈ موٹر چلاتا جس کی کسرِ شان تھا وہ احرام باندھ کر

ایک کالا لاڑا کا نظر آنے لگا۔

مکے سے منیٰ

ہماری موٹر اونٹوں۔ حاجیوں۔ شغدفوں۔ شبریوں اور گدھوں کے تانتا ہی سلسلہ میں آہستہ آہستہ چلتی رہی۔ قبرستان معلیٰ سے گزری اور پادشاہ کے محل سے آگے بڑھ کر مشرق کی طرف مڑ کر ہم اُن پہاڑیوں کی وادی میں پہونچے جن کے بڑے بڑے چٹان اس بات کا پتہ دے رہے تھے کہ یہ تاریخ سے قبل کے زمانے میں آتش فشاں پہاڑ کے تصادم سے اڑے ہوں گے۔ اس سنگلاخ علاقے میں بدویوں کے کسی قبیلہ کے ڈیرے لگے ہوئے تھے یہ لوگ غاروں میں رہتے ہیں۔ گرمی کے دنوں میں یہ اپنی بھیڑوں اور اونٹوں کیلئے کسی نئی چراگاہ کی تلاش میں نکلجاتے ہیں۔ اس وقت کالے ڈیرے ان کے عارضی گھر ہوجاتے ہیں۔

دلفریب منظر

اونٹوں کو اس شاندار جلوس اور قابل تصویر سواریوں کے ساتھ اس عجیب جنگلی زمین میں سے رستہ نکالتے ہوئے دیکھنا ناقابل بیان منظر ہے رنگ برنگ کے محملوں کا چل چلاتی دھوپ میں بغیر ٹھیرے چلے جانا ان کے پیچھے بھورے اور زرد رنگ کے چٹانوں کا پردہ ایک نظر فریب طلسم معلوم ہو رہا ہے اور الف لیلہ کی کہانی کا مزہ آرہا ہے کونسی کہانی۔ اگلے زمانے کی وہ پریوں کی کہانی جسے سنکر بچپن میں ہم بہت خوش ہوا کرتے تھے۔

منیٰ کے قریب

تھوڑی دیر چل کر ہم اس نالے میں داخل ہوئے جو سابق سلطان نے درست کرایا تھا۔ یہاں ہماری رفتار دھیمی ہے کھلے حصے میں پہونچ کر پہاڑیاں زیادہ ڈھلوان ہوگئی ہیں۔ اب ہم پہاڑوں کے بیچ میں ہیں اور منیٰ پہنچ رہے ہیں یہ وہ صحرائی گاؤں ہے جو حاجیوں کے زبردست حملے سے سال

میں ایک مرتبہ سوتے سے جاگتا ہے۔

شیطان کبیر ہمارے بائیں جانب پہاڑی کے بازو ایک بڑا سنگین ستون ہے اسے شیطان کبیر یعنی بڑا شیطان کہتے ہیں۔ عرفات سے واپس ہو کر کل ہم اسے کنکریاں ماریں گے اب ہم منیٰ کی لمبی گلی میں داخل ہو گئے

مینا بازار یعنی منیٰ بازار یہاں چھوٹی چھوٹی بہت سی دکانیں ہیں۔ یہ سامنے سے کھلے ہوئے چوکھونٹے حجرے ہیں جو گلی کی سطح سے کسی قدر اونچے ہیں۔ منیٰ میں عام لوگوں کے بہت سے چھوٹے چھوٹے مکان بھی ہیں جو زیادہ تر یک منزلہ ہیں ان میں چڑھنے کیلئے پیچھے کی طرف سیڑھیاں ہیں۔ ان مکانوں کی کھڑکیاں سڑک کی طرف کھلتی ہیں۔ جن پر رنگین چلمنیں پڑی ہیں۔

منیٰ میں ورود جن مکانوں میں ٹھہرنے والے ہیں ان کے پیچھے سے ہم اپنی موٹر لے چلے لیکن کوئی دو سو گز سے آگے نہ بڑھ سکے۔ ہمارے مکان اور مسجد خیف کے درمیان ساری زمین حاجیوں اور خیموں سے پٹی پڑی ہے۔ اونٹ یہاں کی پہاڑیوں میں رسی سے باندھ کر چرنے کیلئے چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ میرے میزبان ان کی بیوی اور ان کے دو بلند قامت لڑکے سامنے والی موٹر میں ہیں پیچھے کی لاری میں دوسری عورتیں بچے اور چھوکریاں بھری ہوئی ہیں۔ ہم سیڑھیوں پر چڑھ کر اس مکان میں پہونچ گئے جو عورتوں کیلئے مخصوص کر دیا گیا ہے۔ میرے میزبان اور ان کے دونوں لڑکے اس الغاروں سامان کو جو تین اونٹوں پر صبح روانہ کیا گیا تھا اتار اتار کر پٹک رہے ہیں۔ ایک کمرے کے سامنے چادر تان لی ہے جس وقت مردانہ رہتا ہے تو بہت سی عورتیں اس خوف سے کہ دکھائی نہ

دے جائیں پردے کے پیچھے ہو جاتی ہیں۔ جب میرے میزبان کھانے پکانے کے برتنوں اوڑھنے بچھونے اور سامان خورونوش اور دوسرے اسباب سے جو تین اونٹوں پر لدا ہوا تھا نبٹے تو اب وہ میرا اٹھ کا نا بنانے اور میرا بچھونا کر دینے کیلئے ایک کمزور سیڑھی کے ذریعہ سے چاندنی پر چڑھے اور ایک شطرنجی بچھا کر اس کے بازو میرا کمبل اور سوٹ کیس رکھ دیا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے چھوٹے سے مکان کا رخ کیا جو اسی سے ملحق ہے اور اس کے بعد رات کو پھر وہ نظر نہ آئے۔

میں اپنی ہوا دار چھت سے خوش ہوں۔ یہ ٹھنڈی جگہ ہے اور اس کے نیچے کا منظر بہت ہی پر لطف ہے اب بھی اونٹوں کی قطاریں مشرق کی طرف چلی جا رہی ہیں میری میزبان بی بی مجھے بلا رہی ہیں اور میں اتر کر نیچے جاتی ہوں یہاں ان کا سارا خاندان بھرا ہوا ہے۔ میں نے گنا عورتیں بچے کل بائیس ہیں۔ مجھے حیرت ہے کہ رات کو یہ سونے کا کیا انتظام کریں گی۔ ان سب کیلئے لیٹنا تو ناممکن ہے۔ ان میں سے دو ایک کو مجھے اپنی چھت پر بلا لینا پڑے گا۔ اس وقت بڈھی عورتیں حقہ پی رہی ہیں۔ جوان عورتیں بعض چائے قہوہ بنا رہی ہیں بعض اپنے بچوں کو سنبھال رہی ہیں۔ چار بچے فرش پر پڑے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ یہ بالکل چھوٹے ہیں مگر میں نے ان کو کبھی روتے نہیں دیکھا۔

میں کھڑکی کے پاس بیٹھ گئی اور چلمن میں انگلیاں ڈال کر جا بجا چلمن میں سے سیر کے اونٹوں کی قطاریں دیکھنے کیلئے گنجایش کر لی۔ ان کا تانتا رات بھر بندھا رہے گا تاکہ صبح ہی عرفات پہنچ جائیں۔ بعض بعض شبریاں بڑی خوبصورت ہیں ان پر خوشنما غلاف پڑے ہیں بعض پر قرمزی۔ سبز۔ سرخ اطلس کے پردے چھٹے

ہیں۔ چھ اونٹ ایسے بھی نکلے جن کی شبریوں پر نیلی مخمل کے غلاف تھے ان میں بیٹھنے والیاں مجھے نظر نہ پڑیں لیکن غالباً وہ شرفائے مکہ کی عورتیں ہونگی۔ اونٹوں کی قطاروں کے علاوہ جو بڑی متانت وسنجیدگی سے چلے جارہے ہیں بیچارے گدھے بھی دکھائی دے رہے ہیں۔ ان کے سوار بالکل ہی پیچھے پیٹھے پر بیٹھے ہوئے ہیں بعض نے اپنے سامنے بچے کو بھی بٹھالیا ہے۔ حاجی خاموش چلے جارہے ہیں صرف گدھوں کے سموں کی ٹپ ٹپ اور اونٹوں کے پاؤں کی آواز بھس بھس سنائی دے رہی ہے۔ ان جوشیلے آدمیوں کی جب وہ مناجاتیں اور دعائیں مجھے یاد آتی ہیں جو انہوں نے دو روز پہلے بیت اللہ میں کی تھیں تو مجھ کو ان کی اس کی خاموشی پر حیرت نہیں معلوم ہوتی کیونکہ اب یہ حج کیلئے عرفات جارہے ہیں۔

سلطان کی طرف سے مسلمانوں کی دعوت

سلطان کا ایک محل منیٰ میں بھی ہے یہاں وہ حج کے دنوں میں قیام کرتے ہیں اور معزز ومشہور حاجیوں کو کھانے کی دعوت بھی دیتے ہیں اس طرح ان کو دنیا بھر کے مسلمانوں کی رائیں معلوم ہوجاتی ہیں اور اسلامی ممالک کے بعض حکمرانوں سے تبادلہ خیالات بھی کرلیتے ہیں۔ افسوس ہے کہ عورت ہونے کی وجہ سے میں نہ یہاں ان سے ملسکتی ہوں اور نہ مکے میں۔

منیٰ میں ایک رات

عورتیں کھانے کیلئے ایک بڑے دسترخوان کے اطراف بیٹھی ہیں۔ میں ان کے مسالے دار کھانے کھاتے کھاتے بیزار ہوگئی ہوں اس لئے میں نے اپنے لئے انڈے ابلوالئے ہیں کھانا کھاکر میں ہوادار چاندنی پر گئی اور وہاں چھت پر سونے کیلئے دو عورتوں کو بلایا مگر وہ اس بوڑھی

سیڑھی پر چڑھنے سے ڈر رہی ہیں جب تک عرفات میں حج کی تکمیل نہ ہو جائے احرام کھولنا منع ہے اس لئے میں انہیں کپڑوں سے پڑ جاتی ہوں خوش قسمتی سے آج کچھ سردی بھی ہے۔ اس ریگستانی گاؤں میں مچھر بھی نہیں ہیں۔ چاند بہت صاف ہے اور تارے نیلے آسمان پر چراغوں کی طرح جھلملا رہے ہیں۔ آس پاس کے پہاڑ اُس آگ سے روشن ہیں جو ان کی چوٹیوں کے غاروں میں رہنے والے بدویوں نے جلا رکھی ہے۔ میرے کوٹھے کے نیچے ایک طرف کچھ حاجی کھانا کھا رہے ہیں کچھ نمازیں پڑھ رہے ہیں کچھ سو رہے ہیں دوسری طرف اونٹوں کی قطاریں ہیں جن کا کوسرا ہی نہیں ہے۔

۵ اپریل ۱۹۳۳ء۔ صبح کی اذان سے میں جاگی۔ مسجد خیف میں ابھی تک چراغ جل رہے ہیں مگر مشرق کی طرف افق پر ابھی صبح کے کوئی آثار نمودار نہیں ہوئے۔ میں چھت کی مٹی سے تیمم کر کے دو رکعت نماز فجر پڑھتی ہوں۔ اور سو جاتی ہوں۔ دو گھنٹے بعد میرے میزبان نے مجھے نیچے سے پکارا۔ میں نے اپنا سامان اکٹھا کیا اپنا سوٹ کیس اُن کو دے دیا اور ڈگمگاتی ہوئی سیڑھی پر سے نیچے اتری میں نے ہاتھ دھو کر ناشتہ کیا اور دن نکلے ہم عرفات روانہ ہو گئے۔

منیٰ سے عرفات۔

انگریزی کتاب پڑھنے پر سوال

میں اس خیال سے کہ اس اژدھام میں ہماری رفتار بہت دھیمی ہوگی اپنے ساتھ ایک انگریزی کتاب لے آئی ہوں اس کا نام پاسینجر فرام عربیا ڈیزرٹا (صحرائے عرب میں سے رستہ) ہے جو جفاکش سیاح ڈوٹی کی تالیف ہے۔ ایک جگہ جب موٹر ٹھیری تو میں نے اس کتاب کو نکالا اور برقعہ کے اندر ہی سے پڑھنے لگی۔

قریب کی موٹر میں سے کسی نے پوچھا "کیا یہ عربی کتاب ہے" سلیمان نے جھپٹ کر جواب دیا کہ ہاں ہاں عربی کتاب ہے۔ اور مجھ سے چپکے سے کہا بند کردو۔ میں نے انکار کیا۔ پھر وہی آواز آئی "کیا تم قسم کھا کر کہہ سکتے ہو کہ یہ عربی کی کتاب ہے اور مسلمانوں کے "پڑھنے کی ہے" اب سلیمان ٹپٹایا مگر قبل اس کے کہ وہ جواب دے میں نے سوال کرنے والے کو کتاب دے کر کہا یہ انگریزی کتاب ہے۔ میں ایک انگریز مسلمان ہوں اور سلطان کی اجازت سے حج کرنے آئی ہوں چند منٹ متحیر ہو کر اس شخص نے الحمد اللہ کہہ کر کتاب واپس کردی۔

جنگِ فیل کا میدان ہمارا رستہ گہری ریت میں ایک ایسی زمین پر سے ہے جو کسی زمانے میں ندی کی گزرگاہ ہوگی۔ یہ کہیں چوڑی اور کہیں تنگ ہے۔ ہمارے بائیں جانب وہ مقام ہے جہاں جنگِ فیل ہوئی تھی یمن کے بادشاہ ابرھہ نے مکے پر کعبے کو ڈھا دینے کے ارادے حملہ کیا تھا تاکہ اس کے پایہ تخت صنعا کو ملک عرب میں خصوصیت حاصل ہو جائے۔ یہ لڑائی ۵۷۰ء میں جس سال محمدؐ پیدا ہوئے ہوئی تھی۔ یمن کی فوج کے آگے آگے ایک ہاتھی بھی چلتا تھا جو خاص طور پر حبش سے لایا گیا تھا۔ مکے والوں نے اونٹ سے بڑا کبھی کوئی جانور دیکھا نہیں تھا وہ اسے دیکھ کر ڈر گئے۔ مگر ان کی تعداد بہت زیادہ تھی یہ لڑائی کیلئے تیار ہو کر چٹانوں پر ڈٹ گئے جب غنیم آیا تو اس پر تیر و پتھر برسنے لگے۔ پتھر صرف مکے والوں نے ہی نہیں مارے بلکہ بڑے بڑے پرندوں نے بھی جو اپنے پنجوں میں پتھر اٹھا لائے تھے یمن والوں پر گرائے۔ اہل یمن کی مصیبت میں اضافہ کرنے کیلئے ان کا حبش کا ہاتھی گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ ہر چند اس کو آگے بڑھانا

چاہا مگر ٹس سے مس نہ ہوا۔ جب اس کو بہت مجبور کیا تو اس نے جنوب (یمن) کا رخ کیا اور ہڑبڑا کر بھاگا۔ جب غنیم پر انسانی و ہوائی فوجیں ٹوٹ پڑیں تو اس کے قدم اکھڑ گئے اور وہ میدان سے بھاگ کھڑا ہوا۔ شاہ ابرہہ ایک متعدی بیماری میں جو غالباً چیچک تھی مبتلا ہو گیا اور یہ وبا اس کی فوج میں پھیل گئی جس نے فوج کا صفایا کر دیا۔ صرف ابرہہ اور اس کے کچھ ساتھی زندہ بچے جو صنعا کو واپس ہو گئے قرآن کے سورۂ فیل میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

مزدلفہ چند میل اور چل کر ہم مزدلفہ پہونچے۔ یہاں ایک شکستہ مسجد ہے اس سے آگے خشک پہاڑیوں میں ہوتے ہوئے ہم بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ ان ستونوں کے پاس پہنچے جہاں حدود حرم ختم ہوتی ہیں۔

میدان عرفات اس کے آگے میدان عرفات ہے۔ جو اس وقت حاجیوں اونٹوں اور ڈیروں سے پٹا پڑا ہے جب ہم یہاں پہونچے ہیں حاجیوں کا نعرہ "لبیک اللھم لبیک" جو اگرچہ پہلے بھی سنائی دے رہا تھا مگر اس وقت اس نے تمام آوازوں کو دبا دیا تھا۔ مرد عورت سب مل کر کوئی ایک لاکھ ہوں گے جو اپنی عمر بھر کی آرزو پوری کر رہے تھے۔ کیسی آرزو جس کے واسطے بہت سے حاجی ہزاروں میل کا سفر طے کر کے بڑی بڑی صعوبتیں جھیل کر اور اپنی ساری عمر کی کمائی خرچ کر کے پہونچے ہیں۔

مکے کا ایک خاص فخر مکے کے سوا یقیناً دنیا کا کوئی اور شہر اس بات کا فخر نہیں کر سکتا کہ اس کی اتنی بڑی آبادی مذہب کی وجہ سے کسی معینہ مدت تک تمام جنسی تعلقات سے اس طرح پرہیز کرتی ہے۔ جنوبی و مشرقی

اقوام کیلئے تو ان کا مذہب فی الحقیقت ایک زندہ معجزہ ہے جو اُن کو یہ پرہیز کرنے کے قابل بنا دیتا ہے۔

یوم عرفات میرے میزبان کا ایک شاندار ڈیرہ جبل رحمت کی طرف رُخ کئے ہوئے ہے جہاں سلطان بھی کچھ دیر میں آئیں گے۔ یہ خیمہ صرف میرے میزبان ان کے لڑکوں اور دوستوں کیلئے ہے۔ عورتوں کا گھٹا ٹوپ ڈیرہ اس کے پیچھے ہے جہاں سے نہ وہ کسی کو دیکھ سکتی ہیں اور نہ ان کو کوئی دیکھ سکتا ہے۔ میرے میزبان نے مجھے اپنے ڈیرے میں بلا لیا ہے اور میں شکریہ کے ساتھ یہاں آگئی ہوں اور اپنے گدی تکئے لگا لئے ہیں۔ یہاں سے مجھے ہر چیز نظر آرہی ہے گرمی سخت ہے میں نے برقع اٹھا دیا ہے تھوڑی تھوڑی دیر بعد چائے پی رہی ہوں اور انار کھا رہی ہوں جو میرے لئے طائف سے منگائے گئے ہیں۔ میرے میزبان سلطان کے وزیر ہیں۔ بہت سے لوگ یہاں ان سے ملنے آرہے ہیں مگر یہ عربوں کا اخلاق ہے کہ وہ یہاں مجھے بیٹھا ہوا دیکھ کر اظہار تعجب نہیں کرتے۔ ارد گرد کے سب لوگوں سے میرا تعارف کرا دیا گیا ہے اور اب میں ان سے باتوں میں مصروف ہوں۔ میں انگلستان کی معاشرت کا ذکر کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔ کاش میری عربی زیادہ رواں ہوتی۔ میں چاہتی ہوں کہ مختلف موضوع پر عربی میں گفتگو کروں تاکہ فریقین کی دلچسپی کا باعث ہو۔ دوپہر سے ذرا قبل ہم نے کھانا کھایا۔ میں اپنے لئے علٰحدہ کھانا لائی تھی وہ سب ایک علٰحدہ دسترخوان پر بیٹھ گئے میں نے الگ کھا لیا۔ کانٹے چھریاں کچھ نہ تھے۔ ہم نے چلمچی میں ہاتھ دھوئے اور تولیے سے پونچھ لئے۔ اس کے بعد میں اس گھٹا ٹوپ تنبو کی طرف گئی کہ دیکھوں تو سہی میری

میزبان بی بی اور ان کی ساتھ والیوں پر حقے بغیر کیا گزر رہی ہے۔ آج حقہ کا کیا ذکر ہے سب جوں توں برداشت کر رہی ہیں مصطفےٰ کی ماں پڑی سو رہی ہے۔ ایک جوان عورت قرآن کی کوئی سورت پڑھ کر سنا رہی ہے۔ تمام عورتیں توجہ سے سن رہی ہیں اور موقع بہ موقع اللہ اکبر و سبحان اللہ کے نعرے لگا رہی ہیں بمقابلہ مردانہ شامیانے کے یہاں گرمی زیادہ تھی اس لئے تھوڑی دیر بعد میں پھر وہیں چلی گئی۔ ظہر کی نماز کیلئے میں نے وضو کیا۔ کعبے کے رُخ میری جا نماز بچھا دی گئی اور میں نے چار رکعت نماز پڑھی۔ جب میں پڑھ چکی تو ڈیرے والوں کی میرے میزبان نے امامت کی اور ان سب نے نماز پڑھی۔ نماز کے بعد ہم لبیک اللہم لبیک پڑھتے رہے پھر ایک قاری نے قرآن کا ایک رکوع بڑی خوش الحانی سے پڑھا۔

ابن سعود کی آمد عرفات میں ہمارے ڈیرے میں اب ہلچل مچی۔ ابن سعود کی اونٹوں کی فوج یعنی موحدین اونچے اونچے اونٹوں پر سوار سلطان کیلئے جو جبل رحمت کی طرف جا رہے ہیں رستہ صاف کرتے آ رہے ہیں۔

سلطان اس وقت موٹر میں تھے اس وجہ سے میں اس حکمراں کی صرف ایک جھلک دیکھ سکی جس نے اپنی شخصیت اور قوت مقناطیسی سے عرب میں جہاں فرمان روائی نسل شاہی ہونے پر منحصر نہیں ہے وہ مرتبہ حاصل کر لیا ہے جو آجتک کسی کو نصیب نہیں ہوا تھا۔

"ممکن ہے کہ یہ اُسی کی ذاتی قابلیت کی وجہ سے ہو کہ اُس نے وسط عرب کے ان جنگجو قبائل کو جو ابتک آپس میں جنگ و جدل کرتے رہتے تھے کامل

طور پر متحد کرنے میں معجزہ دکھایا ہے اگر یہ سمجھا جائے کہ یہ اس کا بلند حوصلہ اور بدویوں کی خصائل سے اس کی زبردست واقفیت ہے کہ اس نے ساحل خلیج فارس سے لگا کر ساحل بحر احمر تک عرب کے مختلف قطعات ارض کو ملا کر ایک کر دیا ہے تو پھر یہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ اُس کا عقیدہ راسخ ہے جس نے اس کے توسن ہمت کو منھ زور بھی کر دیا ہے اور مطیع بھی۔ جس طرح وہ نماز خدا کیلئے پڑھتا ہے اُسی طرح وہ ہر کام خدا کے واسطے کرتا ہے۔

وہ اسلام کے قرن اولی کے احکام کی لفظ بہ لفظ تعمیل کرتا ہے[1]۔ اور اس دنیا میں جہاں زمانہ پرستی روز بروز بڑھتی جا رہی ہے بحیثیت ایک فرمان روا کے وہ غالباً یکتا ہے"

(عرب کا موحد بادشاہ مولفہ کے۔ ولیمس)

ایک نومسلم ڈچ سلطان کے ساتھ دیدار و اور دکھاوے کے متعدد آدمی ہیں اُن میں وان ڈرپول صاحب ڈچ بنکر بھی کچھ کم نہیں ہیں چند سال ہوئے انہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ ان سے میری ملاقات جدے کے انگریزی سفارت خانہ میں ہوئی تھی۔ اس وقت یہ اس شعلہ فشاں سورج میں احرام باندھے ننگے سر ایک خوشنما اونٹ پر آرہے ہیں جس کی قرمزی رنگ کی زردوزی کی جھول دھوپ میں چمک رہی ہے۔ ان کے پیچھے ایسے ہی شاندار تین سوار اور بھی ہیں

---

[1] ۔ وہابیوں کی زندگی کا دستور العمل تین چیزیں ہیں اول قرآن دوسرے احادیث نبوی تیسرے خلفائے راشدین کا عمل۔ (محسن بن بشیر)

وان ڈرپول صاحب الجزائر میں سکونت پذیر ہیں اور ہر سال حج کیلئے آتے ہیں۔

عرفات کا خطبہ

ہم نے امام کو نیلے آسمان کے نیچے جبل رحمت کی چوٹی پر کھڑے ہوئے دیکھا۔ اس کا ایک رخ نظر آرہا تھا۔ اگلے زمانے میں اونٹ پر بیٹھکر خطبہ دیا جاتا تھا اب وہ "خطبہ جبل" دیتے وقت ستون کے پاس کھڑا ہوا ہے۔ اُسکی آواز ہم تک نہیں پہونچتی۔ اسلئے ہم عصر کی نماز پڑھتے ہیں اور پھر وہی "لبیک" پکارتے ہیں۔

عرفات سے واپسی

اب سورج غروب ہو رہا ہے سلطان واپس ہوتے ہیں ڈیرے اکھڑتے ہیں اور دیکھتے کے دیکھتے اونٹوں اور موٹروں پر سامان لادھ دیا جاتا ہے۔ حج کا سب سے بڑا اسنک ختم ہوگیا۔ وہ تمام لوگ جو میدان عرفات میں جمع ہوئے تھے اب مرتے دم تک حاجی کا لقب استعمال کرنے کے مستحق ہوگئے۔

قربانی اور اُس کی غرض و غائت

اب ہم پھر چل رہے ہیں۔ اس وقت ہمارا رخ مغرب کی طرف ہے۔ ہزاروں جانور جو صبح ہونے کے منتظر ہیں۔ اِن کو دیکھ کر مجھے ترس آرہا ہے۔ ہر مستطیع مسلمان پر قربانی واجب ہے قربانی کی غرض وغایت اس آیت میں بیان کی گئی ہے:۔

> خدا کے پاس نہ ان کا گوشت پہونچتا ہے نہ خون۔ البتہ تمہارا گناہوں سے محفوظ رہنا اس کو پسند ہے۔ اُس نے جانوروں کو تمہارا فرمانبردار بنادیا ہے تاکہ تم خدا کی تسبیح کرو کیونکہ اس نے تم کو ہدایت دی۔
>
> (قرآن۔ سورۃ ۲۲۔ آیت ۳۷)

سینکڑوں جوان اونٹ بھیڑ بکرے دن نکلنے تک عرفات میں رہتے ہیں پھر اُن کو منیٰ لیجاتے ہیں وہاں ایک کھلی جگہ میں جو مسجد خیف سے کچھ زیادہ فاصلہ پر نہیں ہے۔ ذبح

کرتے ہیں۔ چونکہ یہ قربانی ہوتی ہے اس لئے ضرورت ہے کہ حدودِ حرم ہی میں ذبح کئے جائیں۔ ان کا گوشت غریب حاجیوں کو تقسیم کر دیتے ہیں جو اس کی دھجیاں بنا کر یہاں کی تیز دھوپ میں سکھا لیتے ہیں اور گھر واپس ہوتے وقت اس سے توشہ کا کام لیتے ہیں۔ بعض حاجی حج کے بعد بالکل مفلس ہو جاتے ہیں اور اپنے ساتھیوں سے مانگتے کھاتے گھروں کو پہنچتے ہیں۔

مزدلفہ کو واپسی تھوڑی دیر میں ہم مزدلفہ پہنچ گئے۔ ہماری موٹریں اونچی جگہ ٹھیر گئیں ہم نے نماز پڑھی کمبل بچھائے اور تاروں بھرے آسمان کے نیچے سو گئے۔

مزدلفہ سے منیٰ آدھی رات گئے پھر ہم چل کھڑے ہوئے ہم میں سے ہر شخص سات کنکریوں سے مسلح ہو گیا ہے جو ہم نے یہاں کے ریگستان سے چن لئے ہیں۔ یہ منیٰ میں شیطان کو ماری جائیں گی۔ چونکہ مقام رجم تک پیدل چلنا چاہیئے اس لئے منیٰ پہنچ کر ہم نے موٹریں چھوڑ دیں۔

مصطفےٰ کی ماں کا حج مصطفےٰ کی ماں ابھی تک موٹر میں پڑی سو رہی ہے کتنا ہی جھنجوڑو اٹھنے کا نام نہیں لیتی اس لئے ہم اسے موٹر کی سیٹ ہی پر پڑا چھوڑتے ہیں۔ یہ حج کی پوری مدت سوتی ہی رہی۔ میں نے اسے طواف کرتے کبھی نہیں دیکھا یہ بڈھی عورت ہے غالباً اس نے اپنے کسی بیٹے کو حج کیلئے اپنا نائب مقرر کر دیا ہوگا۔ ابوبکر (اس کا بڑا بیٹا) اس کو جدے سے لایا ہے اور اب وہ اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ حج کر رہی ہے وہ خود تو سوتی رہتی ہے اور اپنے حج کے مناسک اپنے بیٹوں کے درمیان تقسیم کر دئیے ہیں۔

شیطاں کو کنکریاں مارنا ہماری قیام گاہ سے رجم کی جگہ کوئی ایک میل ہے لیکن رات کے وقت آدمیوں کی بھیڑ میں سے آہستہ آہستہ چل کر وہاں تک پہونچنے میں دیر لگے گی خصوصاً زنانخانے کی غریب عورتوں کو جو کبھی پیدل نہیں چلتیں۔ کچھ دیر میں ہم اس ستون کے پاس پہونچے جو شیطان کے منودار ہونے کی جگہ بنا ہوا ہے اور بسم اللہ کہہ کر ہم میں سے ہر ایک نے سات سات کنکریاں اُس پر پھینکیں۔ یہ رسم سنت ابراہیمی ہے۔ جب اُن کو اپنے بیٹے کے ذبح کرنے کا حکم ہوا تو شیطان نے ظاہر ہو کر اُن کو خدا کی عدول حکمی کے لئے ورغلانا چاہا۔ لیکن ابراہیم نے اُس کی بات پر توجہ نہ کی اور ایک کنکری اُس کی طرف پھینکی۔ وہ بھاگ گیا۔ اور جبرئیل نے نازل ہو کر اُن سے کہا کہ اپنے بیٹے کے بدلے میں ایک دنبہ ذبح کردو۔

انسانی قربانی کی موقوفی اُس زمانے میں خصوصاً کلدانیوں میں جن کی نسل سے ابراہیم تھے انسانی قربانی کا بہت رواج تھا لیکن جب خدا کا حکم ابراہیم کو جانور کا فدیہ دینے کیلئے ہوا تو یہ انسانی قربانی کی موقوفی کی علامت سمجھا گیا اور یہ حضرت ابراہیم ہی کا طفیل ہے کہ انسانوں کو بھینٹ چڑھانے کی بے رحمانہ رسم موقوف ہوگئی۔

طواف زیارت جب ہم واپس ہوئے تو دیکھا کہ مصطفٰی کی ماں اب بھی سو رہی ہے ہم نے اُسے موٹر سے اُتار کر منیٰ کے چھوٹے سے مکان میں سونے کے لئے دھر دیا۔ اور خود موٹر میں بیٹھ کر کے واپس ہوئے۔ دن نکلے وہاں پہونچ گئے اور صبح کی نماز اور طواف کیلئے سیدھے بیت اللہ گئے یہاں سے فارغ ہو کر ہم اپنی مکے کی قیام گاہ کو گئے۔ اگرچہ اس مکان کو چھوڑے ہوئے دو ہی دن ہوئے تھے

مگر مجھے وہ دن بھی سو برس معلوم ہوئے۔ جب میں سیڑھیوں پر چڑھی اُجالا ہو گیا تھا سلیمان میرا سوٹ کیس لئے تھا۔ مصطفےٰ مجھ سے بیت اللہ میں بچھڑ گیا تھا۔ اپنے کمرے میں پہونچ کر میں نے احرام اتارا اور سو گئی اس وقت سورج کافی بلند ہو چکا تھا۔

۶/ اپریل ۱۹۳۳ء: جب میں جاگی تو ایک مسکراتی ہوئی چھوکری نے مجھے حج کی مبارک باد دی غسل کر کے ہم نے اچھے کپڑے پہنے اور عبائیں اور برقعے اوڑھ کر پھر بیت اللہ کو طواف وسعی کیلئے گئے۔

حرم بیت اللہ کا ایک منظر

حرم اُس وقت آدمیوں سے بھرا ہوا ہے۔ کوئی حاجی یہاں سو بھی نہیں رہا ہے۔ سب نے احرام اتار دیئے ہیں اور اب یا تو طواف کر رہے ہیں یا خوشنما نیا لباس پہنے نماز پڑھ رہے ہیں۔ مطوفوں کی بلند آوازوں اور حاجیوں کی والہانہ دعاؤں سے بیت اللہ گونج رہا ہے۔

غلاف کعبہ

کعبہ پر اب نیا غلاف[۱] پڑا ہے یہ اُون اور ریشم سے بنا ہوا ہے۔ اس کی پندرہ فٹ بلندی پر زریں کتبے ہیں جو مشرقی خوشنویسی کا سب سے بڑا نمونہ ہیں یہ کتبے دو فٹ سے زیادہ چوڑے ہیں اور دُور سے بھی پڑھے جا سکتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اگلے زمانے میں غلاف کعبہ میں پورا قرآن بنا جاتا تھا۔ اب ایک تو یہ آیت کڑھی ہوئی ہے۔

---

[۱] ۔ غلاف کعبہ و محمل مصری کے متعلق ملاحظہ ہو تاریخ غلاف کعبہ مولفہ حضرت قبلہ گاہی مولوی سید علی شبیر صاحب مرحوم و مغفور۔ (محسن)

"بیشک پہلا گھر جو عبادت کیلئے بنایا گیا وہ بکہ (مکہ) میں ہے اور وہ تمام مخلوق کے لئے ہدایت ہے"

اس کے بعد قرآن کی سات سورتیں اور آیۃ الکرسی بنی رہتی ہے۔ کسی زمانے میں غلاف کعبہ مصر سے آیا کرتا تھا اور محمل کے ساتھ غلاف کی روانگی قاہرہ میں سالانہ ایک بڑا انہوار ہوا کرتی تھی۔ اب ہوشیار کاریگر خود مکے میں غلاف تیار کر لیتے ہیں۔

محمل حج کی گزشتہ دھوم دھام میں سے جو اب باقی نہ رہی ایک محمل بھی تھا یعنی وہ پالکی جو ہر سال مصر سے اونٹ پر آیا کرتی تھی۔ ابتدا میں اسمیں مکے محتاجوں کے لئے رقمیں اور تحفے تحائف آیا کرتے تھے۔ لیکن بعد میں محمل اس قدر بھاری ہونے لگا کہ اُس میں کوئی اور بوجھ لادنے کی گنجائش نہ رہی اور رقموں اور غلاف کیلئے دوسرے اونٹوں کی ضرورت ہونے لگی۔

غلاف کعبہ کے اجزاء غلاف کعبہ میں اٹھارہ سیاہ پردے ہوتے تھے[1]۔ جن کا دبیز کپڑا سوت اور ریشم سے بنا ہوتا تھا اس پر خط نسخ میں آیات قرآنی بنی رہتی تھیں جن سے کپڑے کی وضع مشجر کی سی ہو جاتی تھی غلاف کے بیچ میں خالص سنہری تاروں سے کڑھے ہوئے کتبے ہوا کرتے تھے۔ ان کے علاوہ کعبے کے دروازہ کیلئے سنہری روپہیلی بھاری کا کام ایک پردہ آیا کرتا تھا۔ اسے برقع بھی کہا کرتے تھے جس کی مناسبت سے عربی شاعر اپنے گیتوں میں کعبے کو عروس مکہ لکھتے ہیں۔

غلاف کعبہ مشین سے بنانیکی تجویز چند سال گزرے یہ تجویز کی گئی تھی کہ ہاتھ کا بنا ہوا غلاف موقوف کر کے مشین سے بنایا جائے۔

---

[1] غلاف کعبہ کے اب بھی اسی قدر اجزاء ہوتے ہیں۔ (محسن)

چنانچہ زر کثیر صرف کر کے کپڑا بننے کے اوزار بھی جنیوا سے لائے گئے مگر کامیابی نہ ہوئی اور وہی پرانا طریقہ ہاتھ سے بننے کا قائم رہا۔

محمل کی ابتدا تیرھویں صدی عیسوی یعنی ۶۴۵ھ میں ہوئی

محمل مصری کی ابتداء تھی اس وقت ملکہ شجرۃ الدّر کے حکم سے محمل تیار کیا گیا تھا اور وہ اس میں بیٹھ کر حج کیلئے گئی تھی۔ ملکہ موصوفہ کا نام موتیوں کا درخت تھا۔[1] اس لئے اُس نے اپنے نام کی مناسبت سے محمل کی تیاری میں دل کھول کر روپیہ صرف کیا اور اس محمل کو دیکھ کر وہ اس قدر خوش ہوئی کہ اپنے حج کی یادگار میں اُس نے دوسرے سال بھی محمل روانہ کیا اس کے بعد اس کی اتباع میں غلاف کعبہ و رقوم خیرات و مبرات کے ساتھ مصر سے سال کے سال محمل مکہ معظمہ بھیجنے کی رسم ہو گئی۔ اور پھر اسلامی ممالک یمن و عراق و ہندوستان وغیرہ سے بہت سے محمل مکے روانہ کئے جانے لگے۔ اب کچھ عرصے سے عام اقتصادی کساد بازاری اور مصارف کی بیشی کی وجہ سے محمل آنا موقوف ہو گئے ہیں۔ اور حج کی یہ سابقہ دھوم دھام کی رسم مٹ گئی ہے۔ تمام محملوں میں مصری محمل بڑا شاندار ہوا کرتا تھا اور اس کا خرچ غلاف کعبہ اور دوسرے غلافوں کو ملا کر ساڑھے سات لاکھ روپیہ سالانہ سے کم نہیں ہوتا تھا اور یہ رقم خزانہ سرکار برداشت کیا کرتا تھا۔ یہ محمل ایک پالکی کی سی شکل کا ہوتا تھا۔ جس پر قرمزی مخمل کا زرین غلاف پڑا رہتا تھا اور اس کی چوٹی اور چاروں کونوں پر سنہری کلس ہوتے تھے اور کلابتوں کی موٹی موٹی رسیاں خوشنمائی

---

[1] اس ملکہ کا نام فاطمہ اور خطاب شجرۃ الدرر (موتیوں کا جھاڑ) تھا۔ (مؤلف)

کیلئے ہر طرف ہاروں کی طرح لٹکتی رہتی تھیں۔

روانگی محمل کا جلوس قاہرہ میں

کئی برس ہوئے ایک مرتبہ روانگی محمل کے وقت میں قاہرہ میں تھی اُس وقت قلعہ کے سامنے کا سارا میدان قطار در قطار فوجوں سے بھر گیا تھا۔ محمل کے اونٹ کو اس چبوترے کے پاس لائے جس پر خدیو اپنے وزراء و امراء و علماء و مشائخ کے ساتھ کھڑے تھے۔ اس اونٹ کی مہار اولاً خدیو کو دی گئی۔ انہوں نے اسے چوم کر وزیر اعظم کے حوالے کیا اور پھر دوسرے امراء نے اسی طرح اسے بوسہ دیا اور بالآخر امیر الحج کو جو اس سال فوج محمل کے کمانڈر تھے سپرد کر دی گئی۔ اس کے بعد قلعہ سے توپیں سر ہوئیں اور پھر یہ جلوس خاموشی و متانت کے ساتھ میدان عباسیہ کو گیا۔ یہاں اس نے سامان وضروریات سفر مہیا کرنے کیلئے کئی روز قیام کیا اور اس مدت میں دور دور سے حاجیوں کے غول کے غول یہاں آکر جمع ہوگئے یہاں تک کہ مصر صعید تک کے حاجی شریک ہوگئے۔

جب تمام تیاریاں مکمل ہوگئیں یہ جلوس ایک اسپیشل ٹرین میں سوئز گیا۔ وہاں سے جہاز میں جدے روانہ ہوا اور پھر مکے پہونچا دوران سفر میں محمل پر سبز غلاف اُڑھا دیا جاتا تھا۔

محمل مصری مکے میں

مکے پہونچ کر اس کو باب السلام و باب النبی کے درمیان بیت اللہ میں رکھ دیا کرتے تھے۔ مکے میں محمل کا استقبال بڑی دھوم دھام سے ہوتا تھا۔ غلاف کعبہ اور دوسری چیزیں علماء و امراء کے سامنے کلید بردار کعبہ کے حوالے کر دی جاتی تھیں

کعبے پر نیا غلاف ڈالنا

لیکن نیا غلاف عید قرباں کے دن تک کعبے پر نہیں ڈالا

جاتا تھا ان دنوں میں سب لوگ منیٰ میں ہوتے تھے۔ جب حج ختم ہو جاتا اور حاجی احرام اتار کر اچھے کپڑے پہن لیا کرتے تھے تو وہ کعبے کو اس کے نئے خوبصورت لباس میں دیکھنے کیلئے منیٰ سے واپس آیا کرتے تھے۔ پرانا غلاف ٹکڑے ٹکڑے کر کے حاجیوں کے ہاتھ فروخت کر دیا جاتا تھا حرم کے نزدیک پرانے غلاف کی دکانیں لگی رہتی تھیں۔

محمل کا آنا کہانی ہو گئی اب محمل اگلے زمانہ کی ایک کہانی ہو گئی۔ غلاف کعبہ اور دوسرے غلاف خود مکے میں تیار ہونے لگے ہیں جو ویسے ہی غلاف مکے میں بننے لگا خوشنما و مضبوط ہوتے ہیں جیسے پہلے ہوا کرتے تھے۔ پرانا غلاف اب بھی کاٹ کر فروخت کر دیا جاتا ہے۔ میں نے بہت سے حاجیوں کو پرانے سیاہ غلاف کعبہ کے ٹکڑے بڑے شوق سے خریدتے دیکھا۔

مکے سے منیٰ کو واپسی ہم عید قرباں کے لئے جو تین دن تک ہوتی رہے گی منیٰ واپس ہو گئے۔ ابھی ہم کو دوسرے دو شیطانوں کو بھی کنکریاں مارنی ہیں۔

جمرۃ الوسطیٰ ایک اور سنگین ستون اس ستون سے چھوٹا جس پر ہم نے پہلے کنکریاں ماری تھیں اس مقام پر بنا ہوا ہے جہاں شیطان ابراہیم کے پاس سے محروم ہو کر ہاجرہ کو بہکانے گیا تھا اور اُسنے بھی اپنے بچے کو قربانی سے بچانے کے بارہ میں شیطان کے اغوا کو نہ سن کر ایک کنکری پھینکی تھی۔

جمرۃ العقبہ اس ستون سے بھی چھوٹا ایک اور ستون ہے۔ یہ اس جگہ بنا ہوا ہے جہاں شیطان نے بچے کو بہکانا چاہا تھا۔ عربوں کی روایتوں کے لحاظ سے وہ بچہ اسحاق نہیں بلکہ اسماعیل تھے۔ شیطان نے اس بچے کو ترغیب دی تھی کہ قربانی کے لئے

ذبح پر لیٹنے سے انکار کر دے مگر اس بچے نے بھی اس ملعون کو جھڑک کر کنکریاں ماریں اور قربانی کیلئے تیار ہو گیا۔ اس خیال سے خوشی ہوتی ہے کہ اس بے باکانہ امتحان کے بعد اس واقعہ کا خاتمہ سارے خاندان کی خوشی پر ہو گیا اور بچے کے بدلے میں مینڈھا ذبح کر دیا گیا۔

گھر کی یاد

میں یہاں تاروں کے نیچے پھر چاندنی پر سو رہی ہوں لیکن میرا جی ختم ہو گیا اور اب آنکھیں لہلہاتے کھیت نیلگوں آسمان۔ دھڑاکے کی بارش اور مینہ کی پھوار دیکھنے کی آرزومند ہیں اور میں اس بے رحم سورج سے بچنا چاہتی ہوں۔

منیٰ سے روانگی کی درخواست

کل سے عید شروع ہو گی اور جب تک وہ ختم نہ ہو جائے سلطان کی اجازت بغیر کسی کو یہاں سے جانے نہیں دیتے[1]۔ یہاں منیٰ میں اس وقت کوئی ایک لاکھ حاجی ڈیروں میں شغدفوں میں شبریوں میں اور زمین پر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں۔ اور ان کے اونٹ پہاڑیوں میں چھوٹے ہوئے ہیں۔ کیا ایک چھوٹے سے حاجی کے یہاں نہ رہنے سے سلطان کے ہاں کمی ہو جائے گی۔ میں ان سے درخواست تو کرتی ہوں۔

منیٰ سے واپسی

۷ اپریل۔ مصطفےٰ اطلاع دیتا ہے کہ سلطان نے مجھے روانگی کی اجازت دیدی۔ ابھی میں چاندنی پر ہی ہوں کہ یہ عنایت آمیز پیغام مجھے ملا۔ میں جلدی جلدی اپنا سامان درست کرتی ہوں سیڑھی سے نیچے اترتی ہوں اور

---

[1] ضروری مناسک حج کی تکمیل ۱۰ ذیحجہ کو ہو جاتی ہے لیکن عموماً ۱۲ و ۱۳ ذیحجہ تک حاجی منیٰ میں ٹھیرتے ہیں۔ لیڈی زینب ۱۱ ذیحجہ کو مکہ واپس ہو گئیں۔ (محسن)

اپنی میزبان دوسری عورتوں ملازموں اور چھوکریوں سے رخصت ہوتی ہوں۔ میری موٹر دروازے پر آگئی ہے میرے میزبان اور ان کے لڑکے موٹر کے قریب کھڑے ہیں۔ میں ان کی مہربانیوں اور مہمان نوازیوں کا شکریہ ادا کرتی ہوں اور اور مصطفٰے اور ایک چھوکرے کے ساتھ جس کے پاس مکے کے مکان کی کنجیاں ہیں موٹر میں سوار ہوتی ہوں۔ مکے کے مکان سے مجھے اپنا سامان لینا ہے۔

موٹر ڈیروں اور حاجیوں کے بیچ میں سے آہستہ آہستہ چل رہی ہے۔ لوگ احرام کھولے رنگ برنگ کے کپڑے پہنے عید منا رہے ہیں۔ مزے دار کھانوں کی خوشبوئیں آرہی ہیں۔ اونٹ بڑبڑا رہے ہیں۔ بچے کلکاریاں لگا رہے ہیں۔ حاجی اپنے ساتھیوں کو اس مجمع میں چیخ چیخ کر پکار رہے ہیں۔ وادیٔ منیٰ کا منظر اس وقت بہت دلفریب ہے لوگوں کے شاداں و فرحاں چہرے اور اُن کو کامل طور پر مطمئن دیکھنا بہت ہی بھلا معلوم ہو رہا ہے۔

ویران شہر سنسان مکان

جب ہم مجمع کو پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھے تو سڑک پر سناٹا تھا صرف چند بدوی اونٹ لئے مکے جا رہے تھے۔ ہم سنسان شہر میں داخل ہوئے۔ اس کی چھوٹی چھوٹی دکانیں بند ہیں گھر خالی ہیں۔ دروازوں میں قفل پڑے ہیں ان کے اندر صرف کبوتر اور کتے رہ گئے ہیں اُس مکان میں پہونچ کر جس نے ان عجیب وغریب دنوں میں مجھے پناہ دی تھی سامان سفر درست کرنے کیلئے جلدی جلدی سیڑھیوں پر چڑھ رہی ہوں مصطفٰے بیت اللہ جا رہا ہے اور سلیمان انڈوں اور روٹی کی تلاش میں نکل رہا ہے۔ مصطفٰے کہتا ہے ایک گھنٹے میں آؤں گا۔ دروازہ بھیڑنے کی آواز مجھے سنائی دیتی ہے اور میں مکان میں جو کچھ دیر قبل آدمیوں

سے بھرا ہوا تھا اکیلی رہ جاتی ہوں۔ میں ٹھنڈے پانی سے نہائی جو مجھے ہمیشہ سے زیادہ گرم معلوم ہوا۔ اس کے بعد سامان کی باندھا بوندھی کی اور حتی الامکان صبر کے ساتھ مصطفےٰ کا انتظار کیا۔ اب مجھے یہاں سے چل دینے کی فکر ہے۔

ایک انگریز سیاح کی متعصب آمیز کتاب

میں اپنے ساتھ دو کتابیں لائی ہوں ایک عربی کا قرآن دوسری عربیا ڈیزرٹا جس کا ذکر میں پہلے کر چکی ہوں۔ میں نے یہ کتاب کھولی اور ملکہ الزبیتھ کے زمانے کے نادر طرز تحریر کی جانب جو اس کتاب کی خاص خوبی ہے اپنا دھیان بٹانے کی کوشش کی مگر ڈوٹی پرلے درجے کا متعصب تھا اور یہ کل کتاب ایسی دشمنی میں ڈوبی ہوئی ہے کہ میں نے اپنے موجودہ ماحول میں اس کا پڑھنا ایمان کا بگاڑ دینے والا سمجھ کر اس کو بند کر دیا۔

قرآن کی ایک روح افزا سورۃ

میں کھڑکی میں جا بیٹھی اور مصطفےٰ کے انتظار میں سنسان گلیوں کو جھلملیوں میں سے دیکھنے لگی پھر قرآن کھولا اور دلکش سورۂ نور پڑھنے لگی:۔

"اللہ زمین و آسمان کا نور ہے۔ اُس کی روشنی ایک ستون ہے جس پر چراغ روشن ہے۔ چراغ ایک شیشے میں ہے اور وہ شیشہ گویا چمکدار ستارہ ہے۔ جو زیتوں کے صاف تیل سے روشن ہے جو نہ مشرق کا ہے نہ مغرب کا اُس کو آگ نے نہیں چھوا۔ مگر اُس کی روشنی نورٌ علیٰ نور ہے"

میں وجد میں آکر پڑھتی رہی۔ یہ ناممکن ہے کہ ترجمہ میں اس کے معنی کی دلکشی اور اس کے روح افزا شاعرانہ تخیل کو ادا کیا جا سکے۔

قرآن دوسری آسمانی کتابوں سے ممتاز ہے

میرے نزدیک قرآن اپنی سادگی فصاحت

وتخیلات کے تنوع اور شکوہ لفظی کی وجہ سے دوسری تمام آسمانی کتابوں سے ممتاز ہے۔

قرآن کے متعلق جانسن کی رائے

مبادا میری یہ رائے طرف داری پر مبنی سمجھی جائے میں قرآن کے بارہ میں مشہور مستشرق جانسن[1] کی رائے اس جگہ نقل کرتی ہوں :۔

"اگر وہ شاعری نہیں ہے اور یہ کہنا بھی مشکل ہے کہ وہ شاعری ہے یا نہیں مگر شاعری سے وہ بہت بالاتر ہے۔ وہ کوئی تاریخ یا سوانح عمری بھی نہیں ہے وہ "وعظ جبل[2]" کے مانند مجموعہ مواعظ بھی نہیں ہے وہ بدھ مذہب کی کتاب ستر کے مانند علم کلام و علم منطق کی کوئی کتاب بھی نہیں ہے۔ وہ عقلمند اور بیوقوف معلموں کو درس دینے والی افلاطون کی عظیم الشان کانفرنس بھی نہیں ہے۔ وہ ایک پیغمبر کی آواز ہے اور ایسی عالمگیر اور بروقت آواز کہ زمانے کی تمام آوازیں خوشی خوشی یا بادل ناخواستہ اس کی ہمنوا ہو جاتی ہیں۔ اور اس کی صدائے

---

[1] ۔ سیموئیل جانسن ۔ علوم مشرقی کا عالم اور علم لغت کا بڑا ماہر گزرا ہے۔ متعدد علمی رسائل کا مدیر تھا۔ اس کی تصنیفات میں انگریزی ادب کی لغت ۔ سوانح عمری شکسپیر ۔ تذکرہ شعرائے انگلستان اور بعض دیگر کتب بہت مشہور ہیں۔ جانسن ۱۷۰۹ء میں پیدا ہوا ۱۷۸۴ء میں وفات پائی۔

[2] ۔ حضرت عیسیٰ کا ایک وعظ جو انہوں نے پہاڑ پر کیا تھا۔ اور جو مسیحی دنیا میں اعلیٰ درجے کا وعظ سمجھا جاتا ہے۔ یہ خطبہ انجیل میں ہے۔

(محسن)

بازگشت محلوں میں۔ ریگستانوں میں۔ شہروں میں۔ اور سلطنتوں میں سنائی دیتی ہے۔ قرآن دنیا کو تسخیر کرنے کیلئے اولاً چند منتخب دلوں کو روشن کرتا ہے پھر وہ ایک ایسی استعماری قوت میں نمودار ہوتا ہے جو یونان وایشیاء میں نشوونما پائی ہوئی معاشرت یعنی مسیحی یورپ کی گھنگور گھٹا کے پرخچے اُڑا دیتی ہے۔"

میں ان خیالات میں کھوئی ہوئی تھی کہ اتنے میں دروازے کے باہر پاؤں کی آہٹ سنائی دی کوئی تین گھنٹے تک خالی مکان میں تین گھنٹے میں اس بڑے سنسان مکان میں قیدی کی طرح بند رہی اور مصطفٰے وسلیمان کے آنے سے مجھے رہائی ملی۔ مصطفٰے نے دیر سے آنے کا سبب یہ بیان کیا کہ پولیس والے اس سے الجھ رہے تھے کہ ساری دنیا تو آج منیٰ میں ہے تو مکے کس کام سے آیا ہے۔ سلیمان اُس چھوکرے کی مدد سے میرے لئے کھانے کا سامان تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ چونکہ میں دن چھپنے سے پہلے جدے پہونچ جانا چاہتی ہوں اس لئے ہم نے جلدی جلدی کھانا کھا لیا۔

مکے سے رخصت ہونے سے پیشتر مجھے طواف کیلئے حرم میں اور سعی طوافِ وداع کیلئے مسعیٰ میں ایک دفعہ اور جانا ہے اس وقت بھی جب کہ مکہ خالی پڑا ہے اور ساری اسلامی دنیا عید منا رہی ہے میں نے بعض حاجیوں کو دیکھا کہ وہ طواف کر رہے تھے۔ مکہ والوں کا یہ فخر کرنا صحیح ہے کہ سالہا سال گزرتے چلے جاتے ہیں مگر دن رات میں کوئی گھنٹہ ایسا نہیں ہوتا کہ کعبہ طواف کرنے والوں سے خالی رہتا ہو۔

ہاتھ میں موچ

سعی میں جلدی کے مارے میں ایک ڈھلوان سیڑھی پر سے پھسل گئی اور اپنے کو بچانے کیلئے پیچھے کی طرف ہاتھ کے بل گری جس سے میرے بائیں ہاتھ میں موچ آگئی مصطفٰے نے اس کو زور سے باندھ دیا مگر تکلیف کے مارے سعی کرنا دشوار تھا چار چکر میں کر چکی تھی سات کی تکمیل کیلئے میں نے مصطفٰے سے کہہ دیا۔

مکے سے رخصت دروازے پر روک ٹوک

چھوکرے کو جو کنجیاں لیکر گدھے پر سوار منیٰ واپس ہو رہا ہے رخصت کرکے ہم موٹر میں سوار ہو کر سنسان گلیوں اور خالی بازاروں میں سے چلے۔ شہر کے سبز دروازے پر پہنچ کر ہم نے پاسپورٹ دکھائے مگر وہاں پولیس نے ہمیں آگے بڑھنے سے روک دیا۔ میرا دل ڈوبنے لگا۔ میں نے مصطفٰے سے پوچھا کہیں ایسا تو نہیں ہوا کہ سلطان ہمارے چلے جانے کی اجازت دینا بھول گئے ہوں۔ اُس نے کہا سلطان کا حکم ٹیلیفون پر جاتے خود میں نے سنا تھا۔ مجھے اس کا وہم وگمان بھی نہ تھا اور نہ کبھی مصطفٰے کے دل میں یہ خیال آیا تھا کہ روانگی کی اجازت صرف مجھے اور میرے شوفر کو ملے گی۔ مصطفٰے اپنے تئیں میری حفاظت کا ذمہ دار سمجھتا تھا۔ اس لئے وہ دوران حج وزیارت میں سایہ کی طرح میرے ساتھ ساتھ رہا تھا۔ میں نے اس سے کبھی یہ پوچھا ہی نہیں کہ آیا یہ بھی ممکن ہے کہ تم میرے ساتھ جدے واپس نہ ہو سکو۔ سر دست اس کے سوا اور کیا علاج تھا کہ پولیس سلطان کو منیٰ میں ٹیلیفون دے کر احکام حاصل کرے اور اُس وقت تک ہم ٹھیرے رہیں۔

چائے خانہ میں پناہ

سورج ابھی تک تیز ہے۔ میں موٹر سے اترتی ہوں اور قریب کے چائے خانے میں پناہ لیتی ہوں۔ چائے خانہ والا اکیلا

بیٹھا تسبیح پر خدا کے ننانوے نام پڑھ رہا ہے۔ خاموش فضا میں اس کا بڑبڑانا شہد کی مکھیوں کی کمزور بھن بھناہٹ معلوم ہو رہی ہے۔ باہر کی خوفناک دھوپ کے مقابلہ میں چائے خانے کا اندر کا حصہ بہت ہی سایہ دار اور ٹھنڈا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ میرا یہ میزبان آج منیٰ کیوں نہیں گیا جبکہ چائے خانہ خالی پڑا ہے۔ اس نے جلدی سے کاروانی چائے[1] بنا کر ہمیں دی یہ گرمی کے موسم میں مزے کی معلوم ہوتی ہے۔ اس نے ہم سے کہا کہ گزشتہ تین دن میں صرف تم ہی میرے ہاں آئے ہو۔ اسکی صورت سے بہت ہی بھلمنساہت اور شرافت ظاہر ہے۔ مصطفےٰ نے مجھ سے کہا کہ یہ سید ہیں یعنی پیغمبر صاحب کی اولاد میں ہیں۔

اسلام ذات پات سے مُبرا ہے

اسلام میں کم ذات نیچ ذات کا جھگڑا نہیں ہے۔ ایک شخص جو ہزار برس سے اعلیٰ درجے کا شریف الخاندان چلا آرہا ہو ایمان داری کے ساتھ ادنیٰ سے ادنیٰ پیشہ اختیار کرکے گزر معاش کرسکتا ہے۔ محمدؐ کے خاندان والے (سید) جو قریش کے شاہی قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں اکثر بہت غریب ہیں۔

ہمارا میزبان جس وقت ہمیں چائے دے رہا تھا ایک چھوٹی سی بچی شرماتی ہوئی اندر آئی اور اپنے باپ کے قریب بیٹھ گئی۔ اس کے نارنجی کپڑوں سے چائے خانہ کا اندرونی حصہ روشن ہوگیا جب وہ اپنے باپ کے پیچھے سے مجھے دیکھ رہی تھی تو

---

[1] بغیر دودھ یا خوشبو وغیرہ کے جو چائے بنائی جاتی ہے اس کو کاروانی چائے کہتے ہیں۔ یہ سبز بھی ہوتی ہے اور سیاہ بھی۔ (محسن)

اُس کے گورے چہرے پر مسکراہٹ آ رہی تھی۔ سید صاحب نے آہستہ سے اُس کو اٹھا کر
اپنی گود میں بٹھا لیا۔ ہم دونوں بہت جلد مانوس ہو گئے اور وہ بڑے مزے سے چٹر
چٹر باتیں کرنے لگی جب وہ اپنے دن بھر کے کاموں کی تفصیل مجھ سے بیان کر رہی تھی
تو اُس کی بڑی بڑی آنکھیں مٹک رہی تھیں اور عربوں کی طرح اس کے چھوٹے چھوٹے
ہاتھ تھرک رہے تھے۔

کوئی ایک گھنٹے بعد ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ مجھے جانے کی اجازت مجھے چھوڑ دیا اور مصطفےٰ
مل گئی مگر صرف تنہا مصطفےٰ کو اس جرم میں کہ اُس نے میرے
ساتھ جانے کی کیوں کوشش کی روک کر پولیس نے نگرانی کو روک لیا
میں لے لیا۔ ہم نے اس کا سامان موٹر سے اُتار دیا۔ میں مصطفےٰ سے رخصت ہوئی۔ رنج
کے مارے مصطفےٰ اب وہ مصطفےٰ ہی نہیں رہا تھا۔ مگر غم غلط کرنے کیلئے اس کا حقہ ساتھ
ہے بشرطیکہ سپاہی پینے دیں۔

دروازہ کھلتا ہے اب میں پھر آزاد ہوں۔ ہماری چھوٹی سی موٹر مکے سے جدے
ریگستانی پہاڑیوں میں چل رہی ہے۔ میلوں پر میل نکلے چلے جا رہے ہیں
ہمیں کوئی جاندار نظر نہیں آتا۔ اب ہمیں کچھ بدوی اور اونٹ ملے یہ جدے جا رہے
ہیں۔ ہمارے سامنے حدود حرم کے دو ستون ہیں۔ ان سے جب میں نکل جاؤں گی
تو سمجھوں گی کہ پھر معمولی دنیا میں آ گئی۔ سورج ڈوبنے کا سماں بہت اچھا معلوم ہو رہا
ہے۔ ایک جگہ پولیس نے بڑی حیرت سے ہمارے پاسپورٹ دیکھے ان کی عقل
حیران ہے کہ عید الضحیٰ ختم ہونے سے پہلے یہاں سے کوئی شخص کس طرح جا سکتا ہے۔
ان سے سلیمان نے میری نسبت کہہ دیا کہ ان کی کلائی میں ضرب آ گئی ہے اور ڈاکٹر

کو دکھانے کی ضرورت ہے۔ سپاہیوں نے میرے ساتھ ہمدردی ظاہر کی۔

اندھیرا چھاتا جا رہا ہے۔ چاند ابھی نہیں نکلا۔ ہم پہاڑیوں سے نکل آئے ہیں اور تھامہ کے میدان کو عبور کر رہے ہیں یہ علاقہ نیچی پہاڑیوں سے شروع ہو کر مشرق و مغرب کی طرف سمندر تک چلا گیا ہے اور شمال و جنوب میں عقبہ سے یمن تک پھیلا ہوا ہے۔ کہیں کہیں آگ بدویوں کے پڑاؤ کا پتہ دے رہی ہے۔ سلیمان حدی خوانی کر رہا ہے۔ یہ گیت تھکے پاؤں کو ہلکا کر دیتے ہیں اور سونی منزلوں میں ان سے وقت اس طرح گزر جاتا ہے جس طرح چاند نکل آنے کے بعد ستارے کھسک جاتے ہیں۔

جدے میں ورود

آخر کار ہم کو جدے کے چراغ دکھائی دینے لگے۔ دروازے میں داخل ہو کر میں نے پہرے والے کو پاسپورٹ دیا اور فلبی صاحب کے مکان میں پہنچ گئی۔ میری کرم فرما میزبان مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئیں اور مجھے بھی اس دنیا میں پہنچ جانے سے بڑی مسرت ہوئی جسے میں جانتی ہوں اور جہاں اپنی زبان میں گفتگو کر سکتی ہوں۔ گزشتہ دن عجیب دن تھے۔ اب میری آنکھیں بند ہوئی جا رہی ہیں اور میں چاہتی ہوں کہ سو جاؤں۔ بس سو جاؤں اور خوب سوؤں۔

حج کے دنوں میں جدہ

۸ / اپریل۔ جدہ خالی پڑا ہے یہاں سے جتنے آدمی جا سکتے تھے حج کیلئے منیٰ چلے گئے ہیں۔ ہر فرنگی اپنے ملازموں کا انتظار کر رہا ہے۔ جن کی واپسی کا ابھی کوئی ٹھیک نہیں ہے۔ حاجیوں میں سے صرف میں ہی یہاں آ گئی ہوں اور اس کی خبر لندن تک پہنچ گئی ہے۔ اہالیان مطبع مجھے بحری تار دے رہے ہیں کہ بغرض اشاعت میں اپنے خیالات اُن کے پاس روانہ کر دوں مگر میں ایک دریا کو کوزے میں کس طرح بند کر سکتی ہوں اور مشرق کی عجیب

نمائش اہل مغرب کو کس طرح دکھا سکتی ہوں۔

جدہ سے روانگی کی فکر

میں نے عربی لباس اتار دیا ہے بغیر برقع اوڑھے سڑکوں پر چلنا مجھے کچھ عجیب عجیب معلوم ہو رہا ہے۔ اب مجھے پاسپورٹ پر تصدیقی عبارت درج کرانی ہے۔ امید ہے کہ کل یہاں سے پورٹ سوڈان روانہ ہو جاؤں۔ بندرگاہ میں بہت سے جہاز موجود ہیں یہ سب حاجیوں کی واپسی کا انتظار کر رہے ہیں۔ مجھے اس کی بڑی فکر ہے کہ حاجیوں کے آنے سے پہلے چل دوں۔ قرنطینہ سے تو بچ نہیں سکتی لیکن اس کی تکمیل میں تنہا ہی کرنا چاہتی ہوں۔

حجاز سے رخصت

ایس۔ ایس تالیدو ۹/اپریل سنہ ۱۹۳۳ء ۱۳/ذیحجہ سنہ ۱۳۵۱ھ

اب جدہ پیچھے رہ گیا۔ اس چلچلاتی دھوپ میں صرف ایک مینار چند منٹ تک نظر آتا رہا۔

"اے سرزمین عرب الوداع۔ سنسان ریگستانو الوداع۔ سبز نخلستانو الوداع۔ حرمین الشریفین الوداع۔ اے مذاہب عالم کے گہوارے الوداع۔ اگر میں عرب کو پھر کبھی نہ دیکھ سکی تب بھی ان عجیب و غریب دنوں کی یاد جو میں نے مکے میں گزارے، مکے کی یاد جو ایک زندہ مذہب کی مشعل اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے ہے، مدینے کی یاد، اس کے باغوں کی یاد، اور اس کی دلفریبی کی یاد، ہمیشہ ہمیشہ میرے دل میں جاگزین رہے گی۔

ایک بہادر بڈھا حاجی

اب میں پانچ دن کا قرنطینہ بھگتنے کیلئے سواکن جا رہی ہوں جہاز کے دوسرے مسافر قسطینا واقع نائجیریا کا ایک امیر

اور اُس کے (۴۰) سیاہ فام ہمراہی ہیں۔ ان کو بھی ابن سعود نے حج کو مختصر کر دینے کی اجازت دے دی ہے۔ اور یہ رات ہی کو جدے آئے ہیں ان کو بھی سوا کن کے قرنطینہ میں رہنا پڑے گا۔ اور اس ویران مقام پر بھی میرے ساتھی ہوں گے۔ باوجودیکہ میں انگریزی لباس میں ہوں مگر امیر قسطبنا مجھے اپنا حج کا ساتھی سمجھ کر بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ خوشی خوشی بار بار مجھ سے مصافحہ کر رہا ہے۔ ان لوگوں کو صرف نائجیری زبان آتی ہے اس لئے ان سے بات کرنا آسان نہیں ہے۔ جدے ہی میں نے یہ سنا تھا کہ یہ بہادر بڈھا جس کی عمر ستر برس سے زیادہ ہے صحرائے اعظم کو عبور کر کے لبیان کے ریگستانوں سے گزرتا ہوا نائجیریا سے سوڈان پیدل پہونچا ہے۔ اس کے دو کم عمر پوتے اور عورتیں اونٹوں پر آئی ہیں یہ لوگ پہاڑوں۔ ندیوں اور وسط افریقہ کے بڑے بڑے تپتے ہوئے میدانوں کو عبور کر کے اور بھوک پیاس کے ہیبتناک بھوتوں کا جو ریگستان کے رستہ بھٹکے اور اونٹ مرے مسافر کو پکڑنے کیلئے ہمیشہ تاک میں رہتے ہیں مقابلہ کرتے ہوئے مہینوں تک ناپیدا کنار بیابانوں میں چلتے رہے۔ نائجیریا سے پورٹ سوڈان تک پہونچنے میں ان کے دو سال سے زیادہ گزرے۔

جہاز کے کپتان نے مجھ سے کہا کہ یہ امیر بڈھا ملک معظم کے مہمان کی حیثیت سے معدودے چند ہمراہیوں کے ساتھ انگلستان جا رہا ہے۔ اس کے باقی ساتھ والے افریقہ چلے جائیں گے۔ جن کو وطن پہونچنے میں غالباً پھر وہی دو برس لگیں گے۔

پیادہ پا حج کی فضیلت

اگر ہو سکے تو پیادہ پا حج کرنے کی بڑی فضیلت ہے۔ مگر جو لوگ پیدل چل بھی سکتے ہیں وہ بھی سفر کے آرام دہ ذرائع اختیار کر لیتے ہیں۔ اور بہت سے لوگ اتنا وقت بھی صرف نہیں کر سکتے۔

ہارون الرشید کا حج ہارون الرشید خلیفہ بغداد نے جب حج کیا تھا تو وہ مکے تک سارے رستے پیدل چلتا گیا تھا۔ اگرچہ سفر کی تکلیف اس کے لئے کسی قدر اس ترکیب سے گھٹا دی گئی تھی، کہ رستے میں نمدے کے ٹکڑے بچھا دیئے جاتے تھے ان پر وہ چلتا تھا۔

نہر زبیدہ اس کی ملکہ زبیدہ کی فیاضی کی بدولت وہ عظیم الشان نہر مکے میں آئی ہے جس سے سارے شہر کو پانی ملتا ہے اور مکے والے اور حاجی آج تک اس ملکہ کو اس فیض جاریہ کی وجہ سے دعائے خیر سے یاد کرتے ہیں۔

سواکن ۱۰ اپریل۔ ہم علی الصباح سواکن پہنچے۔ یہاں چند پولیس والے اور ڈاکٹر جہاز پر آیا مجھے اطلاع ملی کہ یہاں ایک تار آیا ہے کہ مجھے پورٹ سوڈان جانا پڑے گا۔ نائجیریا کے امیر اور اسکے ہمراہیوں کو کشتی میں سے اترتے دیکھنا میرے لئے موجب اطمینان تھا کہ پورٹ سوڈان کے قرنطینہ میں اب مجھ اکیلی کو زیادہ آرام مل سکے گا۔ نیز اگر میں وہاں موقع پر موجود رہوں تو ممکن ہے کہ حکام مجھے اس جہاز میں بندرگاہ سعید تک سفر کرنے کی اجازت دے دیں جو ۱۳ اپریل کو چلیگا مگر اس کے لئے مجھے قرنطینہ کمیٹی سے اجازت لینی پڑے گی۔ یہ کمیٹی بین الاقوامی ہے اور قرنطینہ کی مدت گھٹا دینا اسی کا اختیاری ہے۔ علاوہ ازیں مجھے "جہاز بی" کے کپتان سے بھی دریافت کرنا پڑے گا کہ وہ مجھے اس جنگی جہاز میں مسافر کی حیثیت سے سوار کرنا مناسب سمجھتے ہیں یا نہیں۔

پورٹ سوڈان قرنطینہ میں تین دن ہم دوپہر کو پورٹ سوڈان پہنچے ڈاکٹر انڈرسن صاحب بندرگاہ پر موجود تھے

اور ریگستان میں سے ہو کر قرنطینہ تک پہنچانے کے لئے میرے واسطے موٹر بھی لائے تھے میرے سفر کے نوٹ پنسل سے لکھے ہوئے تھے۔ ان کو سیاہی سے لکھنے کیلئے میں نے رستے میں قلم سیاہی اور فلسکیپ کاغذ خرید لیا ہے۔ اس طرح قرنطینہ میں میرا وقت بھی گذر جائے گا۔

اپنا قید خانہ دیکھ کر میری طبیعت بہت ہی افسردہ ہوگئی۔ یہ ایک چھوٹا سا خالی مکان تھا اور اس خیال سے کہ قیدی کہیں بھاگ نہ جائیں اسے تاروں کے اونچے اونچے جنگلے سے گھیر دیا تھا۔ پاس جا کر دیکھنے سے معلوم ہوا کہ مکان صاف ستھرا ہے اور اس میں ضروری سامان بھی ہے۔ سونے کیلئے کمرہ ہے۔ برآمدہ ہے حمام ہے جس میں نل بھی ہے۔ اوپر چڑھنے کا زینہ ہے۔ میرے کام کاج کے لئے دو سوڈانی نوکر بھی ہیں۔

ڈاکٹر انڈرسن صاحب بڑی خوبیوں کے آدمی ہیں۔ یہ حتی الامکان میرے وقت گزارنے کا سامان کر رہے ہیں انہوں نے شفاخانے سے بہت ساری برف اور تمام نئے انگریزی اخبار میرے لئے بھیج دیئے ہیں۔ یہ پندرہ روز قبل کے ہیں مگر میں نے کئی ہفتے سے کوئی اخبار نہیں دیکھا۔ ایک شامی ڈاکٹر دن میں دو دفعہ میرے معائنہ کیلئے آتا ہے۔ مجھے جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے اُس سے کہہ دیتی ہوں میرے پنجرے کا دروازہ بھی کھلا ہوا ہے چاہوں تو ٹہلتی ہوئی ریگستان کی طرف نکل جاؤں۔ یہ کوئی دلچسپ جگہ نہیں ہے مگر گزر د۔

۱۱ر اپریل ۔ گزشتہ رات کو چودھویں کا چاند سمندر کی سطح سے نمودار ہوا اور سورج مغرب کی طرف افریقہ کے ان پہاڑوں میں غروب ہوا جہاں کی

سونے کی کانیں کسی وقت فرعونوں کے خزانے اشرفیوں سے بھرا کرتی تھیں۔ میرا خیال ہے کہ اِن کانوں سے اب بھی سونا نکلتا ہے۔ توشک تکئے اور کمبل لیکر میں اپنے جھوٹے سے مکان کی چھت پر چلی گئی۔ یہاں مچھر نہ تھے نیند بھی جلدی آگئی مگر افسوس ہے کہ صبح ہوتے آندھی آئی اور ڈنک مارنے والی ریت نے جو میرے بالوں اور آنکھوں میں گھس گئی تھی مجھے جگا دیا۔ میرا کمبل بچھونے سے اڑ کر ریگستان میں پہنچ گیا۔ میں نے ملازموں کو بلایا۔ انہوں نے میرا بستر جھٹکا اور کمبل ریگستان سے اٹھا کر لائے اور میں نے دروازے کھڑکیاں بند کرکے باقی نیند کمرے میں پوری کی۔ اب بھی جنوب کی طرف سے آندھی کے جھکڑ آرہے ہیں جنہوں نے پہاڑوں کو چھپا دیا ہے۔ اب اس کا یہی علاج ہے کہ اپنے کمرے میں بیٹھی روزنامچہ لکھتی رہوں۔

سوڈانی ملازم میری خدمت کے لئے حاضر ہیں۔ ابھی حاجی بننے کی ان کو استطاعت نہیں ہے مگر آس لگائے ہیں کہ جب یہ کافی روپیہ جمع کرلیں گے تو ایک دن ضرور حج کو جائیں گے۔ انشاء اللہ میں نے ان کو اپنے پاس کی تصویریں دکھائیں اور جہاں تک ہو سکا حرمین کے حالات ان سے بیان کئے۔

پورٹ سوڈان سے روانگی بی لائنر۔ بارک شائر ۱۳ اپریل۔ سب کام بخیر و خوبی ختم ہوگئے۔ الحمدللہ۔ میرا قرنطینہ صرف تین دن رہا۔ کپتان نے مجھے اجازت دے دی ہے کہ قرنطینہ کے باقی دو دن "بی جہاز" پر کاٹ دوں۔ یہ اب سوئز جانے کیلئے دھوئیں اڑا رہا ہے۔ مجھے اس میں ایک آرام دہ کیبن مل گیا۔ لیکن اس میں دو سیٹیں ہیں اس لئے اندیشہ ہے کہ بندرگاہ سعید پہونچنے کے بعد بھی جہاں اور مسافر سوار ہونے کا کھٹکا ہے یہ میرے ہی قبضہ میں

رہے گا یا نہیں اگر میں اس پر تنہا قابض نہ رہی تو پھر میں قاہرہ چلی جاؤں گی اور وہاں کچھ دن پی اینڈ او جہاز کا انتظار کروں گی۔ جس میں میرے لئے ایک کیبن محفوظ ہے۔

۱۶ اپریل طوفانی سفر کے بعد اب ہم نہر سوئز میں سے گزر رہے ہیں امید ہے کہ آج شام کے پانچ بجے بندرگاہ سعید پہنچ جائیں گے۔ میں نے کپتان کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے جہاز پر قرنطینہ ختم کرنے کی مجھے اجازت دے دی۔ جہاز کے مہتمم نے مجھے کہا ہے کہ مارسیلز پہونچنے تک یہ کیبن میرے ہی قبضہ میں رہے گا۔ یہ بڑی اچھی بات ہے۔ مجھے یہاں بہت آرام ہے۔ جہاز پر میرا کوئی ملاقاتی بھی نہیں ہے اس لئے مجھے اپنا عزیز روزنامچہ لکھنے کے لئے بہت وقت ہے۔

ایک حاجی اور پانچ عیسائی ایک میز پر

میں اور پانچ خوبصورت لیڈیاں ایک ہی میز پر کھانا کھاتی ہیں۔ یہ سب لنکا سے آئی ہیں جب تک مجھے یہ نہ معلوم ہو گیا کہ یہ داعیان مذہب عیسوی ہیں میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ عورتیں آیا جائے کو پسند کرتی ہیں یا برج کھیلنے کو۔

کیا داروغہ باورچی خانہ کو کچھ مذاق مقصود ہے کہ اس نے اسی خاص میز پر ایک حاجی کو بھی لا بٹھایا ہے؟

مس آر م اسٹیڈ کے ساتھ ٹائپ رائٹر بھی ہے اور وہ اپنی خوشی سے میرے روزنامچے کو ٹائپ کر رہی ہیں۔ اس سے مجھے بڑی مدد مل رہی ہے اور میں ان کی بہت شکرگزار ہوں۔

مہتمم جہاز میرے واسطے یہ انتظام کر رہے ہیں کہ مارسیلز سے میں ہوائی جہاز میں کرائڈن پہونچ جاؤں۔ اس میں صرف کچھ گھنٹے لگیں گے اور ریل سے سستا بھی

ہے۔ میں ۲۱/اپریل کو جمعہ کے دن چھ بجے شام کرائڈن پہونچ جاؤں گی۔ اب گھر والو کو تار دے رہی ہوں کہ وہ مجھ سے ہوائی جہاز کے اسٹیشن پر ملیں۔

بندرگاہ سعید ۱۷/اپریل۔ کل مغرب کے وقت ہم بندرگاہ سعید پہونچے اور میں اپنے ملاقاتی شیخ محمد احمد صاحب سے ملنے اور اپنے حج کی کیفیت بیان کرنے کیلئے مسجد توفیقیہ کو گئی۔ مغرب کی نماز کا وقت تھا۔ مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی تھی۔ شیخ نے مجھے فوراً پہچان لیا۔ میرا خیر مقدم کیا اور مبارک باد دی۔ مسجد کے پیچھے والے چھوٹے حجرے میں ایک عربی اخبار کا قطع کردہ پرچہ تھا۔ اُس میں میرے حج کی کیفیت شائع ہوئی تھی۔ نماز کے بعد شیخ محمد احمد میرے ساتھ جہاز تک آئے میں نے اپنے پاس کی تصویریں ان کو دکھائیں۔ گیارہ بجے رات کو ہم مارسیلز روانہ ہوگئے۔

۱۹/اپریل:۔ سمندر میں تموج نہیں ہے اور ہم ابتک خیریت سے ہیں جمعہ کی صبح میں نے ہوائی جہاز میں اپنی نشست ٹھیرالی اور لاسلکی کے ذریعہ سے مکان کو اطلاع کردی کہ چھ بجے شام کو مجھ سے کرائڈن کے ہوائی اسٹیشن پر ملیں۔

بندرگاہ مارسیلز مونٹ کاٹیج۔ ۲۱/اپریل ۱۹۳۳ء م ۲۵/ذیحجہ ۱۳۵۱ھ:۔ بندرگاہ مارسیلز پر ہم صبح دس بجے پہونچے۔ امید سے زیادہ دیر ہوگئی جہاز سے اترتے وقت مجھے موقع نہ ملا کہ میں مشنری لیڈیوں سے ملتی۔ میں جھپٹ کر اُس بس میں سوار ہوگئی جو مجھے اور میرے ساتھیوں کو بیس میل کے فاصلہ پر ہوائی اسٹیشن تک لے جانے والی تھی۔

گھر کی طرف ہوائی جہاز میں ہوا تیز تھی ہم نے زیادہ وقت ضائع نہ کیا جلدی

سے ہوائی جہاز میں اپنی اپنی سیٹوں پر بیٹھ گئے اور ساڑھے گیارہ بجے روانہ ہوگئے یہ ایک فرانسیسی چھوٹا سا طیارہ تھا۔ اس میں ہم چھ مسافر سوار تھے۔ یہ بُری طرح ڈوبتا اوچھلتا تھا۔ تین گھنٹے کی دھینگا مشتی کے بعد ہم لیون پہنچے۔ وہاں دس منٹ دم لیا اور پھر روانہ ہوگئے۔ دو گھنٹے بعد لی بورگیٹ پہونچے۔ یہاں طیارہ بدل گیا۔ یہ اچھا جہاز تھا۔ اس کا نام "گولڈن رے" (سنہری کرن) تھا۔ آٹھ بجے رات کو ہم کرائڈن جا پہونچے۔

اپنے گھر میں

تھکا دینے والے نو گھنٹے تک ہوا میں رہنے کے بعد جب میں نے طیارے کو بازو تولتے ہوئے دیکھا اور ہم زمین کی طرف اُترتے ہوئے معلوم ہوئے تو میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔

اب میں پھر اپنے چھوٹے سے مکان میں ہوں یہاں میرے آس پاس وہی میری جان پہچان کی چیزیں ہیں۔

سفرِ حج کا زبردست اثر

میں حیران ہوں کہ یہ گزشتہ چند ہفتے کیا کوئی خواب تھا خواب بھی الف لیلہ کا سا خواب۔ لیکن جب میں اپنا روزنامچہ دیکھتی ہوں تو وہی خواب پھر میری آنکھوں کے سامنے حقیقت کی صورت میں آجاتا ہے۔ میں نے اپنے دل میں یادگاروں کے جو خزانے جمع کر لئے ہیں امتدادِ زمانہ اُن کو مجھ سے چھین نہیں سکتا۔

وہ مدینے کے باغ۔ وہ مسجدوں کا سکون و خاموشی۔ نورِ ایمان سے چمکتی ہوئی آنکھوں والے حاجیوں کا میرے پاس سے گزرنا۔ وہ حرم مکہ کی عظمت۔ وہ میدان عرفات میں حاجیوں کا پڑاؤ اور سب

مکہ

سے بڑھ کر وہ حصول مقصد کا روح پرور اعتقاد۔ ان گزشتہ دنوں نے سوائے ہمیشہ رہنے والی نیکی حیرت اور خوشنمائی کے اور میرے پاس چھوڑا ہی کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ حیرت میں ڈالنے کیلئے مجھے ایک نئی دنیا دکھا دی گئی فقط

با الحسین

"ادارۂ ادبیات اُردو" رفعت منزل خیریت آباد حیدرآباد دکن

مکتبہ ابراہیمیہ مصطفےٰ بازار حیدرآباد دکن

مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹرز واقع مغلپورہ

کتب خانہ [illegible] امیرالدولہ [illegible] لکھنؤ